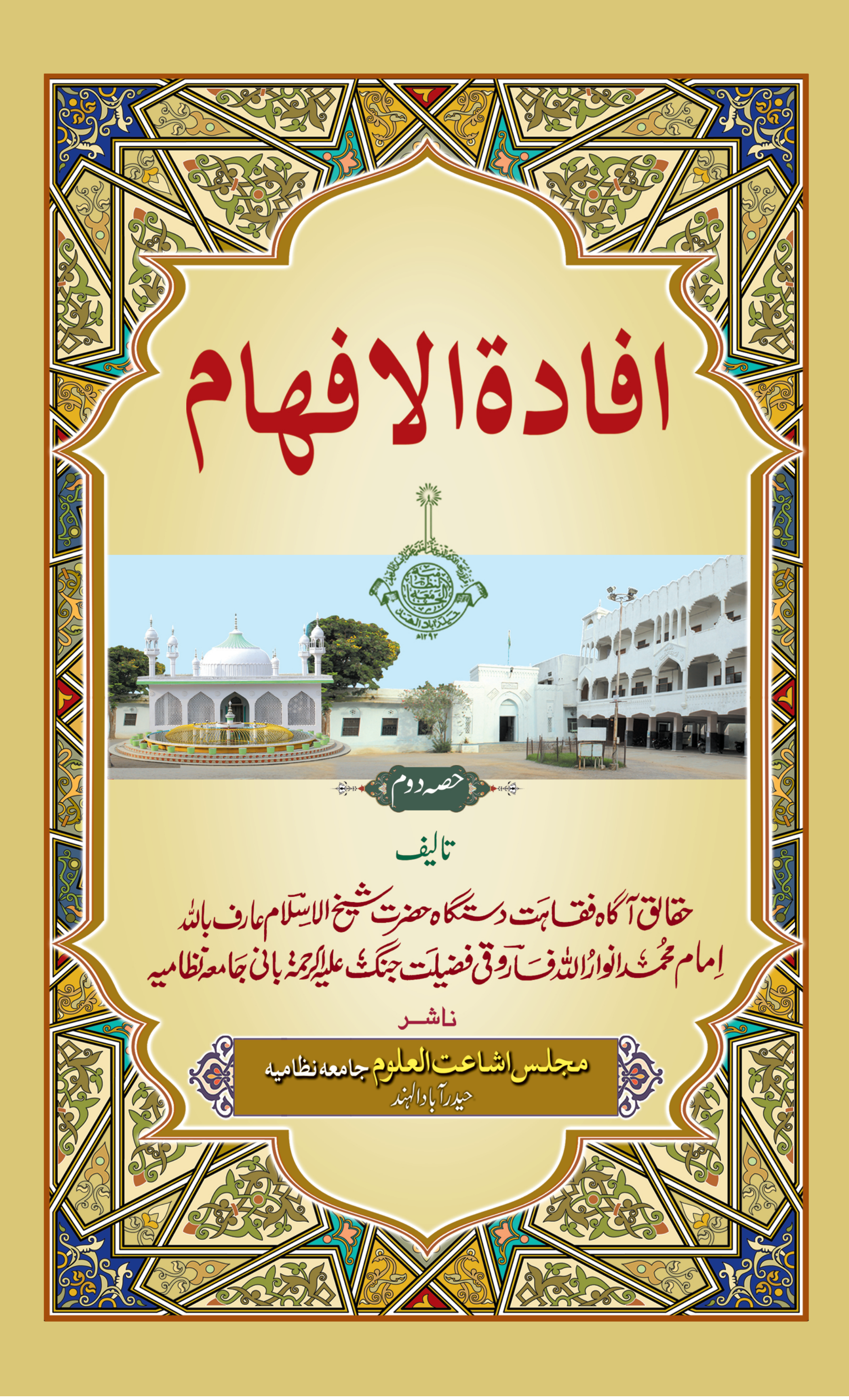


افادة الافهام
حصہ دوم
تالیف
حقائق آگاہ فقاہت دستگاہ حضرت شیخ الاسلام عارف باللہ
امام محمد انوار اللہ فاروقی فضیلت جنگ علیہ الرحمۃ بانی جامعہ نظامیہ
ناشر
مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ
حیدرآباد الہند

اللھم انا نعوذبك من علم لا ینفع ومن قلب لا یخشع

بحمد اللہ العزیز العلام کتاب نور افزائے بصیرت اہل اسلام
بکشف حقیقت ازالۃ الاوہام موسوم بہ

مفاتیح الاعلام

یعنی

افادۃ الافہام

حصہ دوم

مؤلفہ

حقائق آگاہ فقاہت دستگاہ شیخ الاسلام عارف باللہ عطائے خیر الانام
حضرت امام محمد انوار اللہ فاروقی فضیلت جنگ، علیہ الرحمۃ بانی جامعہ نظامیہ

باہتمام

بزمِ علم وعرفان، حیدرآباد۔ دکن

ناشر: مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ، حیدرآباد۔ الہند

تفصیلات کتاب

نام کتاب : افادۃ الافہام (حصہ دوم)

مؤلف : شیخ الاسلام حافظ امام محمد انوار اللہ فاروقی فضیلت جنگ علیہ الرحمہ

بہ مَسّرت : صد سالہ عرس مبارک شیخ الاسلام بانی جامعہ نظامیہ

صفحات : 328

سنہ اشاعت : بار سوم جمادی الاولیٰ 1436ھ م مارچ 2015ء

باہتمام : بزمِ علم و عرفان، حیدرآباد۔ دکن

ناشر : مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ، حیدرآباد۔ الہند

کمپوزنگ : انوار گرافکس 9390045494

مطبع : ابوالوفاء الافغانی رحمۃ اللہ علیہ، جامعہ نظامیہ

قیمت : -/300

ملنے کے پتے

دفتر مجلس اشاعت العلوم، جامعہ نظامیہ

حیدرآباد ۵۰۰۰۶۴ ٹی۔ ایس (الہند)

فون: 24576772 / 24416847 فیاکس: 24503267 40 0091

ویب سائٹ : www.jamianizamia.org

ای میل : fatwa@jamianizamia.org

fatwajamianizamia@yahoo.com

دفتر بزم علم و عرفان، بمکان مولانا مفتی محمد عبدالقدوس صاحبؒ، بشارت نگر، کالا پتھر، حیدرآباد

9848707173, 9394483652, 9393099458

ابوالحسنات اسلامک ریسرچ سنٹر۔ 040-64534568

شیخ الاسلام لائبریری اینڈ ریسرچ فاؤنڈیشن، نزد جامعہ نظامیہ حیدرآباد، 9701223435

دکن ٹریڈرس، چارمینار، حیدرآباد۔ 040-64534568

کاظم سیریز، چارمینار، حیدرآباد، 9177396593



فہرست مضامین افادۃ الافہام حصہ دوم



بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریر سابق سے معلوم ہوا کہ مرزا صاحب اس لحاظ سے کہ خود معجزے نہیں دکھلا سکتے عقلی معجزے اختراع کئے، جسکی وجہ سے ان کو حقیقی معجزات کی توہین کی ضرورت ہوئی اور ان معجزات کو ایک قسم کا سحر اور انبیاء کو ساحر قرار دیا اور خدائے تعالی نے جو اپنے کلام قدیم میں ان کی تعریفیں کیں اور فضائل بیان کئے اس کی کچھ پرواہ نہ کی۔

بحث متعلق حدیث

اسی طرح احادیث بھی چونکہ ان کے دعووں کو ثابت نہیں ہونے دیتے تھے اس لئے مثل اور فرق باطلہ کے انہوں نے احادیث کو بھی ساقط الاعتبار بنانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام (ص ۵۳۰) میں ایک طولانی تقریر کے بعد لکھتے ہیں:

''کیوں جائز نہیں ہے کہ راویوں نے عمدا یا سہوا بعض احادیث کی تبلیغ میں خطا کی ہو'' انتھی

ہم یہاں تھوڑا سا حال احادیث کے اہتمام کا بیان کرتے ہیں جس سے خود معلوم ہو جائیگا کہ علماء رحمھم اللہ نے کس قدر جان فشانیاں کر کے سرمایۂ حدیث ہمارے لئے فراہم اور محفوظ کر رکھا ہے اور وہ کس قدر قابل اعتبار ہے۔

کل صحابہ کی تعداد

امام نوویؒ نے تقریب (التھذیب) میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ احکام سے فارغ ہوکر عالم جاودانی کو جب تشریف لے گئے اس وقت ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہ موجود تھے۔ اہل اسلام پر صحابہ کی حالت پوشیدہ نہیں کہ اشاعت دین میں کیسے ساعی تھے، اس سے بڑھ کر کیا ہو کہ اس راہ میں جان دینا ان کے نزدیک پوری کامیابی اور سعادت ابدی تھی، جو ان کے کارناموں سے اظہر من الشمس ہے۔ ان کے ذہنوں میں بھی یہ بات جمی ہوئی تھی کہ ہمارا دین وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادات فرمائے ہیں اور اس حیثیت سے کہ یہ دین ناسخ ادیان ہے سوائے قرآن واحادیث کے ان کو نہ کسی کتاب سے تعلق تھا نہ کسی علم سے۔

یہ بات ظاہر ہے کہ مقتضائے طبیعت انسانی ہے کہ جس قوم میں کوئی بزرگ جلیل القدر ہو اس کی ادنیٰ ادنیٰ بات اس قوم میں شہرت پاتی ہے اسی وجہ سے سلاطین وامرائے نامدار کی ہر بات تمام ملک میں مشہور ہو جاتی ہے، جب عموماً یہ حال ہو تو سردار کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال، حرکات وسکنات کو ان عشاق جانباز نے اسلامی دنیا میں کیا کچھ شہرت نہ دی ہوگی۔ پھر جب حاضرین کو بار بار حکم: ''فَلْيُبَلِّغُ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ'' ہوا کرتا تھا۔ (صحیح البخاری کتاب الجمعۃ باب الطیب للجمعۃ) یعنی ''جو کچھ دیکھو اور سنو غائبوں کو پہونچا دیا کرو'' اس حکم صریح نے تو ان حضرات پر اشاعت کو فرض ہی کر دیا' پھر اس زمانے میں سوائے قرآن وحدیث کوئی علم ہی نہ تھا' اور علم کے فضائل میں جو احادیث بکثرت وارد ہیں پوشیدہ نہیں، جن سے ثابت ہے کہ وہ تمام عبادات بلکہ جہاد سے بھی افضل ہے تو قیاس کیا جائے کہ وہ حضرات جو تحصیل کمالات اخروی پر جان دیتے تھے تعلیم وتعلم قرآن وحدیث پر کس قدر حریص اور اس میں ساعی ہونگے۔

الغرض متعدد قرائن قویہ سے ثابت ہے کہ اس زمانہ میں احادیث نبویہ مثل قرآن متداول تھیں اور تقریباً پوری قوم ان کی حفاظت میں مصروف اور سرگرم تھی اور جہاں جہاں اسلام اپنی روزافزوں ترقیوں سے قدم بڑھاتا اور پہونچتا گیا اس کے ساتھ ساتھ علم بھی پہلو بہ پہلو ترقی کرتا رہا اور نزدیک اور دور والے اس سحابِ جاں بخش سے یکساں سیراب تھے۔ تقریباً ایک صدی تک ان اکابر دین کے سینے اس گنجینہ بے بہا کے صندوق بنے رہے جب تابعین کا زمانہ صحابہ کے انوار وفیوض سے خالی ہو گیا تو یہ رائے قرار پائی کہ ان علومِ نبویہ کی حفاظت کا طریقہ اب یہی ہے کہ قید کتابت میں لائے جائیں چنانچہ اس وقت سے کتابیں تصنیف ہونے لگیں۔

یہ زمانہ وہ تھا کہ غیر اقوام کے لوگ اسلام میں بہت کچھ داخل ہو چکے تھے اور مذاہب باطلہ کی بنیادیں پڑھ چکی تھیں اور جس طرح خود غرض بے دینوں کی عادت ہے بہت سے شریر النفس اس تاک میں لگے ہوئے تھے کہ اگر کوئی داؤ چل جائے تو اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علیحدہ کر کے مقتداء بن بیٹھیں چنانچہ بہت سے حمقاء ان کے دام میں پھنس بھی گئے جس کا حال تواریخ سے ظاہر ہے۔ اس لئے علماء نے یہ التزام واہتمام کیا کہ جب تک پورے طور سے راویوں کی دیانت وتقوی ثابت نہ ہو

اس سے روایت نہ لی جائے اور اگر لاعلمی سے کوئی روایت لی بھی جائے تو جب کوئی بے دین ثابت ہو جائے اس کی کل روایتیں ساقط الاعتبار کر دی جائیں۔ اور تحقیق کی یہ کیفیت کہ جب کوئی دو شخص ہم مشرب ملتے تو جرح و تعدیل ہی میں بحث رہتی اور اپنے اپنے تجربوں سے جو کچھ ثابت ہوتا ایک دوسرے کو خبر دے دیتے جس سے ایک بڑا فن رجال کا مدون ہوا' جس میں ہر راوی کے جرح و تعدیل سے متعلق چشم دید واقعات مذکور ہیں۔

مدعی ثبوت کی تدبیر

غرض کہ اس تحقیق و تنقیح سے گو بعض صحیح روایتیں جو اس قسم کے لوگوں سے مروی تھیں متروک ہو گئیں، لیکن بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ بنائی ہوئی روایتوں کی قلعی کھل گئی اور ساقط الاعتبار کر دی گئیں اور یہی طریقہ علماء میں جاری رہا۔ اگر چہ ایسے لوگوں کی روایتیں متروک کر دی جاتی تھیں مگر بعض روایتیں جو راوی کے غیر متدین ہونے پر دلیل تھیں وہ زباں زد تھیں، مثلاً تدریب الراوی میں امام سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ: محمد ابن سعید شامی نے یہ روایت کی: ''عَنْ حُمِيْدٍ عَنْ أَنَسٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: أَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِی اِلَّا أَنْ یَّشَاءَ اللّٰہُ'' (تدریب الراوی، الجزء الاول، النوع الحادی والعشرون الموضعون)

چونکہ اس شخص کو نبوت کا دعوی کرنا منظور تھا' اس لئے اس نے اس حدیث میں: ''اِلَّا أَنْ یَّشَاءَ اللّٰہُ'' بڑھا دیا اور اس کے بعد نبوت کا دعوی کیا۔ مگر اس زمانہ میں ایسی زیادتیاں اور داؤ پیچ کب چل سکتے تھے آخر وہ سولی پر چڑھایا گیا اور اس کی روایتیں موضوعات میں شامل کی گئیں، اسی طرح وہ روایتیں جو قبل تحقیق کتابوں میں درج ہو چکی تھیں وہ باقی رہ گئی تھیں ایسی احادیث کے لئے محدثین رحمہم اللہ نے خاص خاص کتابیں تصنیف کیں اور سب موضوعات کو ان میں داخل کر دیا چنانچہ یہ بھی ایک فن جداگانہ مدون ہو گیا۔

فن اصول حدیث کے دیکھنے سے یہ بات مبرہن اور منکشف ہو جاتی ہے کہ اکابر محدثین رحمہم اللہ نے کیسی کیسی جان فشانیاں اور موشگافیاں کر کے آخری زمانہ والوں کے لئے ان کے دین کا

سرمایہ محفوظ رکھا ہے۔ ان کی محنت کا اندازہ اس روایت سے ہوسکتا ہے جو شرح الاشباہ والنظایر (ص ۳۹۷) میں منقول ہے:

ذَکَرَ الْبَزَازِ فِی الْمَنَاقِبِ عَنِ الْإِمَامِ الْبُخَارِی "اَلرَّجُلُ لَا یَصِیْرُ مُحَدِّثًا کَامِلًا اِلَّا اَنْ یَّکْتُبَ أَرْبَعاً مَعَ أَرْبَعٍ، کَأَرْبَعٍ مَعَ أَرْبَعٍ، فِیْ أَرْبَعٍ، عِنْدَ أَرْبَعٍ، بِأَرْبَعٍ، عَلٰی أَرْبَعٍ، عَنْ أَرْبَعٍ، لِأَرْبَعٍ۔ وَهٰذِهِ الرُّبَاعِیَّاتُ لَا تَتِمُّ اِلَّا بِأَرْبَعٍ مَعَ أَرْبَعٍ۔ فَاِذَا تَمَّتْ لَهٗ کُلُّهَا هَانَتْ عَلَیْهِ أَرْبَعٌ، وَابْتُلِیَ بِأَرْبَعٍ۔ فَاِذَا صَبَرَ أَکْرَمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فِی الدُّنْیَا بِأَرْبَعٍ، وَأَثَابَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ بِأَرْبَعٍ۔ أَمَّا الْأُوْلٰی فَأَخْبَارُ الرَّسُوْلِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَشَرَائِعُهٗ، وَأَخْبَارُ الصَّحَابَةِ وَمَقَادِیْرُهُمْ، وَالتَّابِعِیْنَ وَأَحْوَالُهُمْ، وَسَائِرِ الْعُلَمَاءِ وَتَوَارِیْخُهُمْ۔ مَعَ أَرْبَعٍ: أَسْمَاءِ رِجَالِهِمْ، وَکُنَاهُمْ، وَأَمْکِنَتِهِمْ، وَأَزْمِنَتِهِمْ۔ کَأَرْبَعٍ: أَلتَّحْمِیْدُ مَعَ الْخُطَبِ، وَالدُّعَاءُ مَعَ التَّوَسُّلِ، وَالتَّسْمِیَةُ مَعَ السُّوْرَةِ، وَالتَّکْبِیْرُ مَعَ الصَّلَوٰاتِ۔ مَعَ أَرْبَعٍ: أَلْمُسْنَدَاتِ، وَالْمُرْسَلَاتِ، وَالْمَوْقُوْفَاتِ، وَالْمَقْطُوْعَاتِ۔ فِی أَرْبَعٍ: فِیْ صِغْرِهٖ، فِیْ اِدْرَاکِهٖ، فِیْ شَبَابِهٖ، فِیْ کُهُوْلَتِهٖ۔ عِنْدَ أَرْبَعٍ: عِنْدَ شُغْلِهٖ، عِنْدَ فَرَاغِهٖ، عِنْدَ فَقْرِهٖ، عِنْدَ غِنَاهُ۔ بِأَرْبَعٍ: بِالْجِبَالِ، بِالْبِحَارِ، بِالْبَرَارِی، بِالْبُلْدَانِ۔ عَلٰی أَرْبَعٍ: عَلَی الْحِجَارَةِ، عَلَی الْأَخْزَافِ، عَلَی الْجُلُوْدِ، عَلَی الْأَکْتَافِ اِلَی الْوَقْتِ الَّذِی لَا یُمْکِنُ نَقْلُهَا اِلَی الْأَوْرَاقِ۔ عَنْ أَرْبَعٍ: عَمَّنْ هُوَ فَوْقَهٗ، وَدُوْنَهٗ، وَمِثْلَهٗ، وَعَنْ کِتَابِ أَبِیْهِ اِذَا عَلِمَ أَنَّهٗ خَطُّهٗ۔ لِأَرْبَعٍ: لِوَجْهِ اللّٰهِ وَرِضَاهُ، وَلِلْعَمَلِ بِهٖ وَاِنْ وَافَقَ کِتَابَ اللّٰهِ تَعَالٰی، وَلِنَشْرِهَا بَیْنَ طَالِبِیْهَا، وَلِاِحْیَاءِ ذِکْرِهٖ بَعْدَ مَوْتِهٖ۔ ثُمَّ لَا تَتِمُّ لَهٗ هٰذِهِ الْأَشْیَاءُ اِلَّا بِأَرْبَعٍ: مِنْ کَسْبِ الْعَبْدِ، وَهُوَ مَعْرِفَتُهُ الْکِتَابَةَ وَاللُّغَةَ وَالصَّرْفَ وَالنَّحْوَ۔ مَعَ أَرْبَعٍ مِنْ عَطَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰی: أَلصِّحَّةِ وَالْقُدْرَةِ وَالْحِرْصِ وَالْحِفْظِ۔ فَاِذَا تَمَّتْ لَهٗ هٰذِهِ الْأَشْیَاءُ هَانَتْ عَلَیْهِ أَرْبَعٌ: أَلْأَهْلُ، وَالْوَلَدُ، وَالْمَالُ، وَالْوَطَنُ۔ وَابْتُلِیَ بِأَرْبَعٍ: بِشَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ، وَمَلَامَةِ الْأَصْدِقَاءِ، وَطَعْنِ الْجُهَّالِ، وَحَسَدِ الْعُلَمَاءِ۔ فَاِذَا صَبَرَ أَکْرَمَ اللّٰهُ تَعَالٰی فِی الدُّنْیَا بِأَرْبَعٍ: بِعِزِّ الْقَنَاعَةِ، وَهَیْبَةِ النَّفْسِ، وَلَذَّةِ الْعِلْمِ، وَحَیٰوةِ الْأَبَدِ۔ وَأَثَابَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ بِأَرْبَعٍ: بِالشَّفَاعَةِ لِمَنْ أَرَادَ مِنْ اِخْوَانِهٖ، وَبِظِلِّ الْعَرْشِ حَیْثُ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ، وَالشُّرْبِ مِنَ

الْكَوْثَرِ، وَجِوَارِ النَّبِيِّيْنَ فِي أَعْلٰى عِلِّيِّيْنَ. فَإِنْ لَمْ يُطِقْ احْتِمَالَ هٰذِهِ الْمَشَاقِّ فَعَلَيْهِ بِالْفِقْهِ الَّذِي يُمْكِنُهُ تَعَلُّمُهُ الخ (الاشباہ والنظائر کتاب الفروق الفائدۃ الثالث)

ماحصل اس کا یہ ہے کہ آدمی کامل محدث نہیں ہوسکتا جب تک امور ذیل پر پورے طور سے واقف اور ماہر نہ ہو: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخبار اور جو احکام حضرت مقرر فرمائے ہیں، اور نیز صحابہ کے اخبار وحالات، اور تابعین، اور جمیع علماء کے احوال اور تواریخ، اور ہر ایک کا نام اور کنیت اور وطن اور زمانہ اور احادیث کے اقسام کہ کون سی حدیث مسند ہے اور کون سی مرسل اور مقطوع اور موقوف وغیرہ ہے۔ اس کے سوا رسم الخط اور صرف ونحو اور لغت کا بھی ماہر ہو اور عمر بھر خالصا لوجہ اللہ اسی کام میں لگا رہے۔

فن رجال کے واقفین پر یہ امر پوشیدہ نہیں کہ جتنے اکابر محدثین تھے وہ سب ان صفات کے ساتھ متصف تھے اور یہ سب باتیں ان کو ازبر تھیں۔ اگرچہ بظاہر یہ امر کسی قدر مستبعد معلوم ہوتا ہے مگر غور کرنے سے یہ استبعاد رفع ہوسکتا ہے۔ آخر قوت حافظہ کے مدارج ہیں؛ بعض حافظے ایسے بھی ہوسکتے ہیں کہ جو چیز انہوں نے دیکھی یا سنی وہ **کَنَقْشِ الحجر** ہوگئی، جیسے عکسی تصاویر میں ہوتا ہے اور اسکے نظائر من وجہ اس زمانہ میں بھی موجود ہیں۔ مثلاً بعض وکلاء کو کل قانونی کتابیں ایسی ازبر ہوتی ہیں کہ جو مضمون پوچھیے اس کا دفعہ وغیرہ بتلا کر صدہا نظایر اور فیصلوں کے پورے پورے مضامین پیش کر دیتے ہیں۔ اصل سبب اس کا یہ ہے کہ حق تعالی کو اس دین کی حفاظت منظور ہے جو قولہ تعالی: ''وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾'' (یوسف) سے ظاہر ہے۔ اس لئے ایسے افراد منتخب روزگار پیدا کر کے ان سے یہ کام لیا، ان حضرات نے وہ وہ موشگافیاں کیں کہ فن حدیث ایک سو فنون پر مشتمل ہو گیا جسکی تصریح امام سیوطیؒ نے تدریب الراوی میں کی ہے اور ان حضرات نے بفضلہٖ تعالی ان میں اعلی درجہ کی ترقی کر کے ان سب کو کمال پر پہونچا دیا۔ اب اہل انصاف غور فرمائیں کیا ان حضرات کے روبرو کسی کے داؤ پیچ اسلام میں چل سکتے تھے کیا ممکن ہے کہ کسی کی بنائی ہوئی حدیث ان کی غامض نظروں سے چھپ کر صحت کے پیرایہ میں آسکتی تھی اگر انصاف سے دیکھا جائے تو ہمارے یہاں کی ضعیف حدیث دوسری ملتوں کی قوی اور صحیح روایتوں سے بدرجہا قوی ہوگی۔

اول ما آخر ہر منتہی	آخر ما حبیب تمنا تھی

مرزا صاحب جو کہتے ہیں کہ: ممکن ہے کہ راویوں نے عمدًا یا سہوًا خطا کی ہوگی سو یہ ظاہرًا درست ہے کیونکہ امکان کا دائرہ ایسا وسیع ہے کہ جس چیز کا نہ کبھی وجود ہوا ہو نہ ہوگا وہ بھی اس میں داخل ہے۔ مگر یہ بھی تو ممکن ہے کہ ان حضرات نے نہ عمدًا خطا کی ہو نہ سہوًا پھر اس کی کیا وجہ کہ خطا کا امکان پیش کر کے وہ اکابر دین نشانۂ ملامت بنائے جائیں۔ قراین مذکورہ بالا پر نظر ڈالنے کے بعد یہ امر پوشیدہ نہیں رہ سکتا کہ ہزار ہا اکابر دین اور متدین علماء نے جب فن حدیث کا اس قدر اہتمام کیا ہے تو صرف ایک خفیف سا احتمال اس قابل نہیں کہ اس کے مقابل پیش ہو سکے۔ یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ اکابر محدثین جنہوں نے نہ سلاطین و امراء کی صحبت اختیار کی جس سے احتمال ہو کہ انکی خاطر سے کوئی حدیث بنائی ہو، نہ اشاعت علوم پر ماہوار یا کسی قسم کا چندہ مقرر کیا' جس سے خیال ہو کہ کثرت احادیث کی ضرورت سے کچھ حدیثیں بنائی ہوں، ان حضرات نے تو اشاعت علوم میں جان دینے میں بھی دریغ نہیں کیا۔

چنانچہ امام نسائیؒ کا حال مشہور و معروف ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل کی حدیثیں شائع کرنے کی غرض سے شام تشریف لے گئے جہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی سخت منقصت ہوا کرتی تھی اور جان کی کچھ پرواہ نہ کی۔ چنانچہ اسی جرم میں شہید کئے گئے ایسے حضرات کی روایات میں تو اقسام کے احتمالات پیدا کئے جائیں اور مرزا صاحب عیسویت اور وحی کی وجہ سے لاکھوں روپے حاصل کریں ان کی خبروں میں احتمال بھی قائم نہ کیا جائے، عجیب بات ہے اگر عقل سے تھوڑا بھی کام لیا جائے تو معاملہ بالعکس ثابت ہو جائے گا۔

فن اصول حدیث وفقہ میں یہ بحث نہایت مبسوط ہے کہ احادیث صحیحہ قابل تصدیق اور واجب العمل ہیں۔ انہیں احادیث پر اکثر مسائل فقہ کا دارومدار ہے۔ اگر وہ بے اعتبار قرار دیئے جائیں تو تمام مذاہب حقہ درہم و برہم ہو جائیں گے۔ اور بے دینوں کو آیات قرآنیہ میں تصرف کا موقعہ ہاتھ آ جائیگا۔ چنانچہ ملاحدہ نے یہی کام کیا ہے۔



ظن غالب دین میں معتبر چیز ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو چیز تواتر سے ثابت ہو اس کا علم یقینی اور ضروری ہوتا ہے۔اور احادیث غیر متواترہ کا علم ظنی ہے، مگر شریعت نے اس ظن غالب کو اعتبار کرلیا ہے۔دیکھ لیجئے دو گواہوں کی خبر سے جملہ حقوق ثابت ہوجاتے ہیں۔ یہاں تک کہ انہیں دو گواہوں کی گواہی سے مسلمان کا قتل قصاص میں مباح ہوجاتا ہے۔اب دیکھئے کہ دو شخصوں کی خبر کسی طرح متواتر نہیں ہوسکتی بلکہ اس سے صرف ظن غالب ہوجاتا ہے باوجود اس کے شریعت نے اس کا اعتبار کرلیا ہے۔ اسی طرح ثبوت نسب صرف باپ کے اقرار پر ہوجاتا ہے اگر اس کے لئے تواتر شرط ہوتو ممکن نہیں کہ کوئی شخص اپنے آباء واجداد کی میراث اور جائیداد کا مالک بنے۔ پھر باپ جو لڑکے کے نسب کا اقرار کرتا ہے۔اس کا مدار صرف ظن غالب پر ہے؛ جو اپنی زوجہ کے بیان اور قرائن خارجیہ مثل عفت وغیرہ کے لحاظ سے اس کو حاصل ہوتا ہے۔اگر اس ظن غالب کا اعتبار نہ کرکے کسی غیور شخص کے نسب میں ناشائستہ احتمال پیش کئے جائیں تو کیا ان احتمالوں کو وہ قابل تسلیم سمجھے گا، یا کسی اور طریقہ سے پیش آئے گا؛ جو دشنام کے جواب میں اختیار کیا جاتا ہے۔اسی طرح جہاں قبلہ مشتبہ ہوجائے تو ظن غالب پر عمل لازم ہوجاتا ہے؛ گو وہ خلاف واقع ہو۔اور اسی طرف نماز صحیح بھی ہوجاتی ہے اگرچہ غیر سمت قبلہ کی طرف پڑھی ہو۔غرض کہ جو چیز ظن غالب سے ثابت ہوتی ہے شرعاً عرفاً عقلاً قابل تصدیق سمجھی جاتی ہے۔اس سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب جو احتمال ضعیف پیش کرکے احادیث کو بے اعتبار بنانا چاہتے ہیں اہل اسلام اس کو ہرگز جائز نہیں رکھ سکتے۔ کیوں کہ یہ بات گویا فطرتی ہے کہ ہر قوم اپنے مقتدا اور پیشوا کی باتیں جو ان کے اسلاف نے ان تک پہنچائی ہیں ان کو قابل قبول اور ان کے مخالفین کتنے ہی احتمال پیدا کریں ان کو لغو سمجھتی ہے؛ اسی وجہ سے مرزا صاحب کی کوئی بات نہ نصاری میں فروغ پائی نہ آریہ وغیرہ میں۔ باوجودیکہ براہین احمدیہ میں انہوں نے اقسام کے احتمال ان کے مذاہب میں پیدا کردیئے۔ پھر مسلمانوں پر یہ آفت کیوں آگئی کہ جس نے جیسا کہہ دیا اس کی چل گئی اور ایسے شخص کے مقابلے میں کل اسلاف جن میں فقہاء محدثین اور اولیاء اللہ شریک ہیں سب جھوٹے سمجھے جائیں۔

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام (ص ۶۵۴) میں لکھتے ہیں کہ اکثر احادیث اگر صحیح بھی ہوں تو مفید ظن ہیں :

"وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ۝۲۸" (النجم) اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت کفار کی شان میں ہے۔ان کی عادت تھی کہ جب قیامت وغیرہ امورحقہ کا ذکر سنتے تو اس کے خلاف میں اٹکل کی باتیں بناتے تھے۔ چنانچہ حق تعالی فرماتا ہے:

وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ۝۳۲ (الجاثیہ) یعنی جب قیامت کا ذکر سنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہمیں اس کا ظن ہے یقین نہیں ہے۔

اور ارشاد ہے: "اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ۝۱۴۸" (الانعام) یعنی صرف وہ گمان پر چلتے ہیں اور وہ صرف اٹکل کی باتیں بناتے ہیں۔

اسی طرح اس آیت شریفہ میں بھی ارشاد ہے: "وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ۭ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝۳۶" (یونس) یعنی اکثر کفار صرف گمان پر چلتے ہیں اور گمان حق کے مقابل میں کام نہیں آتا۔

الحاصل جس گمان کی توہین ہورہی ہے وہ وہی گمان ہے جو آیات واحادیث کے خلاف میں عقل دوڑانے سے پیدا ہوتا ہے۔جس کے مرتکب مرزا صاحب ہورہے ہیں۔ دیکھ لیجئے جہاں کوئی حدیث وہ اپنے مقصود کے مخالف پاتے ہیں اٹکل کی باتیں بنانے لگتے ہیں؛ کہ ممکن ہے کہ راوی عمدًا یا خطاً جھوٹ کہد یا ہوگا۔اور ممکن ہے کہ اس کے یہ معنی ہوں وغیرہ۔اب اہل انصاف غور کریں کہ آیۂ شریفہ ہمارے لئے مفید ہے یا ان کے لئے؟ اگر راویوں میں احتمالات پیدا کر کے احادیث بے اعتبار قرار دیئے جائیں تو دین کی کوئی بات ثابت نہ ہوسکے گی۔ دیکھ لیجئے نماز سے زیادہ کوئی حکم ضروری نہیں ہے۔ پھر نہ پانچ وقت کی نماز قرآن سے صراحۃً ثابت ہوتی ہے؛ نہ اس کے ادا کرنے کا طریقہ۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ بعض لوگ خصوصاً مرزا صاحب خواہ مخواہ احادیث کو مخالف قرآن قرار دے کر ان کو بے اعتبار کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ان کی کم فہمی ہے۔ اس لئے کہ اکابر علماء نے جب کسی حدیث کو صحیح مان لیا؛ اگر وہ فی الواقع مخالف قرآن ہو تو یہ کہنا پڑیگا کہ ان کو قرآن کا علم نہ تھا۔ پھر ایسے لوگ جو قرآن کو ہی نہ جانیں وہ اکابر دین اور مقتدا کیونکر ہو سکتے تھے۔ بات یہ ہے کہ جو حدیث بظاہر مخالف قرآن معلوم ہو، وہ ہمارے فہم کا قصور ہے در حقیقت مخالفت ممکن نہیں اسی وجہ سے مجتہدین کی دین میں ضرورت ہوئی؛ جن کا کام یہ تھا کہ قرآن و حدیث کو تطبیق دے کر قول فیصل اور دونوں کا ماحصل بیان کریں۔ اسکی تصدیق اس سے بخوبی ہوسکتی ہے کہ آدمی جو فن پڑھتا ہے ہر سبق میں اقسام کے تعارض و تخالف اس کے ذہن میں آتے ہیں؛ مگر استاد کامل ان سب کا جواب دے کر تسکین کر دیتا ہے۔ اسی طرح مجتہدین کا بھی حال سمجھنا چاہیئے۔

مرزا صاحب نے احادیث کی توہین تو بہت کچھ کی لیکن لطف خاص یہ ہے کہ خود ہی ازالۃ الاوہام (ص ۵۵۶) میں یہ بھی فرماتے ہیں: ''اب سمجھنا چاہیئے کہ گو اجمالی طور پر قرآن شریف اکمل واتم کتاب ہے مگر ایک حصہ کثیرہ دین کا اور طریقۂ عبادات وغیرہ کا مفصّل اور مبسوط طور پر احادیث سے ہم نے لیا ہے۔ انہی ابھی احادیث کو "اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ" (یونس:۳۶) کے تحت میں داخل کر کے غیر معتد بہ بنا دیا تھا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ جو حصہ کثیرہ دین کا احادیث سے ثابت ہے؛ وہ لاشئ محض ہے۔ اس تقریر میں احادیث کی جو وقعت بیان فرماتے ہیں وہ بھی ایک حکمت عملی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہوئی کہ نیچریوں نے مرزا صاحب کی مسیحائی کی بنیاد ہی کو زیروزبر کر دیا۔

''عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد''

چنانچہ ازالۃ الاوہام (ص ۵۵۵) میں لکھتے ہیں: ''کہ حال کے نیچری جن کے دلوں میں کچھ بھی عظمت قال اللہ اور قال الرسول کی باقی نہیں رہی؛ یہ بے اصل خیال پیش کرتے ہیں کہ جو مسیح ابن مریم کے آنے کی خبریں صحاح میں موجود ہیں یہ تمام خبریں ہی غلط ہیں۔ شاید ان کا ایسی باتوں سے مطلب یہ ہے کہ اس عاجز کے اس دعوی کی تحقیر کر کے کسی طرح اس کو باطل ٹھہرایا جائے۔ انتہی

چونکہ مرزا صاحب کو عیسویت سے خاص قسم کی دلچسپی ہے اور نزول عیسی علیہ السلام کے ثبوت کا مدار احادیث کے ثبوت پر ہی تھا۔ اس لئے انہیں احادیث کے توثیق کی ضرورت ہوئی ورنہ ان کو اس سے کیا تعلق۔ دیکھ لیجئے کہ عیسی علیہ السلام کی موت پر جب کوئی حدیث نہ ملی تو انجیل موجودہ کو پیش کر دیا کہ اس سے ان کا سولی پر چڑھایا جانا ثابت ہے۔ پھر اس کی توثیق میں کہہ دیا کہ بخاری سے ثابت ہے کہ انجیل میں کوئی تحریف لفظی نہیں ہوئی جس کا حال آئندہ معلوم ہوگا۔ اور اس کی کچھ پرواہ نہ کی کہ حق تعالی بتصریح ''وَمَا قَتَلُوْهُ'' (النساء:۱۵۷) فرما رہا ہے۔

یعنی عیسی علیہ السلام کو کسی نے سولی پر نہیں چڑھایا۔ اب غور کیا جائے کہ جیسے مرزا صاحب اپنے مضر حدیثوں کو رد کرنے کیلئے کہتے ہیں کہ: راویوں نے عمداً یا سہواً غلطی کی ہوگی؛ اسی طرح نیچری بھی اسی احتمال سے اپنی خواہش بھی پوری کریں گے۔ کیا وجہ کے مرزا صاحب تو اس احتمال سے نفع اٹھائیں اور نیچری اس سے روکے جائیں؟

اجماع صحابہ سے متعلق بحث مسئلہ نزول عیسیٰ ہیں

نزول عیسی علیہ السلام کے باب میں جو حدیثیں وارد ہیں ان کی اس قدر توثیق کی کہ حد تواتر کو پہنچا دیا چنانچہ ازالۃ الاوہام (ص ۵۵۷) میں فرماتے ہیں

''یہ امر پوشیدہ نہیں کہ مسیح ابن مریم کے آنے کی پیش گوئی ایک اول درجہ کی پیش گوئی ہے جس کو سب نے باتفاق قبول کرلیا ہے تو اتر کا اول درجہ اس کو حاصل ہے''۔ انتہی

دوسرے مقام میں ازالۃ الاوہام (ص ۳۰۳) میں لکھتے ہیں: غرض یہ بات کہ مسیح جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر چڑھ گیا اور اسی جسم کے ساتھ اترے گا نہایت لغو اور بے اصل بات ہے صحابہ کا ہرگز اس پر اجماع نہیں۔ بھلا اگر ہے تو کم سے کم تین سو یا چار سو صحابہ کا نام لیجئے؛ جو اس بارے میں اپنی شہادت ادا کر گئے۔ ورنہ ایک یا دو آدمی کا نام اجماع رکھنا سخت بددیانتی ہے انتہی۔

اس مسئلہ میں قول فیصل

اس تقریر سے ظاہر ہے کہ جسم خاکی کے ساتھ عیسی علیہ السلام کا آسمان سے اترنا ایک دو صحابہ کے قول سے ثابت ہے؛ جس کو اجماع نہیں کہہ سکتے۔ اور اوپر کی تقریر سے ثابت ہے کہ کل

صحابہ نے مسیح ابن مریم کے آنے پر اتفاق کیا ہے۔اور وہ اعلیٰ درجہ کے تواتر کو پہونچ گیا ہے۔ چونکہ ہمارا دعوی یہ ہے کہ کل صحابہ کا اس مسئلہ میں اتفاق تھا۔اور مرزا صاحب اس کو قبول نہیں کرتے۔تو ان کو چاہئے کہ کوئی ایسی روایت پیش کر دیں کہ اس مسئلہ میں صحابہ کے دو فرقے ہو گئے تھے۔دو صحابی جسم کے ساتھ اترنے کے قائل تھے، اور باقی کل صحابہ نے بغیر جسم کے روحانی طور پر اترنے کی تصریح کی ہے۔اور اگر کل نہیں تو جیسا کہ خود فرماتے ہیں تین سو یا چار سو صحابہ کا نام لیں۔اور جب تک یہ اختلاف ثابت نہ کیا جائے انہیں صحابہ کی تصریح پر اجماع سکوتی کل صحابہ کا واجب التسلیم ہوگا۔اگر اہل انصاف غور کریں تو یہی قول فیصل ہوسکتا ہے۔اور یہ بات یاد رہے کہ وہ ہرگز کسی صحابی کا یہ قول پیش نہیں کر سکتے کہ مسیح روحانی طور پر اتریں گے۔

ان کے اقوال میں تعارض

مرزا صاحب نے جو ابھی فرمایا ہے کہ ایک حصہ کثیرہ دین کا احادیث سے ثابت ہوتا ہے معلوم نہیں اس میں بخاری کی تخصیص کیوں نہیں کی، وہ تو اس حدیث کو قابل اعتبار نہیں سمجھتے جو بخاری میں نہیں ہوتی۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام میں (ص ۲۴۱) میں لکھتے ہیں یہاں تک مضمون اس حدیث کا نادر اور قلیل الشہرت رہا کہ امام بخاری جیسے رئیس المحدثین کو یہ حدیث نہیں ملی کہ مسیح ابن مریم دمشق کے شرقی کنارہ میں منارہ کے پاس اتریگا۔انتہی اور لکھتے ہیں یہ وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں امام مسلم صاحب نے لکھی ہے جس کو ضعیف سمجھ کر رئیس المحدثین امام محمد بن اسمٰعیل بخاری نے چھوڑ دیا۔انتہی

ان دونوں تقریروں سے ظاہر ہے جو حدیث بخاری میں نہیں ہوتی ان کے نزدیک وہ حدیث ہی نہیں اور اگر ہے بھی تو ضعیف جو قابل اعتبار نہیں کیونکہ جو حدیث رئیس المحدثین کو نہ ملی ہو وہ دوسرے کسی محدث کو کہاں سے مل گئی اور اگر وہ حدیث ہو بھی تو اس کو ضعیف سمجھ کر انہوں نے اپنی صحیح میں داخل نہیں کیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اعتبار کے قابل نہیں۔

اب مرزا صاحب سے پوچھنا چاہئے کہ ضروۃ الامام (ص ۲) میں آپ جو تحریر فرماتے ہیں کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ جو شخص اپنے زمانہ کے امام کو شناخت نہ کرے اس کی موت جاہلیت

کی ہوتی ہے۔ جاہلیت کی موت ایک ایسی جامعہ شقاوت ہے جس سے کوئی بدی اور بدبختی باہر نہیں
اور وہ صحیح حدیث یہ ہے۔ عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ: قَالَ "رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ مَاتَ بِغَيْرِ
اِمَامٍ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً "كذا فى مسند امام احمد و الترمذى و ابن خزيمه و ابن حبان
(مسند احمد كتاب الشاميين حديث معاوية ابن ابى سفيان) اور نیز ضرورۃ الامام (ص
۲۴) میں لکھتے ہیں۔ یاد رہے کہ امام الزماں کے لفظ میں نبی، رسول، محدث، مجدد سب داخل ہیں۔ مگر
جو لوگ ارشاد اور ہدایت خلق اللہ کے لئے مامور نہیں ہوئے اور نہ وہ کمالات ان کو دیئے گئے وہ گو ولی
ہوں یا ابدال امام الزماں نہیں کہلا سکتے۔ اس وقت میں بے دھڑک کہتا ہوں کہ وہ امام الزماں میں
ہوں انتہی۔ حدیث موصوف تو بخاری میں نہیں ہے پھر وہ صحیح کیسے ہوگئی اگر یہ روایت ہماری طرف
سے پیش ہوتی تو مرزا صاحب ضرور فرماتے کہ اس کا مطلب ظاہر ہے کہ جو شخص بغیر امام کے مرے
وہ مردار موت مرا اس لئے ہر مسلمان کو ضروری ہے کہ مرتے وقت امام کو لے مرے اور ظاہر ہے کہ قتل
عمد شرعاً ناجائز ہے۔ اس سبب سے یہ حدیث موضوع ہے۔ اور بڑی دلیل اس کے موضوع ہونے پر
یہ ہے کہ اس کا مضمون یہاں تک نادر اور قلیل الشہرت رہا کہ امام بخاری جیسے رئیس المحدثین کو یہ
حدیث نہ ملی اور اگر ملی ہو تو ضعیف سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اب انصاف کیا جائے کہ ایسی حدیث کو خود اپنے
استدلال میں کیوں پیش فرماتے ہیں اور اگر قابل استدلال سمجھتے ہیں تو مسلم کی دمشق والی حدیث نے
کیا قصور کیا حالانکہ مسلم کی روایتیں بنسبت مسند وغیرہ کے وثوق میں زیادہ ہیں۔ علاوہ اس کے کل
احادیث کو "اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ط" میں داخل کر کے بے اعتبار کر دیا تھا پھر
ایسی حدیث سے آپ کا استدلال کرنا کیونکر صحیح ہوگا۔ پھر استدلال بھی کیسا کہ جو آپ کو امام الزماں نہ
مانے وہ کافر جہنمی ہے۔ کیوں کہ شقاوت جامعہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔ اب دیکھئے جو سزا اس
حدیث کے نہ ماننے پر تجویز کر رہے ہیں؛ وہ اس قدر سخت ہے جو کامل قرآن کے نہ ماننے والے کی
ہونی چاہئے۔ حالانکہ وہ حدیث انہیں کے اصول پر قابل اعتماد نہیں۔ پھر اگر اس حدیث میں ان کا
نام مصرح ہوتا تو جب بھی ایک بات تھی گو اس وقت بھی مناظر کو گنجائش تھی کہ اس نام کے بہت لوگ

موجود ہیں اور آئندہ بھی ہو سکتے ہیں۔ جب سرے سے اس میں ان کا ذکر ہی نہیں تو اب تو احتمال کو بھی گنجائش نہ رہی۔ باوجود اس کے اپنے منکر کی سزا دوزخ جو ٹھہرا رہے ہیں کیسی بے باکی ہے۔ بخلاف اس کے بخاری اور مسلم کی حدیثوں سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتصریح فرما دیا ہے کہ عیسیٰ نبی اللہ بن مریم آخری زمانہ میں آسمان سے دمشق میں اتریں گے۔ اور یہ مجموعہ صفات سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے اور کسی پر صادق نہیں آتا۔ باوجود اس کے مرزا صاحب یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے میرا نام عیسیٰ بن مریم نبی اللہ رکھ دیا ہے۔

الحاصل مرزا صاحب جب دیکھتے ہیں کہ کوئی حدیث اپنے دعویٰ کو مضر ہے تو کبھی یہ کہہ دیتے ہیں کہ وہ بخاری میں نہیں ہے اس لئے قابل اعتبار نہیں اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ صحیح بھی ہو تو اس سے ظن ثابت ہوگا اور اس کا اعتبار ہی کیا۔ اور جب ان کو استدلال منظور ہوتا ہے تو بخاری و مسلم میں نہ بھی ہو تو وہ حدیث صحیح بھی ہو جاتی ہے اور خود اس کا مصداق بھی بن جاتے ہیں۔ اور نہ ماننے والے کو جہنمی قرار دیتے ہیں۔ کیا کوئی متدین شخص اس قسم کی کارسازیاں اور ناجائز تصرفات احادیث نبویہ میں کر سکتا ہے؟ کیا ایسے قوی قوی قراین دیکھنے کے بعد بھی عقل کو کسی قسم کی جنبش نہ ہوگی؟ آخر عقل بے کار نہیں پیدا کی گئی۔ مرزا صاحب ازالۃ الاوہام (ص ۲۹۵) میں خود فرماتے ہیں:

''اسلام اگرچہ خدائے تعالیٰ کو قادر مطلق بیان فرماتا ہے اور فرمودہ خدا و رسول کو عقل پر فوقیت دیتا ہے مگر پھر بھی وہ عقل کو بیکار اور معطل ٹھہرانا نہیں چاہتا'' انتہی۔

جب خدا اور رسول کے مقابلہ میں عقل بیکار نہیں ہوتی تو اس عقل پر افسوس ہے کہ اس قسم کی کارسازیاں دیکھ کر بھی ساکت اور بے حس و حرکت رہے اور کوئی حکم نہ لگاوے۔ مرزا صاحب نے جو کہا تھا کہ ممکن ہے کہ حدیثوں کے راویوں نے عمداً یا سہواً خطا کی ہو۔ یہ ان راویوں کی نسبت فرماتے ہیں جن پر اکابر محدثین وفقہاء نے اعتماد کیا ہے اور ایک جماعت کثیرہ نے تحقیق کر کے فن رجال میں ان کی توثیق کی ہے۔ اور خود مرزا صاحب ازالۃ الاوہام ص ۷۴۳ میں فرماتے ہیں کہ سلف خلف کیلئے بطور وکیل کے ہیں۔ اور ان کی شہادت آنے والی ذریت کو ماننی پڑتی ہے انتہی۔



مرزا صاحب کی روایتوں کا حال

باوجودیکہ سلف نے ان راویوں کی توثیق کی ہے مگر اقسام کے احتمالات پیدا کر کے ان کو نہیں مانتے۔ اب ان کی روایتوں کو دیکھئے ازالۃ الاوہام ص ۷۰۸ میں تحریر فرماتے ہیں کریم بخش روایت کرتے ہیں کہ گلاب شاہ مجذوب نے بیس برس کے پہلے مجھ کو کہا کہ: ''عیسی اب جوان ہوگیا ہے اور لدھیانہ میں آ کر قرآن کی غلطیاں نکالے گا۔

الٰہی بخشش کی تعدیل کنہیالال مراری لال وغیرہ سے کرانے ہیں

پھر کریم بخش کی تعدیل بہت سے گواہوں سے کی گئی ہے جن میں خیراتی 'بوٹا' کنہیالال 'مراری لال' روشن لال' کینشا مل وغیرہ ہیں۔ اور انکی گواہی یہ کہ کریم بخش کا کوئی جھوٹ کبھی ثابت نہیں ہوا۔ دیکھئے قطع نظر گواہوں کی حیثیت کے انکی گواہیوں سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ کریم بخش سچا آدمی تھا اس لئے کہ انہوں نے یہی کہا کہ کبھی جھوٹ اس کا ثابت نہ ہوا۔ اعلی درجہ کے جھوٹے کی نسبت بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس کا جھوٹ کبھی ثابت نہ ہوسکا۔ یعنی کمال درجہ کا چالاک اور بے باک ہے کہ باوجودیکہ عمر بھر جھوٹ کہا مگر اس کو ثابت ہونے نہ دیا۔ اسی وجہ سے کتب رجال میں توثیق کے محل میں یہ لکھتے ہیں کہ: ''فُلَانٌ صَدُوقٌ عَدْلٌ لَیْسَ بِکَاذِبٍ'' وغیرہ جس سے جھوٹا نہ ہونا بتصریح معلوم ہوتا ہے۔ پھر اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو وہ راوی منفرد ہے؛ کوئی اس کا متابع نہیں؛ اور روایت کی یہ کیفیت؛ 'ایک شخص مجذوب کا کلام جس کو خود خبر نہیں کہ بڑھ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ پھر اس حدیث کا مضمون کیسا کہ عیسی قرآن میں غلطیاں نکالے گا۔ عجیب قسم کا سلسلہ قائم ہوگیا ہے۔ محدثین کے یہاں سلسلۃ الذہب مشہور ہے۔ معلوم نہیں کہ اس سلسلہ کو اگر وہ دیکھیں تو کیا بولیں گے۔ اس روایت کے بعد ازالہ ص ۷۱۹ میں لکھتے ہیں کہ مکاشفہ مذکورۂ بالا کے مؤید ایک رؤیا صالحہ ہے جس کو ایک بزرگ محمد نام خاص مکہ کے رہنے والے عربی مکی نے دیکھا ہے کہ ''میں مشرق کی طرف کیا دیکھتا ہوں کہ عیسی علیہ السلام آسمان سے اترا یا پھر میری آنکھ کھل گئی اور میں نے دل میں کہا کہ انشاء اللہ تعالی عیسی علیہ السلام میری زندگی میں اتر آئیگا اور میں اس کو اپنی آنکھ سے دیکھ لوں گا'' انتہی۔

یہ بزرگ علم سے بے بہرہ تھے عیسیٰ کو خواب میں دیکھتے ہی سچ مچ عیسیٰ سمجھ لیا اور یہ خیال جما لیا کہ عیسیٰ اپنی زندگی میں اترے گا۔ یہ تو مرزا صاحب بھی ازالہ (ص ۸۵) میں لکھتے ہیں کہ: صدہا مرتبہ خوابوں میں مشاہدہ ہوتا ہے کہ ایک چیز نظر آتی ہے اور دراصل اس سے مراد کوئی دوسری چیز ہوتی ہے۔ انتہی

یوسف علیہ السلام کو جو تعبیر کا علم دیا گیا تھا اس سے بھی ظاہر ہے کہ جو خواب میں دیکھا جاتا ہے وہ تعبیر نہیں ہوتی چنانچہ بادشاہ نے جو خواب دیکھا تھا کہ ''دبلی گایوں نے موٹی گایوں کو کھا گیا'' اسکی تعبیر قحط سالی دی گئی جس سے ظاہر ہے کہ سِنینِ قحط، گایوں کی شکل میں دکھلائے گئے تھے: جن میں نہ صورۃً مماثلت ہے نہ اسماً۔ اسی طرح تعبیر کی معتبر کتابوں میں مصرح ہے کہ جو کوئی عیسیٰ علیہ السلام کو خواب میں دیکھے وہ دور دراز کا سفر کرے گا یا طبیب بنے گا یا طاعت کی اس کو توفیق ہوگی۔ تعجب نہیں کہ اس خواب کے بعد مکی صاحب نے مرزا صاحب کی زیارت کے شوق میں ہندوستان کے سفر دور دراز کی مشقت گوارا کی ہو جس سے خواب کی تعبیر پوری ہوگئی ہوگی غرض کہ اس خواب کی تعبیر کو نہ عیسیٰ سے تعلق ہے نہ مثیل عیسیٰ سے اگر یورپ کا سفر بھی انہوں نے کیا ہو تو جب بھی تعبیر پوری ہوگئی۔ بہر حال اول تو وہ خواب اور وہ بھی ایک مجہول اور جاہل شخص کا جس کو تعبیر کا علم نہیں پھر تعبیر اسکی حسب تصریح کتب فن ایسی کہ جس کو مرزا صاحب کے مقصود سے کوئی تعلق نہیں اس پر وہ وثوق کہ اپنے عیسیٰ موعود ہونے پر اس سے استدلال کیا جاتا ہے۔ عجیب بات ہے کہ ہزارہا کتب تفسیر وحدیث سے جو ثابت ہے وہ تو بالائے طاق رکھا رہے اور ایسی روایتوں کی بنیاد پر مرزا صاحب کا نیا کارخانہ قائم ہو جائے کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی بجز اس کے کہ آخری زمانہ کا مقتضیٰ کہا جائے۔

اور ازالۃ الاوہام (ص ۷۰۴) میں لکھتے ہیں: محمد یعقوب صاحب نے میرے پاس بیان کیا کہ مولوی عبداللہ صاحب غزنوی مرحوم سے میں نے سنا ہے کہ آپ کی نسبت یعنی اس عاجز کی نسبت کہتے تھے کہ میرے بعد ایک عظیم الشان کام کے لئے وہ مامور کئے جائیں گے۔ مجھے یاد نہیں کہ اس وقت کون کون موجود تھے مگر میاں عبداللہ سنوری نے میرے پاس بیان کیا کہ میں اس تذکرہ کے وقت موجود تھا اور میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے۔ انتہی

اس روایت کے راوی فقط یعقوب صاحب ہیں اور جس طرح کریم بخش کی توثیق کی گئی تھی ان کی نہیں کی گئی۔ اور روایت جو غزنوی صاحب سے ہے اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ان کو اس غیب کی خبر کس نے دی تھی۔ یا مرزا صاحب کی جودت طبع کو دیکھ کر اپنا قیاس انہوں نے ظاہر کیا تھا۔ پھر عظیم الشان کام کی تعیین بھی نہیں اور نہ لغت یا عرف میں اس کے معنی عیسویت کے ہیں۔

غور کرنے کی جگہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیسی علیہ السلام کی تعیین ان متعدد الفاظ سے فرما رہے ہیں کہ وہ کسی دوسرے پر ہرگز صادق نہیں آسکتے یعنی عیسی ابن مریم، روح اللہ، مسیح آسمان سے اتریں گے، وہ تو قابل اعتبار نہ ہوا اور غزنوی صاحب کا یہ کہہ دینا کہ مرزا صاحب ایک عظیم الشان کام کے مامور ہوں گے عیسی موعود ہونے کے لئے کافی ہو جائے، یہ کس قدر جرأت و بے با کی کی بات ہے۔ جس کے دل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معمولی عظمت بھی ہو اس سے یہ کام ہرگز نہیں ہوسکتا۔

اب اہل انصاف سے ہم پوچھتے ہیں کہ جتنا وثوق واعتماد مرزا صاحب کو الٰہی بخش اور یعقوب صاحب اور بوٹا اور کنہیا لال اور روشن لال اور کنیشا مل پر ہے، کیا مسلمانوں کو امام مسلم ونسائی وغیرہ محدثین اور ان کے اساتذہ پر اتنا بھی نہ ہونا چاہیئے۔

مرزا صاحب تو ان لوگوں کی روایت اپنے استدلال میں پیش کریں اور ان کی امت اس کو مان لے اور اہل اسلام اکابر محدثین کی روایتیں پیش کریں اور وہ قابل وثوق نہ سمجھی جائیں۔ ہمیں مرزائیوں سے شکایت نہیں ان کو ضرور ہے کہ اپنے مقتدا کی بات مان لیں کیونکہ ہر فرقہ والے کا یہی فرض منصبی ہے۔ اگر شکایت ہے تو مسلمانوں سے ہے کہ وہ اپنے اسلاف کی بات نہ مان کر مرزا صاحب کی طرف مائل ہوئے جاتے ہیں۔ چنانچہ مشہور ہے کہ لاکھ سے زیادہ مسلمان مرزائی ہو گئے اور برابر ہوئے جاتے ہیں جس سے ان کو یہ لازم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے ہم خیال ہو کر احادیث کو قابل اعتبار نہ سمجھیں۔ مسلمانوں کو نصاری وغیرہ سے عبرت حاصل کرنا چاہیئے کہ اپنی دین کی روایتوں پر وہ کس قدر وثوق رکھتے ہیں کہ کسی کی تشکیک وجرح کا ان پر اثر نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ مرزا صاحب نے براہین احمدیہ میں بہت کچھ لکھا مگر کسی نے اس کو قابل توجہ نہیں سمجھا اور بہت سے

مسلمان ازالۃ الاوہام کو دیکھ کر اپنے اعتقادوں سے پھر گئے۔ اگر پہلے ہی سے وہ لوگ برائے نام مسلمان تھے جن پر مرزا صاحب کا افسوں کارگر ہو گیا' تو ہمیں ان میں بھی کلام نہیں ایسے لوگوں کا دین اسلام سے خارج ہو جانا ہی اچھا ہے ہمارا روئے سخن ان حضرات کی طرف ہے جو لاعلمی سے مرزائی دین اختیار کر لئے ہیں ان کو چاہئے کہ ان امور پر اطلاع ہونے کے بعد توبہ کر کے تجدید اسلام کریں۔ وماعلینا الا البلاغ۔

مرزا صاحب کا تفسیروں پر حملہ

مرزا صاحب نے جس طرح احادیث کے ساقط الاعتبار کرنے کی فکر کی اس سے زیادہ تفسیروں کے وہ دشمن ہیں چنانچہ ازالۃ الاوہام ص ۷۲۶ میں لکھتے ہیں کتاب الٰہی کی غلط تفسیروں نے مولویوں کو بہت خراب کیا ہے اور ان کی دلی اور دماغی قوٰی پر اثر ان سے پڑا ہے اس زمانہ میں بلا شبہ کتاب الٰہی کے لئے ضرور ہے کہ اس کی ایک نئی اور صحیح تفسیر کی جائے۔ کیوں کہ حال میں جن تفسیروں کی تعلیم دی جاتی ہے وہ نہ اخلاقی حالات کو درست کر سکتی ہیں اور نہ ایمانی حالت پر اثر ڈالتی ہیں بلکہ فطرتی سعادت اور نیک روشنی کے مزاحم ہو رہی ہیں۔

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام (ص ۷۲۶) میں لکھتے ہیں کہ: پھر اس کے بعد الہام کیا گیا کہ ان علماء نے میرے گھر کو بدل ڈالا۔ اور چوہوں کی طرح میرے نبی کی حدیثوں کو کتر رہے ہیں۔ انتہی

ابھی معلوم ہوا کہ مرزا صاحب نے احادیث میں رخنہ اندازی کی کیسی کیسی تدبیریں نکالیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ: راویوں نے عمدًا یا سہوًا بعض احادیث کے پہنچانے میں خطا کی ہوگی۔ کبھی کہتے ہیں کہ: احادیث اگر صحیح بھی ہوں تو مفید ظن ہیں۔ "اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ط" اور کبھی کہتے ہیں کہ: جو حدیث بخاری میں نہ ہو وہ ضعیف ہیں قابل اعتبار نہیں۔

بخاری شریف میں کئی قسم کی حدیثیں مذکور ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال واقوال۔ صحابہ کے افعال واقوال اور تابعین وغیرہم کے افعال واقوال۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کی حدیثیں بحذف مکررات اگر اس میں دیکھی جائیں تو دو تین ہزار سے زیادہ نہ ہوں گی۔

حالانکہ محدثین کی تصریح اور عقل کی رو سے اگر دیکھا جائے تو تئیس (۲۳) سال کی مدت نبوت میں لاکھوں باتیں آپ نے کی ہونگی جو کل حدیثیں ہیں۔ مرزا صاحب نے سوائے ان دو تین ہزار حدیثوں کے جو بخاری میں ہیں سب کو ساقط الاعتبار کر دیا۔ پھر بخاری کی حدیثوں میں بھی یہ احتمال کہ راویوں نے خطا کی ہوگی اور معراج کی حدیثیں باوجودیکہ بخاری میں موجود ہیں عقلی احتمالات سے سب کو رد کر دیا اور تمام حدیثوں میں یہ کلام کہ اگر وہ صحیح بھی ہوں تو مفید ظن ہوں گی۔" اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا ط"۔

اب دیکھئے کہ مرزا صاحب نے احادیث میں کیسے کیسے رخنے ڈال دیئے اور ان کے مخالفین کو بھی دیکھ لیجئے کہ ان کا کیا دعوی ہے۔ وہ یہی کہتے ہیں کہ: **معجزات**، معراج، علامات قیامت، جسمانی حشر، نزول عیسی علیہ السلام اور خروج دجال وغیرہ مباحث' مختلف فیہا میں جس قدر احادیث وارد ہیں وہ قابل تسلیم ہیں اور مرزا صاحب کسی کو نہیں مانتے۔ اب غور کیا جائے کہ اگر وہ چوہوں کا الہام صحیح ہے تو مرزا صاحب چوہوں کی طرح حدیثوں کو کتر رہے ہیں یا اہل سنت۔ مرزا صاحب کو الہاموں کا تو دعوی ہے مگر معنی نہیں سمجھتے۔ مرزا صاحب نے جس طرح احادیث کے ساقط الاعتبار کرنے کی فکر کی اس سے زیادہ وہ تفسیروں کے دشمن ہیں۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام (ص ۷۲۶) میں لکھتے ہیں: کتاب الٰہی کی غلط تفسیروں نے مولویوں کو بہت خراب کیا ہے ان کی دلی اور دماغی قویٰ پر اثر' ان سے پڑا ہے۔ اس زمانہ میں بلاشبہ کتاب الٰہی کے لئے ضرور ہے کہ ایک نئی اور صحیح تفسیر کی جائے۔ کیونکہ حال میں جن تفسیروں کی تعلیم دی جاتی ہے وہ نہ اخلاقی حالت کو درست کرتی ہیں، نہ ایمانی حالت پر اثر ڈالتی ہیں۔ بلکہ فطرتی سعادت اور نیک روشی کے مزاحم ہو رہی ہیں۔

مرزا صاحب تفسیروں پر نہایت خفا ہیں اور ان کے پہلے سرسید صاحب بھی بہت خفا تھے چنانچہ تہذیب الاخلاق وغیرہ سے ظاہر ہے۔ اور ان صاحبوں کی کوئی خصوصیت نہیں جتنے مذاہب باطلہ کے فرقے ہیں سب کا یہی حال رہا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ تفاسیر میں کل احادیث واقوال صحابہ جو ہر آیت سے متعلق ہیں ان میں پیش نظر ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ان لوگوں کو نئی بات تراشنے کا موقع نہیں ملتا اور اگر تراشا بھی تو کوئی ایماندار اس کو نہیں مانتا۔ اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ ہر آیت

قرآنی میں جو حق تعالی کی اصل مراد ہے، اس کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے تھے اس لئے کہ قرآن حضرت پر ہی نازل ہوا ہے اور چونکہ صحابہ ہمیشہ حاضر خدمت رہتے تھے ان کو ہر آیت کے اترنے کا موقع اور شان نزول وغیرہ اسباب وقرائن معلوم رہتے تھے، جس سے مضمون ومقصود آیت کا خود سمجھ میں آجاتا اور جب حضرت پڑھ کر سناتے تو جو غوامض معلوم نہیں ہوتے پوچھ لیتے تھے یا خود حضرت بیان فرمادیتے پھر حضرت کی مجلس مبارک میں بلکہ اس زمانہ میں سوائے خدا کی باتوں کے کسی چیز کا ذکر ہی نہ تھا۔ خواہ کوئی دنیوی کام ہو یا دینی وقایع، گزشتہ ہوں یا آئندہ، سب کی تعلیم حق تعالی اپنے کلام پاک سے فرمادیتا۔ اگر کوئی اعتقاد یا عمل کسی کا خلاف مرضی الہی ہوتا فوراً وحی اتر آتی چنانچہ صحابہ کہتے ہیں کہ: جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم میں تشریف رکھتے تھے ہم اپنی بی بیوں سے معاشرت کرنے میں ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں ایسی بے موقع کوئی بات صادر نہ ہو جس کے باب میں وحی اتر آئے اور قیامت تک مسلمانوں میں اس کا ذکر ہوتا رہے۔

الغرض علاوہ فہم قرآن کے ان کے حرکات، سکنات، اعمال، اخلاق، اعتقادات، نیات، کل مطابق قرآن شریف کے ہو گئے تھے اور فیضان صحبت نبوی اور روزمرہ کی مزاولت اور ممارست کی وجہ سے ان کو مضامین قرآنیہ کا ملکہ ہو گیا تھا اور ان کے سینے نورِ وحی سے منور تھے ان کے دلوں میں قرآن ایسا سرایت کئے ہوئے تھا جیسے روح جسد میں۔

الحاصل مختلف اسباب اس بات پر گواہی دے رہے ہیں کہ اصل معانی قرآن کا علم صحابہ کو بخوبی حاصل تھا اور چونکہ تفسیر بالرائے کو وہ کفر سمجھتے تھے اس وجہ سے یہ ضرور ماننا پڑے گا کہ جن آیات کی تفسیریں صحابہ سے مروی ہیں وہی حق تعالی کی مراد ہیں۔ اسکے خلاف کوئی ہندی پنجابی وغیرہ قرآن کی تفسیر کرے تو وہ خدائے تعالی کی ہرگز مراد نہیں پھر صحابہ کا کمال علم اور جوش طبیعت اور ترغیب ابلاغ اور ترہیب کتمان علم وغیرہ اسباب کا مقتضی یہی تھا کہ اسلامی دنیا آفتاب علم سے مثل نصف النہار روشن ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جہاں تک اسلام کی روشنی پھیلتی گئی اس کے ساتھ ساتھ علوم دینیہ کی روشنی بھی پھیلتی جاتی تھی۔ تابعین صحابہ کے علوم سے مالا مال تھے اور ان کے علوم سے تبع تابعین وعلی ہذا القیاس۔ انہیں حضرات نے ان تمام علوم کو اپنی مفید تصانیف میں درج

کر دیئے جن کی بدولت ہم آخری زمانہ والے بھی اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت معنوی سے محروم نہیں ہیں۔ ان حضرات کے جس قول کو دیکھئے ہزاروں تفاسیر وغیرہ کتب دینیہ میں موجود ہے۔ مثلاً ابن عباس رضی اللہ عنہما کا کوئی قول کسی آیت سے متعلق دیکھا جائے تو ہزاروں کتابوں میں بعینہ وہ قول یا اس کا مضمون مل سکتا ہے اسی طرح صحابہ کے کل اقوال اور احادیث ہزاروں کتابوں میں ملتی ہیں۔ جس سے بتواتر ان کا ثبوت ظاہر ہے۔ گو ابتداء میں یہ تواتر نہ تھا مگر جب متدین اور معتمد علیہ اشخاص نے اپنی کتابوں میں ان احادیث و آثار کو ذکر کیا تو اس میں شک نہیں ہوسکتا کہ ان کو اس کے ثبوت کا یقین ضرور تھا پھر جب ہزاروں معتمد علیہ علماء کا یقین ان روایات کے ثبوت پر ہم تک پہونچا تو ہمیں ان کے ثبوت میں شک کرنے کا کوئی موقع نہیں۔ جب تک یقینی طور پر ان کا غلط ہونا یا من جمیع الوجوہ نصوص قطعیہ کا معارض ہونا ثابت نہ ہوجائے۔

چنانچہ مرزا صاحب اور مولوی محمد حسین صاحب کا مناظرہ مسئلہ عرض الحدیث علی القرآن میں جو ہوا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ کسی معتبر عالم کا کتاب میں لکھ دینا' مرزا صاحب اعتماد کے لئے کافی سمجھتے ہیں جیسا کہ ازالۃ الاوہام (ص ۸۷۲) میں لکھتے ہیں کہ: صاحب تلویح نے لکھا ہے کہ وہ حدیث یعنے عرض الحدیث علی القرآن بخاری میں موجود ہے۔ اب اس کے مقابلہ میں یہ عذر پیش کرنا کہ نسخہ جات موجودہ بخاری جو ہند میں چھپ چکے ہیں، ان میں یہ حدیث موجود نہیں، سراسر ناسمجھی کا خیال ہے۔ جس حالت میں ایک سرگروہ مسلمانوں کا اپنی شہادت رویت سے اس حدیث کا بخاری میں ہونا بیان کرتا ہے تو صاحب تلویح کی شہادت بالکل نکمی نہیں ہوسکتی پس آپ کی بے دلیل نفی بے سود ہے اگر صاحب تلویح کاذب ہوتا تو اسی زمانہ کے علماء کی زبان سے اس کی تشنیع کی جاتی اور اس سے جواب پوچھا جاتا اور جب کہ کوئی جواب پوچھا نہیں گیا تو یہ دوسری دلیل اس بات پر ہے کہ در حقیقت اس کی روایت صحیح تھی۔ انتہی ملخصًا

مقصود یہ کہ وہ حدیث گو اب بخاری میں نہ پائی جائے مگر جب صاحب تلویح نے صحیح بخاری سے نقل کیا ہے تو ثابت ہوگیا کہ وہ بخاری میں ضرور ہے۔ اب دیکھئے کہ ایک جماعت کثیرہ ایسے علماء کی جن کے سلسلہ تلامیذہ میں صاحب تلویح جیسے ہزاروں افراد منسلک ہیں، احادیث و آثار کو اپنی

کتابوں میں نقل کیا ہے تو ان کے اس شہادت کے مقابلہ میں اگر کوئی دعوی نفی کرے تو کیوں کر وہ قابل قبول ہوگا۔ اگر ان کی بات غلط ہوتی تو اسی زمانہ کے علماء ان کی تشنیع کرتے اور جب کہ کسی نے ان پر تشنیع نہیں کی تو اب مرزا صاحب کا ازالۃ الاوہام (ص ۵۴۷) میں یہ لکھنا کہ: لوگوں نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے خود انھیں کے قول پر ہرگز قابل سماعت نہیں ہوسکتا۔

ق بعض آیتوں کے نہ ماننے والے پر سخت عذاب ورسوائی ہے

الغرض ہر آیت کی تفسیر احادیث وآثار سے جب ہمیں بتواتر پہونچے اور یقین ہوگیا کہ وہی معنی حق تعالی کی مراد ہیں تو ایمان داروں کا ایمان اس بات کو کیوں کر گوارہ کرے گا کہ کسی کے دل سے گھڑے ہوئے معنی کو مان کر عذاب اخروی کا مستحق بنے۔ کیونکہ جو معنی خلاف ان تفاسیر کے ہیں وہ قرآن کے معنی ہی نہیں اس معنی کو مان کر قرآن کے اصلی معنی پر ایمان نہ لانا قرآن کے ایک حصہ کو چھوڑ دینا ہے۔ جس کی نسبت سخت وعید وارد ہے۔ کما قال تعالی: اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۸۵" (البقرۃ)

ترجمہ! کیا تم ایمان لاتے ہو تھوڑی کتاب پر اور منکر ہوتے ہو تھوڑی کتاب سے پھر جو کوئی تم میں سے ایسا کرے اس کی جزا یہی ہے کہ دنیا میں اس کی رسوائی ہو اور اس کو قیامت کے روز سخت سے سخت عذاب میں پہنچایا جائے اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کام سے۔

ح قرآن کی تفسیر کے لئے حدیث کی ضرورت

اب دیکھئے کہ پورے قرآن پر ایمان لانے کی بجز اس کے اور کونسی صورت ہے کہ ہر آیت کے جو معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے مروی ہیں اس پر ایمان لائیں اور یہ بات بغیر کتب تفاسیر کے حاصل نہیں ہوسکتی۔ اس صورت میں کتب تفاسیر کی مسلمانوں میں کس قدر وقعت ہونی چاہئے اور حضرات مفسرین کے کس قدر شکر گزار ہونا چاہئے کہ قرآن کے اصلی معنی کی حفاظت کر کے مسلمانوں کو کیسی کیسی بلاؤں سے نجات دی۔ بے ایمانی سے بچا لیا۔ خود غرضوں کے داؤ پیچ سے امن میں رہنے کے لئے ایک مضبوط حصار کھینچ دیئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: قرآن کے معنی میں کوئی شبہ ڈالے تو حدیث سے اس کو صاف کرلو۔ کیونکہ اہل حدیث جو مفسرین قرآن ہیں ان کو خوب جانتے ہیں۔ چنانچہ امام سیوطیؒ نے درمنثور میں دارمی سے یہ روایت نقل کی ہے: اخرج الدارمی عن عمر بن الخطاب قال: ''اِنَّهٗ سَيَأْتِيْكُمْ نَاسٌ يُجَادِلُوْنَكُمْ بِشُبُهَاتِ الْقُرْآنِ فَخُذُوْهُمْ بِالسُّنَنِ فَاِنَّ أَصْحَابَ السُّنَنِ أَعْلَمُ بِكِتَابِ اللّٰهِ'' (سنن الدارمی المقدمة باب التورع عن الجواب فیما لیس فیه کتاب ولا سنة) یعنی عمرؓ نے فرمایا کہ: قریب ہے کہ تمہارے پاس لوگ آکر قرآن کے شبہات میں جھگڑا کریں گے سو ان کو حدیثوں سے الزام دو، اس لئے کہ احادیث کو جاننے والے قرآن کو زیادہ جانتے ہیں۔ انتہی

مفسرین نے یہی کام کیا کہ ہر آیت سے متعلق جو احادیث وآثار صحابہ ہیں سب کو ایک جگہ جمع کردیا تا کہ اہل شبہات کو الزام دینے کا سامان اور سرمایہ مسلمانوں کے ہاتھ میں رہے جس سے مرزا صاحب سخت ناراض ہیں۔ دراصل یہ حق تعالی کا فضل اور اس وعدہ کا ایفا ہے جو اپنی کتاب مجید کی ہر طرح حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ کما قال اللہ تعالی: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝۹ (الحجر) یعنی ہم نے قرآن کو اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔ اب دیکھئے کہ اگر تفاسیر نہ ہوتیں تو وہ معنی جو حق تعالی کی مراد ہیں کیونکر محفوظ رہتے اور ہزاروں بے دین اور دجال جن کے نکلنے کی خبریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا دی ہیں۔ جو شبہات پیدا کرکے اپنے دل سے نئے نئے معنی گھڑ لیتے ان سے بچنے کی کیا صورت ہوتی۔ اور کون سی تدبیر قرآن کے اصلی معنی سمجھنے کی تھی جس کی نسبت ارشاد ہے: اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۝۲ (یوسف) یعنی قرآن ہم نے قرآن عربی اتارا تا کہ تم سمجھو۔ غرض مفسرین من جانب اللہ اس کام پر مامور ہوئے کہ قرآن کے نظم ومعنی کی پوری پوری حفاظت کریں اور باطل اس میں کسی طرف سے آنے نہ پائے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ط تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ۝۴۲ (فصلت) یعنی قرآن میں نہ روبرو سے باطل آسکتا ہے نہ پیچھے سے۔ اگر تفاسیر نہ ہوتیں تو علاوہ دوسرے ملاحدہ کے خیالات کے، جو سیکڑوں اب تک گزرے مسمریزم وغیرہ خرافات بھی قرآن میں داخل ہوجاتے ہر چند لوگ بہت چاہتے ہیں کہ قرآن میں تغیر

وتبدل کردیں جیسا کہ حق تعالی فرماتا ہے: يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ (الفتح:١٥) یعنی چاہتے ہیں وہ کہ قرآن کو بدل دیں۔ مگر کسی سے کیا ہوسکتا ہے تفاسیر نے اس سے سب کو روک دیا اور جب تک حق تعالی کو منظور ہے ایسے ہی روکتی رہیں گی اہل انصاف غور کریں کہ جو لوگ تفسیریں اپنے دل سے گھڑ کے پیش کرتے ہیں کیا ان کی نسبت یہ حسن ظن ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں۔ ان کا مقصود تو علانیہ یہی ہے کہ کلام الٰہی کو بدل کر انکو بے ایمان بنادیں۔ اس دعوے کی توضیح اس سے بخوبی ہوسکتی ہے جو حق تعالی جو فرماتا ہے: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ (المائدۃ:٣) یعنی مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت تم پر حرام کیا گیا ہے۔ اگر کوئی اس کے یہ معنی سمجھے کہ میتۃ اور دم اور لحم خنزیر چند آدمیوں کے نام تھے ان کی حرمت کا حکم اس آیت میں ہے اور یہ کہے کہ مردار اور خون اور گوشت خنزیر سے اس کو کوئی تعلق نہیں یہ سب چیزیں حلال ہیں۔ کیا کوئی مسلمان اس اعتقاد والے کو یہ سمجھے گا کہ اس کا ایمان اس آیت پر ہے؟ ہرگز نہیں۔ ایسا شخص بے ایمان کس وجہ سے سمجھا جائیگا؟ اسی وجہ سے! گو وہ قسم کھا کر کہے کہ: میں اس آیت کو کلام الٰہی سمجھتا ہوں۔ کہ اس نے مخالفت ایسے معنی کی، جو احادیث اور اقوال صحابہ اور اجماع امت سے ثابت ہیں۔ ورنہ ان الفاظ کے معانی قرآن میں کہیں نہیں جن کی مخالفت کا الزام اس پر لگایا جائے۔ غرض یہ بات قابل تسلیم ہے کہ جو معانی، قرآن کے تفاسیر میں مذکور ہیں وہی ایمان لانے کے قابل ہیں اور جو معنی اس کے خلاف میں کوئی اپنی طرف سے تراش لے، اس کو قبول کر لینا' ایسا ہی ہے جیسا کہ ابو منصور نے اپنی جماعت کو سمجھا دیا تھا کہ میتۃ وغیرہ کسی کے نام تھے، انہی کی حرمت تھی مردار اور خنزیر کے گوشت سے اس آیت کو کوئی تعلق نہیں، وہ سب چیزیں حلال ہیں اور فرقہ منصوریہ کا یہی اعتقاد ہے۔ مسلمانوں! اگر تم کو خدا اور رسول کی مراد پر ایمان لانا ہے تو اپنے اسلاف کی تفسیروں کو اپنا مقتدا بنا رکھو ورنہ ابو منصور کی طرح جس کا جو جی چاہیگا کہہ کر گمراہ کر دیگا اور تم کچھ نہ سمجھ سکو گے کہ ہم کونسی راہ چل رہے ہیں۔



چند آیتوں کی تحریف کل کی تحریف ہے

یہاں یہ بات بھی سمجھنے کے لائق ہے کہ جو شخص چند آیتوں میں کسی غرض ذاتی کی وجہ سے تصرف کر کے ان کے معنی بدل ڈالے اور دوسری آیتوں کے ساتھ کوئی غرض متعلق نہ ہونے کی وجہ سے ان میں تصرف نہ کرے تو وہ اتفاقی سمجھا جائیگا۔ کیونکہ چند آیتوں کے معنی بدل دینا اس بات پر گواہی دے رہا ہے کہ اس کی طبیعت میں بے باکی اور جرأت ہے جب کبھی کسی آیت میں تصرف کرنے کی ضرورت ہوگی تو فوراً تصرف کر دیگا جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ عدم تصرف بھی تصرف ہی کے حکم میں ہے چنانچہ قرآن شریف میں ہے کہ: چند منافق باوجود حکم کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں نہ نکلے ان کی نسبت حق تعالی نے ارشاد فرمایا کہ: اگر وہ آئندہ ہمراہی کی درخواست بھی کریں تو فرمادیجئے کہ تم لوگ میرے ساتھ ہرگز نہ نکلو گے۔ **کما قال تعالی:** فَاِنۡ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنۡهُمۡ فَاسۡتَاۡذَنُوۡكَ لِلۡخُرُوۡجِ فَقُلْ لَّنۡ تَخۡرُجُوۡا مَعِىَ اَبَدًا (التوبہ ۸۳) وجہ اس کی یہی ہے کہ جب ایک بار ان کی بے باکی معلوم ہوگئی تو ہمیشہ کے لئے ان کا عدم امتثال ثابت ہو گیا اب وہ کتنا ہی کہیں کہ ہم ہمراہ رکاب چلنے کو حاضر ہیں ہرگز اعتبار کے لائق نہیں ہوسکتے۔ صدیق اکبرؓ کی خلافت میں بعض لوگوں نے زکوۃ دینے سے انکار کیا تھا حالانکہ نماز روزہ وغیرہ احکام شرعیہ کے قابل اور عامل تھے مگر ان کا کچھ اعتبار نہ کیا اور صاف ان کے ارتداد کا حکم دے دیا۔

مرزا صاحب نے صرف اپنی عیسویت کی غرض سے کئی ایک آیتوں کے معنیٰ بدل دیئے، جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اور آئندہ بھی انشاء اللہ تعالی معلوم ہوگا۔ تو اب ان کی وہ تفسیر کیونکر قابل اعتبار ہوسکتی ہے جس کی نسبت لکھتے ہیں کہ بلا شبہ کتاب الہی کے لئے ضرور ہے کہ اس کی ایک نئی اور صحیح تفسیر کی جائے۔ اور لکھتے ہیں کہ: کتاب الہی کی غلط تفسیروں نے مولویوں کو خراب کیا ہے۔ اس نئی تفسیر میں احادیث واقوال صحابہ وغیرہم سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اگر یہ پرانی چیزیں بھی اس میں مذکور ہوں تو جدت پسند طبائع اس کو قبول نہ کریں گے۔ اور پھر وہ نئی ہی کیا ہوئی، اس سے ظاہر ہے کہ وہ تفسیر صرف ان کی رائے سے ہوگی، جس کی ممانعت ہے اور مرزا صاحب بھی تفسیر

بالرائے کو کفر بتاتے ہیں۔ اور اگر تھوڑے احادیث واقوال لکھے جائیں اور تھوڑے نہ لکھے جائیں تو وہ ترجیح بلا مرجح ہوگی پھر مرجح یہ ہوگا کہ مرزا صاحب اپنی اغراض کو پوری کرنے کے لئے جن احادیث واقوال کو مناسب سمجھیں گے، ذکر کریں گے اور جن کو مخالف سمجھیں گے، ان کو عقل کے خلاف قرار دے کر رد کر دیں گے اور آیت کو تاویل کرکے اپنی طرف کھینچ لیں گے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ کلام الٰہی مرزا صاحب کی غرض کے پیچھے پیچھے رہے نعوذ باللہ من ذلک

یہ نئی تفسیر جو اکثر احادیث وآثار کے خلاف میں ہوگی مسلمانوں کے کس کام میں آسکتی ہے؟ اس کا تو منشا یہ ہے کہ جو کچھ ہمارے نبی کریم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیات کی تفسیر کی ہے وہ غلط ہے اس لئے اس نئی تفسیر کی ضرورت ہوئی۔ پھر کیا مسلمان لوگ یہ مان لیں گے کہ اپنے نبی کی بات غلط ہے اور اگر مان لیں گے تو کیا پھر یہ دعوی بھی کریں گے کہ ہم امت محمدیہ میں ہیں میری رائے میں کوئی مسلمان کتنا ہی گناہگار ہوا تنا بھی ضعیف الاعتقاد نہ ہوگا۔

یہ بات پوشیدہ نہیں کہ جو لوگ احادیث وآثار کو ساقط الاعتبار کر کے صرف قرآن پر اپنی دعاوی کا مدار رکھتے ہیں اور اس کے معنی جو احادیث اور آثار سے ثابت ہیں بدل دیا کرتے ہیں جیسا کہ حق تعالی فرماتا ہے: يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يُّبَدِّلُوۡا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ (الفتح: ۱۵) یعنی وہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے کلام کو بدل دیں۔ اور جب قرآن ہی بدل دیا جائے اور احادیث متروک ہو جائیں تو ظاہر ہے کہ دین ہی بدل دیا گیا۔ کیونکہ دین وہی ہے جو قرآن وحدیث سے ثابت ہوا تھا۔ ایسے لوگوں کی شان میں حق تعالی فرماتا ہے:

''أَفَغَيۡرَ دِيۡنِ اللّٰهِ يَبۡغُوۡنَ'' (آل عمران: ۸۳) یعنی کیا اللہ کے دین کے سوا کوئی دوسرا دین چاہتے ہیں وہ۔ اور دوسرے دین کی خواہش کرنے والوں کی نسبت ارشاد ہوتا ہے:

قولہ تعالی: وَمَنۡ يَّبۡتَغِ غَيۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِيۡنًا فَلَنۡ يُّقۡبَلَ مِنۡهُ ۚ وَهُوَ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ۝۸۵ كَيۡفَ يَهۡدِى اللّٰهُ قَوۡمًا كَفَرُوۡا بَعۡدَ اِيۡمَانِهِمۡ وَشَهِدُوۡۤا اَنَّ الرَّسُوۡلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الۡبَيِّنٰتُ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ۝۸۶ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمۡ اَنَّ عَلَيۡهِمۡ لَعۡنَةَ اللّٰهِ وَالۡمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ ۝۸۷ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنۡهُمُ

الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ﴿۸۸﴾ (آل عمران) ترجمہ! جوکوئی سوائے اسلام کے اور دین چاہے سو اسے ہرگز قبول نہ ہوگا اور وہ لوگ آخرت میں نقصان پائیں گے۔ کیونکر ہدایت کریگا اللہ ایسے لوگوں کو جو منکر ہو گئے؛ ایمان لاکر اور گواہی دی کہ رسول سچا ہے۔ اور پہنچ چکی ان کو نشانیاں۔ اور اللہ ہدایت نہیں کرتا بے انصاف لوگوں کو۔ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی۔ پڑے رہیں گے اس میں ہلکا نہ ہوگا ان پر عذاب اور نہ ان کو مہلت ملے گی۔ انتہی اس آیت شریفہ میں سزائیں خاص ان لوگوں کی ہیں جو مسلمان کہلا کر دوسرا دین اختیار کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برحق ہونے کی بھی گواہی دیتے ہیں یہ بات برابر ان لوگوں پر صادق آتی ہے کہ قرآن کے معنیٰ اپنی طرف سے بنا کر نیا دین نکالتے ہیں۔ الحاصل ادنی تامل سے یہ بات معلوم ہوسکتی ہے کہ کتب تفاسیر کو چھوڑنے میں بڑی بڑی مصیبتوں کا سامنا ہے۔ صرف ''اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ'' کے لحاظ سے یہ کہنے کی ضرورت ہوئی۔ وما علینا الا البلاغ۔

پہلا حملہ حدیث وتفسیر ہی پر تھا جتنے ملاحدہ گذرے ہیں سب کا حملہ تفاسیر پر ہوا کیونکہ ہر ایک مسئلہ ان کتابوں میں مختلف روایات سے وارد ہونیکی وجہ سے ایسا مصرح اور مفصل ہوجاتا ہے کہ کسی کو کوئی بات بنانے کا موقع نہیں مل سکتا بخلاف اس کے ان کو چھوڑ کر صرف قرآن سے تمسک ہونے لگے تو ہر ایک کو تاویلات کی خوب گنجائش مل جاتی ہے۔ اسی وجہ سے نمازوں کی تعیین اور تعداد رکعات وغیرہ میں کمی وزیادتی کی گنجائش ان لوگوں کو مل گئی تھی اگر احادیث وتفاسیر پر ان کے اتباع کا اعتماد ہوتا تو اس کا موقع ہی نہ ملتا۔

ح حدیث کی جگہ قرآن نے چھوڑ رکھی ہے

حق تعالی نے قرآن میں جو کچھ بیان فرمایا ہے گو مفصل ہے مگر پھر بھی سب میں ایک قسم کا اجمال ہے جسکی تفصیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے اگر یہ بات نہ ہوتی اور کل امور قرآن شریف میں بالتفصیل بیان کئے جاتے تو، وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ (الحشر:۷) یعنی جو کچھ رسول تم کو دیں اس کو لو فرمانے کی ضرورت ہی نہ رہتی اس سے ظاہر ہے کہ قرآن نے حدیث کی جگہ چھوڑ رکھی ہے۔ چنانچہ امام سیوطیؒ نے درمنثور میں روایت کی ہے: ''وَأَخْرَجَ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ مِنْ

طَرِیْقِ مَالِکِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ رَبِیْعَۃَ قَالَ: اِنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی أَنْزَلَ الْکِتَابَ وَتَرَکَ فِیْہِ مَوْضِعًا لِلسُّنَّۃِ" (در منثور، اٰیۃ) 108

یعنی حق تعالی نے قرآن تو نازل فرمایا مگر حدیث کی جگہ چھوڑ رکھی ہے

الحاد قرآن کے بے موقع معنی کرنے کا نام ہے

یہ بات پوشیدہ نہیں کہ جو لوگ حدیث و تفسیر سے مخالفت کرنا چاہتے ہیں ان کا مقصود یہی ہوتا ہے کہ آیات قرآنیہ کو ان کے معنی سے ہٹا کر دوسرے معنی پر منطبق کر دیں اسی کا نام الحاد ہے۔ کیونکہ معنی الحاد کے لغت میں مائل ہونے اور مائل کرنے اور حق سے عدول کرنے کے ہیں جیسا کہ لسان العرب وغیرہ میں مصرح ہے اور امام سیوطی نے درمنثور میں روایت کی ہے: "أَخْرَجَ اِبْنُ أَبِیْ حَاتِمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِیْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی :اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِی اٰیَاتِنَا قَالَ: ھُوَ أَنْ یُوْضَعَ الْکَلَامُ عَلٰی غَیْرِ مَوْضِعٍ" یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ الحاد کے معنی یہ ہیں کہ کلام کے اصلی معنی چھوڑ کر دوسرے معنی لئے جائیں اور نیز درمنثور میں ہے۔ "وَأَخْرَجَ أَحْمَدُ فِی الزُّھْدِ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ اِنَّ ھٰذَا الْقُرْآنَ کَلَامُ اللّٰہِ فَضَعُوْہُ عَلٰی مَوَاضِعِہٖ وَلَا تَتَّبِعُوْا فِیْہِ أَھْوَانَکُمْ ھَوَاکُمْ" (الدرالمنثور آیت ۲۰) یعنی یہ قرآن اللہ کا کلام ہے اس کو اس کے مواضع اور معانی پر رہنے دو اور اپنی خواہشوں کو اس میں دخل مت دو۔ انتہی

الحاد تکذیب ہے اور انکار الحاد

اسکی وجہ یہ ہے کہ دوسرے معنی لینے میں اصلی معنی کی تکذیب ہو جاتی ہے چنانچہ درمنثور میں ہے:

"وَأَخْرَجَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَعَبْدُ بْنُ حُمَیْدٍ عَنْ قَتَادَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: أَلْاِلْحَادُ التَّکْذِیْبُ" (الدرالمنثور، آیۃ 20) اب دیکھئے کہ حق تعالی عیسی علیہ السلام کی شان میں فرماتا ہے: "یُحیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ" لغت میں احیا کے معنی زندہ کرنے کے ہیں اور احادیث و آثار سے بھی وہی معنی ثابت ہیں مگر مرزا صاحب کہتے ہیں کہ: مسمریزم سے قریب الموت بیماروں کو حرکت دیتے تھے صرف یہ ایک ہی نہیں ہر جگہ وہ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ الغرض ان تمام روایات و آیات سے ثابت ہے کہ ایسے معنی آیت شریفہ کے قرار دینا الحاد اور تکذیب قرآن ہے جسکی نسبت حق تعالی فرماتا ہے:



ق الحاد کرنے والے دوزخی ہیں

اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ؕ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ (فصلت:۴۰) ترجمہ! جوالحاد کرتے ہیں ہماری آیتوں میں وہ ہم سے چھپ نہیں سکتے کیا جو ڈالا جائے گا دوزخ میں بہتر ہے یا وہ جو آئے گا امن سے قیامت کے دن۔یعنی الحاد کرنے والے خدائے تعالی سے چھپ نہیں سکتے وہ قیامت کے روز دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ہم صرف بلحاظ خیر خواہی کے آیات واحادیث کو پیش کر رہے ہیں اس پر بھی اگر توجہ نہ فرمائیں تو مجبوری ہے۔وماعلینا الا البلاغ۔

ق باوجود یاد دلانے کے جو نہ مانے ان پر عذاب ہوگا

حق تعالی فرماتا ہے: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ (السجدۃ) ترجمہ! اس سے زیادہ کون ظالم ہے جس کو آیات اس کے رب کی یاد دلائی جائیں تو ان سے منھ پھیر لیتا ہے ہم گنہگاروں سے بدلا لینے والے ہیں۔

الحاصل آیات قرآنیہ کے نئے معنی تراشنا ایک قسم کی تحریف وتبدیل ہے جس کی نسبت سخت وعیدیں وارد ہیں اور اس تحریف کی حفاظت صرف کتب تفسیر سے متعلق ہیں جیسا کہ خود مرزا صاحب بھی براہین احمدیہ (ص ۱۱۰) میں لکھتے ہیں کہ: قرآن شریف کا محرف ومبدل ہونا اس لئے محال ہے کہ اللہ تعالی اس کا حافظ ہے لاکھوں مسلمان اس کے حافظ ہیں ہزار ہا اس کی تفسیریں ہیں۔

ق قرآن میں مجادلہ کرنے والا معذب ہوگا

مرزا صاحب کے تدین وانصاف سے توقع ہے کہ ہرگز اعراض نہ فرمائیں گے۔اہل بصیرت پر یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ جولوگ آیات قرآنی میں الحاد کرتے ہیں ان کی غرض یہی ہوتی ہے کہ جھگڑا کر کے اپنے تراشے ہوئے معنی کو ثابت کریں اور معنی حقیقی کو باطل کردیں یہ کس قدر دیانت کے خلاف ہے۔حق تعالی فرماتا ہے: وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۵﴾ (الغافر) ترجمہ! اور مجادلہ کیا انہوں نے باطل کے ساتھ تا کہ ناچیز کردیں حق کو پھر میں نے پکڑ لیا ان کو تو میرا عذاب کیسا تھا۔



ح قرآن میں مجادلہ کفر ہے

اور در منثور میں امام سیوطی نے یہ روایت نقل کی ہے: ”عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِنَّ جِدَالًا فِی الْقُرْآنِ کُفْرٌ“ (الدرالمنثور سورۂ غافر آیۃ 20) یعنی قرآن میں جھگڑنا کفر ہے حق تعالی اس بلا سے سب مسلمانوں کو بچائے اور پورے قرآن پر ایمان نصیب کرے۔

مرزا صاحب کے دلائل اپنی عیسویت پر

اب مرزا صاحب کے دلائل سنیئے جو اپنی رسالت وعیسویت پر قائم کرتے ہیں یہ امر کسی مسلمان پر پوشیدہ نہیں ہے کہ رسالت ونبوت کا درجہ خدائے تعالی کے نزدیک تمام مدارج سے اعلی وارفع ہے اور جن بندگان خاص کو حق تعالی نے اس خدمت کے لئے انتخاب فرمایا ہے ان کو اپنے فضل وکرم سے گناہوں سے محفوظ رکھ کر خلق میں ایسا نیک نام اور نیک رویہ رکھا کہ کوئی ان کو دیکھنے کے بعد کسی قسم کے رزائل کا الزام ان پر نہ لگا سکا۔ جو لوگوں کی نگاہ میں ان کو ذلیل وخفیف کرنے والے ہوں۔

فریب سے لوگوں کا مال لینے والا نبی نہیں ہوسکتا

مثلاً یہ کسی نبی کی نسبت الزام نہیں لگایا گیا کہ دغاباز، جھوٹے، بدمعاش، مال مردم خوار وغیرہ ہیں یوں تو جتنے رذایل اور بدنما افعال ہیں سب سے انبیاء معصوم اور محفوظ تھے۔ لیکن زیادہ تر اہتمام اس بات کا رہا کہ مال مردم خوار ہونے کا الزام نہ آنے پائے کیونکہ یہ ایسی بری صفت ہے کہ بالطبع آدمی کو اس سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ اور ایسے آدمی کو کوئی اپنے پاس آنے نہیں دیتا۔ اسی وجہ سے حق تعالی نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے اہل بیت پر صدقہ اور زکوۃ پہلے ہی حرام فرمادیا۔ اس کے بعد عام حکم ہو گیا کہ ہر مسلمان جس کے پاس تھوڑا بھی مال ہو وہ صدقہ اور ضرورت سے کسی قدر زائد ہو تو وہ زکوۃ دیا کرے۔ ایسی حالت میں حضرت کو لوگوں کا مال عمومی مصالح کے لئے لینے میں کسی قسم کا اندیشہ نہ رہا۔ اسی وجہ سے خود بنفس نفیس صدقے مانگ لیتے اور فقراء اہل اسلام ویتامی وغیرہ کے مصالح میں تقسیم فرمادیتے اور کسی کو اس وہم کا موقع ہی نہ ملتا کہ وہ رقم حضرت اپنے ذاتی اغراض میں صرف کرنے کے لئے وصول فرماتے ہوں گے۔ اور حالت ظاہری بھی اسی

بات کو ثابت کرتی تھی کہ حضرت کو اس مال سے کوئی ذاتی تعلق نہیں کیونکہ فقر وفاقہ کی یہ کیفیت رہا کرتی تھی کہ دو دو مہینے چولھا نہیں سلگتا تھا۔ صرف چھوہاروں کے چند دانوں پر اوقات بسری ہوتی اور صدقات وغیرہ کا جس قدر مال آتا فقراء وغیرہ میں صرف ہو جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ وفات شریف کے وقت کسی قسم کا مال و اسباب و مکان عالی شان ورثہ میں نہیں چھوڑا۔ ان تمام مشاہدات کے بعد کیا ممکن ہے کہ کسی قسم کی بدگمانی ہو سکے ہرگز نہیں۔ اگر مرزا صاحب کو نبوت اور رسالت خدا کی طرف سے ملتی تو خدائے تعالیٰ ان کو بھی بدنما الزاموں سے محفوظ رکھتا مگر ایسا نہ ہوا جیسا کہ ان کی کارروائیوں سے ظاہر ہے۔

مولوی الٰہی بخش صاحب جو مرزا صاحب کے قدیم دوست اور سالہا سال انکے رفیق رہے جن کو خود مرزا صاحب نے متقی اور پرہیز گار فرمایا ہے؛ وہ اپنی کتاب عصائے موسیٰ میں مرزا صاحب کا حال لکھتے ہیں: ''کہ وہ کیوڑا' بید مشک کی سی وزنی گاگریں مسافت دور دراز سے بصرف زر کثیر منگوا کر استعمال فرماتے ہیں۔ خس کی ٹٹیاں لگی رہتی ہیں اور برف ہر وقت مہیا رہتا ہے۔ مرغی' انڈا' مشک' پلاؤ' زردہ پشمینہ' قالین' لحاف وغیرہ میں مستغرق اور منہمک ہیں اور بادشاہوں کی طرح جائیداد و زیور' باغات' محل' مکانات' مقبرے' مینار' گھنٹہ گھر (کلاک ٹاور) اور مینار روشنی (لاٹ ٹاور) وغیرہ غریبوں کے مال سے ہزارہا روپیہ خرچ کر کے اپنی تفریح اور یادگار بناتے ہیں۔ صرف ایک یادگار منارۃ المسیح جس میں گھڑی جنگل میں وقت بتانے کو اور لالٹین روشنی جانے کو لگائی جائے گی تعمیر کرنے کے واسطے دس ہزار روپیہ چندہ کے لئے اشتہارات شائع کئے گئے یہ ترفہ اور فارغ البالی اور عیش و عشرت عموماً امراء کو بھی نصیب نہیں یہ سب عقلی نبوت کا طفیل ہے جس کا حال ہم نے ابتدائے کتاب میں لکھا ہے۔

جب عقلی معجزات مرزا صاحب صدہا تراشتے ہیں تو غور کیا جائے کہ خاص مال فراہم کرنے کی تدابیر کس قدر سوجھتی ہونگی۔

عصائے موسیٰ میں لکھا ہے کہ مرزا صاحب تصویریں اپنی اور اپنے اہل بیت کی اور خاص جماعت کی' اقسام اقسام کی اتروا تے ہیں اور اخباروں میں ان کی اشاعت اور خریداری کی ترغیب وتحریص ہوا کرتی ہے۔ جس سے لاکھوں کی آمدنی متصور ہے اس کے سوا ماہواری چندے اقسام کے

مقرر ہیں جن کا کچھ حال اوپر معلوم ہوا۔اس کے سوا صاحب عصائے موسیٰ نے اپنے ذاتی معلومات جو اس میں لکھے ہیں وہ بھی قابل دید ہیں۔عصائے موسیٰ (ص ۴۲۶) میں لکھا ہے مرزا صاحب غور فرمائیں کہ ''وَاِذَا اُئْتُمِنَ خَانَ'' میں جو روپیہ سراج منیر کا چودہ سو روپیہ کی لاگت والی براہین کی قیمت میں آیا اس کو دوسری جگہ اپنی خانگی ونفسانی حاجات میں خرچ کرنا داخل ہے یا نہ۔رسالہ سراج منیر کے چندہ دینے والے وبراہین کہ خریدار کئی تو مر گئے اور بہت باقی بھی ہیں جو حسب وعدہ ہائے مرزا صاحب ہر دو کتب کے منتظر وامیدوار ہیں۔نیز وہ روپیہ جو مرزا صاحب کے حساب میں آپ کو کہہ کر بایں غرض جمع کیا گیا تھا کہ جب رسالہ موعودہ برائے مسٹر الگز انڈر وب امریکہ والا تیار ہوگا تو اس روپیہ سے ترجمہ کرایا جائیگا۔سو وہ رسالہ تو وعدہ وعید میں نابود ہوگیا اور اس کے ساتھ ہی وہ روپیہ بھی خوردو برد ہوا۔پھر جو روپیہ مسجد کے واسطے جمع ہوا وہ کہاں گیا۔براہین کی نسبت شاید یہ عذر پیش کریں کہ ہم نے واپسی روپیہ کا اشتہار دیدیا ہے اس لئے بری الذمہ ہوگئے لیکن اس میں یہ غرض ہے کہ:

اولاً تو پہلے سے ایسی کوئی شرط نہ تھی۔

ثانیاً وہ اشتہار سب روپیہ دہندگان کے پاس کہاں بھیجا گیا ہے۔فقط اپنے مریدین میں ہی اس کی اشاعت کافی سمجھی گئی تھی۔

ثالثاً اس اشتہار میں بھی ایسا فن حکمت وچالاکی کی کہ بیچارے مظلوم شرم ولحاظ سے مطالبہ روپیہ کی جرأت نہ کریں اور اگر کریں بھی تو مرزا صاحب کے کسی معتبر کا سرٹیفکیٹ پیش کریں۔

ایک آشنا نے مجھ سے پوچھا کہ بقیہ براہین خدا جانے کب آئے؟ میں نے جواب دیا کہ اسکی بظاہر کوئی امید نہیں کیونکہ مرزا صاحب اس کی قیمت واپس کرنے کا اشتہار دے چکے ہیں۔وہ بولا کہ ہم کو تو خبر ہی نہیں ہوئی بھلا اب روپیہ مل جائے گا؟ میں نے کہا: ہاں! اگر آپ روپیہ دینے کا سرٹیفکیٹ دیدیں۔تب اس نے کہا کہ: جس کی معرفت ہم نے روپیہ دے کر کتاب منگوائی ہے وہ تو مر گیا۔فقط اسی پر دوسرے بیچارے خریداروں کا قیاس کر لینا چاہیئے۔پھر جن لوگوں نے براہین کے واسطے سینکڑوں روپیہ دیئے تھے وہ اشتہار ان کے پاس بھی نہیں پہونچا۔اگر مرزا صاحب کی نیت بخیر ہوتی تو جیسا کہ عاجز کو ایک دفعہ فرمایا تھا کہ: ''ہم نے روپیہ دہندگان کے نام روپیہ کی کتاب کھولی

ہے'' تو اس کو قائم رکھتے اور اس کے موافق سب کو روپیہ واپس دے دیتے اگر کوئی لینے سے انکار کرتا تو وہ مال آپ کا تھا۔ اول روپیہ دہندگان وخریدان کو حسب ضابطہ رسید بھی دی ہوتی تا اس کو پیش کر کے روپیہ وصول کر سکتے ۔ یہ حق العباد تھا' اس بارے میں جس قدر سعی واہتمام ہوتا ثواب وعبادت میں داخل تھا۔ خیر یہ تو براہین کے روپیہ کا حال ہوا۔ باقی سراج منیر ومسٹر الگزنڈر روب والے روپیہ کا کیا عذر ہے۔ علی ہذا القیاس

اور بہت رقوم جو کہیں کی کہیں خرچ ہوئیں یہ سب کیوں؟ ''اِذَا اُئْتُمِنَ خَانَ'' میں داخل نہیں؟

(صحیح البخاری کتاب الوصایا باب قول اللہ تعالی: من بعد وصیۃ یوصی بھا) ''اِذَا عَاھَدَ غَدَرَ'' میں جو وعدۂ نسبت' براہین احمدیہ' جلد اول' اعلان سرورق' جلد اول ودوم میں ہیں کہ ضخامت سو جز سے زیادہ ہوگی' قیمت اول پانچ پھر دس پھر پچیس اور اقرار کہ اس کی طبع میں آئندہ کبھی توقف نہیں ہوگا۔ جلد سوم کے سرورق پر فرمایا کہ: اب کتاب تین سو جز تک پہونچ گئی ہے اور اخیر صفحہ پر اسکی قیمت ایک سو روپیہ قرار دیکر فرمایا کہ: اگر اس کے عوض تا روپیہ بھی مسلمان پیشگی نہ دیں تو پھر گویا کام کے انجام سے خود مانع ہوں گے۔ (اس فقرہ کی تحریر سے مرزا صاحب کے اپنے رئیس اعظم صاحب جائداد ہونے اور ہزارہا روپیوں کے اشتہارات دینے کی حقیقت وماہیت بھی خوب ظاہر ہوتی ہے کہ جو کچھ ملے پیشگی ملے) جلد چہارم میں آخر کار فرمادیا کہ: اس کا متولی ظاھرا و باطنا رب العالمین ہے اور کچھ معلوم نہیں کہ کس اندازہ ومقدار تک اس کو پہنچادے اور سچ تو یہ ہے کہ جس قدر اس نے جلد چہارم تک انوار حقیقت اسلام ظاہر کئے ہیں اتمام حجت کے لئے کافی ہیں زندگی کا اعتبار نہیں وغیرہ الخ

افسوس راستی موجب رضائے خدا است پر جس کا عاجز کو الہاماً ارشاد ہوا ہے خیال کر کے یہ نہ فرمایا کہ مصالحہ اندوختہ ختم ہو چکا ہے اور جو ہم نے تین سو دلائل کا قید تحریر میں آکر تیار ہونا لکھا تھا غلط تھا اس لئے آئندہ تولیت سے دست بردار ہوتے ہیں اور روپیہ وصول شدہ حق العباد کی عباد اللہ سے معافی چاہتے ہیں۔

پھر وعدہ رسالہ سراج منیر جس کا چودہ سو روپیہ کے صرف سے طبع کا اعلان ۱۳۰۴ھ سنہ ہجری میں سرورق شحنۂ حق پر ہوا تھا جس کے لئے کئی مقامات سے خاطر خواہ چندہ آ گیا تھا اور جس کی نسبت خاکسار نے جب مرزا صاحب انبالہ میں تشریف رکھتے تھے بذریعہ خط وعدہ خلافی کی شکایت کی تھی تو مرزا صاحب اس پر درہم برہم ہو کر خفا ہوئے تھے۔ یہ ۱۸۸۶ء سنہ کا ذکر ہے جب سرمۂ چشم آریہ چھپا تھا اور اس کے سرورق پر اس کی قیمت 12 عام سے اور خاص ذی استطاعت سے جو بطور امداد دیں اس شرط و وعدہ پر مقرر کی کہ سراج منیر اور براہین کے لئے اس قسم سے سرمایہ جمع ہو کر اس کے بعد رسالہ سراج منیر پھر اس کے بعد پنجم حصہ براہین احمدیہ چھپنا شروع ہوگا۔ پھر وعدہ اجرائے رسالہ ماہواری قرآنی طاقتوں کا جلوہ گاہ آخر جون ۱۸۸۷ء سنہ کی بیس تاریخ سے ماہ بماہ نکلا کرے گا۔

نیز رسالہ تجدید دین یا اشعۃ القرآن۔ پھر ۲۸ مئی ۱۸۹۲ء سنہ جسکو سات برس سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے نشان آسمانی کے (ص ۴۲ و ص ۴۳) میں ضروری گذارش باہمت دوستوں کی خدمت میں امداد کے لئے کی اور اسکی سرخی میں اے مردان بکوشید و برائے حق بجوشید، لکھ کر فرمایا کہ پختہ ارادہ وخواہش ہے کہ اس رسالہ (نشان آسمانی وشہادۃ الملہمین) کے چھپنے کے بعد رسالہ دافع الوساوس طبع کرا کر شائع کیا جائے سو آئینہ کمالات اسلام کا دوسرا نام دافع الوساوس رکھ کر مرزا صاحب اس سے بریٔ الذمہ ہو گئے۔ اور بعد اس کے بلا توقف رسالہ حیات النبی وممات المسیح جو یورپ وامریکہ کے ملکوں میں بھی بھیجا جائے گا شائع اور اس کے بعد بلا توقف حصۂ پنجم براہین احمدیہ جس کا دوسرا نام ضرورت قرآن رکھا گیا ہے؛ ایک مستقل کتاب کے طور پر (یہ مطلب ہے کہ اس کی قیمت علحدہ ہوگی براہین کی قیمت دینے والے اس پر اپنا حق قائم نہ سمجھیں) چھپنا شروع ہو۔ لیکن اس سلسلہ کے قائم رکھنے کے لئے یہ احسن انتظام خیال کرتا ہوں کہ ہر ایک رسالہ جو میری طرف سے شائع ہو میرے ذی مقدرت دوست اس کی خریداری سے مجھ کو بدل وجان مدد دیں۔ پھر فرمایا اگر میری جماعت میں ایسے احباب ہوں جو بوجہ املاک واموال وزیورات وغیرہ کے زکوۃ فرض ہو تو ان کو سمجھنا چاہیئے کہ اس وقت دین اسلام جیسا غریب اور یتیم اور بیکس کوئی نہیں اور زکوۃ دینے میں جس قدر تہدید شرع وارد ہے وہ بھی ظاہر ہے اور عنقریب ہے جو منکر زکوۃ ہو کافر ہو جائے۔ پس

فرض ہے جو اسی راہ میں اعانت اسلام میں زکوۃ دی جائے زکوۃ میں کتابیں خریدی جائیں اور مفت تقسیم کی جائیں۔ اور میری تالیفات بجز ان رسائل کے اور بھی ہیں جو نہایت مفید ہیں جیسے رسالہ احکام القرآن' اربعین فی علامات المقربین اور سراج منیر اور تفسیر کتاب عزیز۔ لیکن چونکہ کتاب براہین احمدیہ کا کام ازبس ضروری ہے اس لئے بشرط فرصت کوشش کی جائیگی کہ یہ رسائل بھی درمیان طبع ہو کر شائع ہو جائیں؛ آئندہ ہر ایک امر اللہ جل شانہ کے اختیار میں ہے۔

کیفیت جلسہ۔ ۲۷ ڈسمبر ۱۸۹۲ء عیسوی کے صفحہ ۲۴ پر درخواست چندہ (قابل توجہ احباب) میں کہا ہے کہ: تین قسم کی جمعیت کی ہمیں سخت ضرورت ہے جس پر ہمارے کام اشاعت حقانی، معارف دین کا سارا مدار ہے

اول: دو پریس۔

دوم: ایک خوش خط کاپی نویس۔

سوم: کاغذات۔

ان تینوں مصارف کے لئے 250 ماہواری کا تخمینہ لگایا گیا ہے ہر ایک دوست بہت جلد بلا توقف اس میں شریک ہو اور چندہ ہمیشہ ماہواری تاریخ مقررہ پر پہونچ جانا چاہئے۔ یہ تجویز ہوئی کہ بقیہ براہین اور ایک اخبار جاری ہو اور آئندہ حسب ضرورت وقتاً فوقتاً رسائل نکلتے رہیں الخ۔

اب مرزا صاحب نے عذر داری ٹکس میں 250 سالانہ آمدنی کا جس کے 433 سے کچھ زیادہ ماہواری ہوئی اقبال کیا ہے اور اوسط سالانہ آمدنی جو چار ہزار قبول کی ہے اسکی ماہوار اوسط بھی 333 سے کچھ زیادہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ مرزا صاحب کی اپنی زمین و باغ وغیرہ کی آمدنی علیحدہ ہے۔ پریس بھی کئی موجود ہیں۔ دوسری جو کتاب نکلتی ہے اس کی قیمت بھی اس قدر بڑھ کر ہوتی ہے کہ لاگت سے تگنا چوگنا منافع ہو۔ اب فرمائیں کہ یہ سب وعدے اس وعید ''اذا عاهد غدر'' (مسند احمد ابن حنبل مسند المكثرين من الصحابة مسند عبدالله ابن عمر بن الخطاب) میں کیوں داخل نہیں۔ انتہی

اور اسی عصائے موسی (ص ۱۶۲) میں لکھا ہے کہ: مرزا صاحب نے طرح طرح کے اقرار ارنداردو عدے کر کے روپیہ قیمت کتب وقبولیت دعائے عطائے فرزند وغیرہ کے نام واعتبار پر پیشگی حاصل کر کے اپنے قبضہ وتصرف میں لے آیا اور پھر وعدہ وغیرہ کو بالائے طاق رکھ کر پیچھے مریدین سے مشتہر کرادی کہ امام وقت وخلیفۃ اللہ کو نبیوں، بقالوں، تنگ دلوں، زر پرستوں کے حساب وکتاب سے کیا کام۔ روپیہ حاصل کرنے کی یہ تدبیریں ہیں دعا کی اجرت تک لی جاتی ہے۔اور زکوۃ جو حق فقراء ہے وہ بھی نہیں چھوڑی جاتی اور پیرایہ کس قدر خوش منظر کہ دین اسلام جیسا غریب اور یتیم اور بے کس کوئی نہیں۔ اس کے سوا ان کا جھوٹ کہنا، داؤ پیچ، فتنہ انگیزی، خدائے تعالی کی تکذیب اور اس پر افترا، الحاد، انبیاء علیہم السلام کی تنقیص شان اور ان کو ساحر قرار دینا اور ان پر اپنی فضیلت وغیرہ امور عصائے موسی میں متعدد مقامات میں ثابت کئے گئے ہیں؛ جن کا ذکر اس کتاب میں بھی آ گیا ہے۔ یہ امور ایسے ہیں کہ کوئی مسلمان انکا مرتکب نہیں ہوسکتا اور اگر ہوا تو مسلمان نہیں سمجھا جاتا۔اب اہل ایمان غور کریں کیا ممکن ہے کہ مرزا صاحب ان تمام اوصاف کے جامع بھی ہوں اور تقرب الہی اور نبوت اور عیسویت کے ساتھ بھی متصف ہوں۔

اگر یہ تسلیم کرلیا جائے تو مسلیمہ کذاب سے آج تک جتنے نبوت کے مدعی گذرے ہیں معاذ اللہ سب پر ایمان لانے کی ضرورت ہوگی حالانکہ کوئی ایماندار اس کا قائل نہیں ہوسکتا۔اس کے بعد مرزا صاحب کے وہ دلائل جو اپنی نبوت اور عیسویت پر پیش کرتے ہیں ان کی طرف توجہ کرنے کی کوئی ضرورت نہ رہی مگر سرسری طور پر اگر ذکر کر لئے جائیں تو بے موقع بھی نہیں۔ایک دلیل یہ ہے کہ کریم بخش نے کہا کہ گلاب شاہ مجذوب نے کہا تھا کہ مسیح لدھیانہ میں آ کر قرآن میں غلطیاں نکالے گا۔

محمد یعقوب نے کہا کہ: عبد اللہ صاحب غزنوی نے کہا کہ: مرزا صاحب عظیم الشان کام کے لئے مامور کئے جائیں گے۔

ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ مسیح آسمان سے اترا۔

پیش گوئیاں؛ استجابت، فصاحت وبلاغت زبان عربی، عقلی معجزات' ان دلائل کا حال اوپر معلوم ہو چکا ہے اعادہ کی حاجت نہیں۔

اب مرزا صاحب کے وہ دلائل پیش کئے جاتے ہیں جو مرزا صاحب نے ازالۃ الاوہام میں لکھا ہے: ایک دلیل یہ ہے جو ابھی معلوم ہوئی کہ کریم بخش نے گواہی دی کہ گلاب شاہ مجذوب نے خبر دی تھی کہ عیسی جوان ہو گیا ہے اب قرآن میں غلطیاں نکالیگا سبحان اللہ عیسی اور قرآن میں غلطیاں نکالنا)

م خود مثیل عیسیٰ ہیں اور ہمارے نبی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم مثیل موسیٰ

اور ایک دلیل یہ پیش کرتے ہیں جو ازالۃ الاوہام (ص ۶۹۲) میں ہے۔ منجملہ ان علامات کے جو اس عاجز کے مسیح موعود ہونے کے بارے میں ہیں یہ ہے کہ: مسیح اس وقت یہودیوں میں آیا تھا کہ جب توریت کا مغز اور بطن یہودیوں کے دلوں پر سے اٹھالیا گیا تھا اور وہ زمانہ حضرت موسی سے چودہ سو برس بعد تھا جو مسیح یہودیوں کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا تھا ایسے ہی زمانہ میں یہ عاجز آیا کہ جب قرآن کا مغز اور بطن مسلمانوں کے دلوں پر سے اٹھا یا گیا ہے اور وہ اور یہ زمانہ بھی حضرت مثیل موسی کے زمانہ سے اسی زمانہ کے قریب قریب گذر چکا ہے جو حضرت موسی اور عیسی کے درمیانی زمانہ تھا۔ انتہی

موسی اور عیسی علیہما السلام کے مابین جو مدت بتلائی جارہی ہے اس سے غرض یہ ہے کہ موسی سے چودہ سو برس کے بعد عیسی علیہما السلام کو بھیجنے کی ضرورت ہوئی تھی اسی طرح مثیل موسی یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اب تک اسی قدر مدت گذر گئی ہے اسی لئے مثیل عیسی اب بھیجا گیا یعنی خود مرزا صاحب نے مسلم شریف کی روایت کو قابل اعتبار نہیں سمجھا تھا اس وجہ سے کہ وہ بخاری میں نہیں جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اور یہ روایت جو اپنی عیسویت کے استدلال میں پیش کرتے ہیں اس کا پتہ تو کسی موضوعات کی کتاب میں بھی نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو اس کا نام ضرور لکھتے جس سے اتنا تو معلوم ہوتا کہ یہ بات مرزا صاحب کی بنائی ہوئی نہیں ہے۔ یہ یاد رہے کہ مرزا صاحب کسی حدیث کی کتاب سے یہ روایت ثابت نہیں کر سکتے اس لئے کہ محققین نے تصریح کی ہے کہ موسی علیہ السلام کی وفات سے عیسی علیہ السلام کی ولادت تک سترہ سو سولہ (۱۷۱۶) برس گذرے تھے جیسا کہ تنبیہ الاذکیاء فی قصص الانبیاء میں علامہ طاہر بن صالح الجزائری نے لکھا ہے۔



جھوٹ اور بے اصل ان کا استدلال

اس میں شبہ نہیں ہے کہ مرزا صاحب میں اعلیٰ درجہ کی جرأت ہے۔ کبھی کسی قسم کا خیال ان کو مانع نہیں ہوتا کہ میں مخالفوں کے مقابلہ میں کیا کہا تھا اور اب کیا کہہ رہا ہوں اور لوگ کیا کہیں گے۔ یہ بھی مرزا صاحب کا ایک عقلی معجزہ ہے کہ کوئی دوسرا یہ کام نہیں کرسکتا کیونکہ اس کو ضرور شرم مانع ہوگی جس کو مرزا صاحب الحیاء یمنع الرزق کا مصداق قرار دیں گے۔ جب تک مرزا صاحب اپنے اس بیان کو کسی کتاب سے مدلل نہ کریں یہی سمجھا جائیگا کہ انہوں نے اس مدت کو اپنے دل سے گھڑلیا ہے۔

ماحصل ان کی تقریر کا یہ ہوا کہ موسیٰ اور عیسیٰ دونوں مستقل نبی' اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مرزا ان دونوں کے مثیل ہیں یعنی مرزا عیسیٰ کے مثیل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم موسیٰ کے مثیل کیونکہ صاف لفظوں میں حضرت کو موسیٰ کا مثیل کہہ رہے ہیں۔ چونکہ مرزا مثیل ہونے کی وجہ سے اپنے کو ظلی اور تبعاً نبی کہتے ہیں اسی قیاس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے نزدیک ظلی نبی ہوئے۔ مگر مسلمانوں کا اعتقاد ایسا نہیں وہ بحسب احادیث صحیحہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سید المرسلین سمجھتے ہیں جن میں موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام وغیرہما سب داخل ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کو اس امت میں ہونے کی آرزو تھی

احادیث سے ثابت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام آرزو اور دعائیں کرتے تھے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں داخل ہوں چنانچہ امام سیوطیؒ خصائص کبریٰ میں کئی روایتیں بڑی بڑی نقل کی ہیں؛ چونکہ یہ کتاب چھپ گئی ہے اس لئے صرف محل استدلال نقل کیا جاتا ہے۔ "أَخْرَجَ أَبُوْ نُعَيْمٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمُعَافِرِی: فَلَمَّا عَجِبَ مُوْسٰی مِنَ الْخَيْرِ الَّذِی أَعْطَاهُ اللّٰهُ مُحَمَّدًا وَ أُمَّتَهُ قَالَ: يَا لَيْتَنِیْ مِنْ أُمَّةِ أَحْمَدَ۔ (الخصائص الکبری باب اعلام اللہ بہ موسی علیہ السلام) وَأَخْرَجَ أَبُوْ نُعَيْمٍ فِی الْحِلْيَةِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَوْحَى اللّٰهُ اِلٰى مُوسٰى بَنِیْ اِسْرَائِيلَ أَنَّهٗ مَنْ لَقِيَنِیْ وَهُوَ جَاحِدٌ بِأَحْمَدَ أَدْخَلْتُهُ النَّارَ قَالَ: اجْعَلْنِی مِنْ أُمَّةِ ذٰلِکَ النَّبِیِّ۔ (الخصائص الکبری باب اعلام اللہ بہ موسی علیہ السلام)

وَفِي رِوَايَةِ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ يَا رَبِّ فَاجْعَلْنِي مِنْ أُمَّةِ أَحْمَدَ۔" (الخصائص الکبری باب اعلام اللہ بہ موسی علیہ السلام) اب مرزا صاحب ہی غور فرمائیں کہ خود موسیٰ علیہ السلام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کی آرزو کرتے تھے تو کسی یہودی کا قول اس کے خلاف میں کیونکر قابل توجہ ہوگا۔ اور آیت شریفہ "وَإِذْ أَخَذَ اللهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّنَ" الآیۃ (آل عمران ۸۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب تھے پھر حضرت کو کسی نبی کا مثیل اور ظلی نبی قرار دینا کیسی بے ادبی ہے۔

مسلمانو! مرزا صاحب نے تمہارے نبی افضل الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوۃ والسلام کو موسیٰ کا مثیل قرار دیا۔ کیا اب بھی کسی اور کا مثیل سننے کا انتظار ہے؟ کیا تمہارے اور تمہارے اسلاف کے کان ایسے نا ملایم الفاظ سننے کے آشنا تھے؟ کب تک مرزا صاحب کی ایسی باتیں سنا کرو گے؟ توبہ کرو! اگر نجات چاہتے ہو تو انکی ایک نہ سنو۔ اور اپنے اسلاف کی اتباع کرو۔

مسلمانوں اور یہود کی وجہ شبہ میں جو فرماتے ہیں کہ مغز اور بطن کلام الٰہی کا ان دونوں کے دلوں سے اٹھا لیا گیا ہے اس میں یہ کلام ہے کہ یہود کی شان میں حق تعالیٰ فرماتا ہے: أَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُولٌۢ بِمَا لَا تَهْوَىٰٓ أَنفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ﴿٨٧﴾ (البقرہ) جس سے ظاہر ہے کہ وہ انبیاء کی تکذیب اور ان کو قتل کیا کرتے تھے۔ اور توریت و انجیل سے ثابت ہے کہ انہوں نے بیت المقدس کو ڈھایا اور قربانی کے مقام میں خنزیر ذبح کئے، بت خانے آباد کئے، اس کے سوا اور بہت سی ان کی خرابیاں ہیں جن کا حال انشاء اللہ آئندہ معلوم ہوگا۔ بفضلہٖ تعالیٰ مسلمانوں میں ان باتوں سے ایک بھی نہیں پائی جاتی۔ مسجدیں آباد بلکہ ہمیشہ نئی نئی بنائی جاتی ہیں۔ حج کی وہی دھوم دھام ہے کہ ہر سال لاکھوں مسلمانوں کا مجمع ہوتا ہے۔ رمضان شریف میں عبادت کی وہی گرم جوشیاں ہیں۔ غرض کہ شعار اسلام بفضلہٖ تعالیٰ ہندوستان میں بھی قائم ہیں۔ رہا یہ کہ بعضے حظوظ نفسانی میں گرفتار اور بدعتوں میں مبتلا ہیں سو ان کی بھی یہ حالت ہے کہ جب قرآن و حدیث سنتے ہیں تو اپنے افعال و تقصیر پر نادم ہوتے ہیں۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ بعضے ایسے بھی ہیں کہ عمر بھر قرآن و حدیث سنتے اور پڑھتے ہیں مگر کسی کی جادو بیانی کے اثر سے

ضروریات دین کے اعتقاد سے پھر جاتے ہیں سو وہ لوگ اعتبار کے قابل نہیں ایسے لوگ تو خود نبی کے وقت میں گمراہ اور مخالف ہوجاتے تھے ان کے حسب حال یہ شعر ہے ؎

عمرہا دیدند قوم دون زموسیٰ معجزات	آن ہمہ شد گاؤ خورد از بانگ یک گوسالہ

غرض کہ جس طرح یہود نے توریت کو چھوڑ دیا تھا مسلمانوں نے اب تک قرآن کو نہیں چھوڑا البتہ مرزا صاحب کی تعلیم سے اب اس کی بنیاد پڑ گئی ہے جس کا حال انشاء اللہ تعالیٰ معلوم ہوگا کہ صدہا آیات قیامت اور احیاء اموات وغیرہ ابواب میں جو وارد ہیں ان کا ایمان اس تعلیم سے بعض لوگوں کے دلوں سے اٹھالیا گیا ہے۔ مثلاً جب یہ مسلم ہوجائے کہ مرتے ہی آدمی ایک سوراخ کی راہ سے جنت میں یا دوزخ میں چلا جاتا ہے اور پھر وہاں سے نہیں نکلتا جیسا کہ مرزا صاحب کہتے ہیں تو قیامت اور حشر اجساد کا خود ابطال ہوگیا۔

قرآن کا مغز اور بطن جو مرزا صاحب فرماتے ہیں اگر اس سے وہی مراد ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ہے سو وہ بفضلہٖ تعالیٰ کتب تفسیر وحدیث میں بتمامہ محفوظ وموجود ہے۔ مغز اور بطن جو کچھ پوشیدہ اور ادراک سے غائب ہے سب کچھ حضرت نے فرمادیا کیونکہ حضرت کو ان امور میں بخل نہ تھا چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ﴿۲۴﴾ (تکویر) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیب کی باتیں بیان کرنے میں بخیلی نہیں کیا کرتے اور اشارات قرآنیہ جو بزرگان دین نے مجاہدات اور مکاشفات کے بعد معلوم کیا ہے وہ بھی تفاسیر اور کتب تصوف میں موجود ہیں۔

غرض مسلمانوں کو ان کے نبی اور پیشوایان دین نے سب سے مستغنی کردیا ہے کسی کی من گھڑت باتوں سے ان کو کچھ کام نہیں اور اگر مغز وبطن کچھ اور ہے جو مرزا صاحب پیش کرتے ہیں سو اس کو قرآن سے کچھ تعلق نہیں۔

مرزا صاحب میں یہود کی صفات

الحاصل مرزا صاحب مسلمانوں کو یہودیوں کے برابر کرکے اپنی ضرورت جو بتلا رہے ہیں وہ خلاف واقع ہیں بلکہ معاملہ بالعکس کہ یہود کی اکثر صفات مرزا صاحب میں موجود ہیں۔ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام سولی پر چڑھائے گئے مرزا

صاحب کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ یہود کا عقیدہ نحن ابناء اللہ ہے مرزا صاحب بھی اپنے کو خدا کے بیٹے کے برابر کہتے ہیں۔ یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو ساحر کہا تھا مرزا صاحب بھی یہی کہتے ہیں۔ جس طرح پولس صاحب نے جو یہودیوں کے بادشاہ تھے عیسائیوں کو ان کے قبلہ سے منحرف کر دیا۔ مرزا صاحب بھی مسلمانوں کو ان کے قبلہ سے منحرف کرنا چاہتے ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسیٰ علیہ السلام تک بہت سے نبی گذرے ہیں: مثلاً یوشع، شمویل، الیاس، الیسع، ارمیا، دانیال، داؤد، سلیمان اور عزیر وغیرہ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام پھر سب کو چھوڑ کر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مثیل موسیٰ بنا رہے ہیں اس کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوئی اگر بت پرستی موقوف کرا کے توحید کی طرف بلانے میں تشبیہ ہے تو کل انبیاء اسی کام کے لئے تھے۔ اگر نادر معجزات کے لحاظ سے ہے تو عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات اس قسم کے تھے اور اگر بنی اسرائیل کی ہدایت کے خیال سے ہے تو داؤد اور سلیمان علیہما السلام نے ان کی بت پرستی بالکل موقوف کرادی تھی غرض کوئی وجہ تخصیص کی معلوم نہ ہوگی سوا اس کی کہ تیرا سو (۱۳۰۰) برس کی جوڑ ملانا مقصود ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اپنی غرض ذاتی کے واسطے سید المرسلین کی کسر شان کی کچھ پرواہ نہ کی۔

اور ایک دلیل ازالۃ الاوہام (ص ۳۶۶) میں یہ لکھتے ہیں کہ روحانی طور پر عالم میں کون وفساد وغیرہ امور ہوں گے تب وہ آدم جس کا دوسرا نام ابن مریم بھی ہے بغیر وسیلۂ ہاتھوں کے پیدا کیا جائیگا۔ اسی کی طرف وہ الہام اشارہ کررہا ہے جو براہین میں درج ہو چکا ہے اور وہ یہ ہے:

''اَرَدْتُ اَنِ اسْتَخْلَفَ فَخَلَقْتُ اٰدَمَ''

ہر منصف کو ماننا پڑیگا کہ وہ آدم اور ابن مریم بھی عاجز ہے کیونکہ ایسا دعوی اس عاجز سے پہلے کبھی کسی نے نہیں کیا اور اس عاجز کا یہ دعوی دس برس سے پہلے شائع ہو رہا ہے اور براہین احمدیہ میں مدت سے چھپ چکا ہے کہ خدائے تعالی نے اس عاجز کی نسبت فرمایا ہے کہ یہ آدم ہے۔

اور اس نزع کے وقت سے دس (۱۰) برس پہلے اس عاجز کا نام آدم اور عیسیٰ کہہ دیا اس حکیم مطلق نے اس عاجز کا نام آدم اور خلیفۃ اللہ رکھ کر اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ؕ (البقرۃ: ۳۰) کی کھلی کھلی طور پر براہین احمدیہ میں بشارت دے کر لوگوں کو توجہ دلائی تا کہ اس خلیفۃ

اللہ آدم کی اطاعت کریں اور اطاعت کرنے والی جماعت سے باہر نہ رہیں اور ابلیس کی طرح ٹھوکر نہ کھائیں۔ اور "مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّار" کی تہدید سے بچیں۔ انتہی

اس تقریر سے کئی باتیں معلوم ہوئیں:

(1) براہین احمدیہ کلام الٰہی ہے جس میں حق تعالیٰ نے ان کے خلیفہ ہونے کی بشارت دی ہے۔

(2) مرزا صاحب نبی ہیں جن پر وہ کتاب نازل ہوئی۔

(3) مرزا صاحب آدم خلیفۃ اللہ ہیں۔

(4) جو مخالفت کرے وہ گویا ابلیس اور دوزخی ہے۔

(5) دس برس پہلے الہام شائع ہونے کی وجہ سے وہ قطعی ہو گیا۔

حق تعالیٰ نے تیرہ سو (۱۳۰۰) برس پہلے اپنے کلام قدیم میں یہ بات شائع کر دی کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ کَمَا قَالَ تَعَالٰی: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط (احزاب: ۴۰) اب اس کے بعد کوئی دعوئے نبوت کرے تو وہ مسیلمہ کذاب و اسود عنسی وغیرہما کی قطار میں داخل ہے جس کے جہنمی ہونے میں کسی کو شک نہیں کیونکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ہے کہ قیامت سے پہلے بہت سے دجال نکلیں گے جو رسول ہونے کا دعویٰ کریں گے۔ جیسا کہ امام احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، اور ترمذی نے روایت کی ہے: "عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُبْعَثَ دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ قَرِيْبًا مِّنْ ثَلَاثِيْنَ كُلُّهُمْ يَزْعَمُ أَنَّهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ" (صحیح البخاری کتاب المناقب باب علامات النبوۃ فی الاسلام)

ان کی تعلیاں

مرزا صاحب کو کمالات وفضائل کے ساتھ کمال درجہ کی دل چسپی ہے وہ ہمیشہ تلاش میں لگے رہتے ہیں جہاں کوئی کمال پیش نظر ہو جاتا ہے بے دھڑک اس کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں۔ چنانچہ ان تصریحات سے ظاہر ہے ازالۃ الاوہام (ص ۱۵۴) میں لکھتے ہیں ہر صدی پر ایک مجدد کا آنا ضرور

ہے بتلائیں کس نے اس صدی کے سر پر خدا سے الہام پا کر مجدد ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اگر یہ عاجز نہیں ہے تو پھر وہ کون آیا ہے کس نے ایسا دعویٰ کیا ہے جیسا کہ اس عاجز نے۔ اور لکھتے ہیں: جس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نائب دنیا میں پیدا ہوتا ہے تو یہ تحریکیں دلی اور دماغی بڑی تیزی سے اپنا کام کرتی ہیں اور اس نیابت کے اختیارات ملنے کے وقت تو وہ جنبش نہایت تیز ہو جاتی ہے خدائے تعالیٰ نے اس عاجز کو بھیجا ہے یعنی نائب کر کے۔

اور ازالہ (ص ۷۹) میں لکھتے ہیں حدیث میں جو وارد ہے کہ حارث جو ایک شخص ماوراء النہر کا ہوگا جو آل رسول کو تقویت دیگا جس کی امداد و نصرت ہر ایک مومن پر واجب ہوگی الہامی طور پر مجھ پر ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ پیش گوئی اور مسیح کے آنے کی پیش گوئی جو مسلمانوں کا امام ہوگا دراصل یہ دونوں پیش گوئیاں متحد المضمون ہیں اور دونوں کا مصداق یہی عاجز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائے تعالیٰ نے خبر دی کہ حارث امام مہدی کی تائید کو جائیگا اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے جیسا کہ متعدد صحیح صحیح حدیثوں سے ثابت ہے۔ مگر مرزا صاحب کے ملہم نے ان کو خبر دی کہ یہ غلط ہے حارث امام مہدی عیسیٰ ایک ہی شخص ہے یہ ملہم خدا اور رسول کا مخالف ہے جبھی تو ایسا الہام کیا۔

ازالۃ الاوہام (ص ۱۳ ۴) میں لکھتے ہیں: وہ مسیح موعود جس کا آنا احادیث صحیحہ سے ضروری طور پر قرار پاچکا ہے وہ تو اپنے وقت پر اپنی نشانیوں کے ساتھ آ گیا ہے اور آج وعدہ پورا ہو گیا۔

اور نیز ازالۃ الاوہام (ص ۶۴۸) میں لکھتے ہیں: خدائے تعالیٰ نے اس عاجز کو آدم صفی اللہ کا مثیل قرار دیا پھر مثیل نوح کا پھر مثیل یوسف کا پھر مثیل داؤد کا پھر مثیل موسیٰ کا پھر مثیل ابراہیم کا قرار دیا اور بار بار احمد کے خطاب سے مخاطب کر کے ظلی طور پر محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم قرار دیا۔

اور اسی کے (صفحہ ۶۷۳) میں لکھتے ہیں کہ آیت شریفہ ”مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّأْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ أَحْمَدُ“ سے خود مراد ہیں رسالہ عقائد مرزا میں اشتہار معیار الاخیار سے مرزا صاحب کا قول نقل کیا ہے۔ ”میں مہدی ہوں اور بعضے نبیوں سے افضل ہوں“

اور اسی میں اشتہار دافع البلاء سے ان کا قول نقل کیا ہے: میں امام حسین علیہ السلام سے افضل ہوں۔ اور اسی سے ان کا یہ قول بھی نقل کیا ہے ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو! اس سے بہتر غلام احمد ہے۔ اور اسی سے ان کا یہ قول بھی نقل کیا ہے: میں اللہ کے اولاد کے رتبہ کا ہوں میرا الہام ہے کہ ''أَنْتَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ أَوْلَادِيْ'' اور الحکم مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۰۵ء میں مرزا صاحب کا الہام لکھا ہے: ''اِنَّمَا أَمْرُكَ إِذَا أَرَدْتَ شَيْئًا أَنْ تَقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ'' یعنی تم جس چیز کو پیدا کرنا چاہو جب کن کہہ دو گے تو وہ پیدا ہوجائیگی۔ اور توضیح مرام سے ان کا قول نقل کیا ہے: ''میں اللہ کا نبی ہوں اور رسول ہوں'' اور کشتی نوح سے ان کا قول نقل کیا ہے: ''میرے معجزات انبیا کے معجزات نے بڑھ کر ہیں'' ازالۃ اوہام (ص ۴۵۰) میں لکھتے ہیں: سچی وحی اپنے پر نازل ہوتی ہے ازالۃ الاوہام (ص ۱۳) میں لکھتے ہیں: ''خدائے تعالیٰ ان سے بہت قریب ہوجاتا ہے اور کسی قدر پردہ چہرہ سے اتار دیتا ہے اور نہایت صفائی سے مکالمہ کرتا ہے اور دیر تک سوال وجواب ہوتے رہتے ہیں اور یہ اس واسطے ہوتا ہے تاکہ ان کے الہام دوسروں پر حجت ہوں۔ رسالہ عقائد مرزا میں ان کا قول نقل کیا ہے: ''کہ طاعون ملک میں میری تکذیب کی وجہ سے خدا نے بھیجا ہے'' اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ: میرا منکر کافر اور مردہ ہے اس کو ضرور مواخذہ ہوگا اس قسم کی اور بہت سی باتیں ان کی تصانیف میں موجود ہیں اور اب تو آپ کرشن جی بھی ہوگئے ہیں جیسا کہ متعدد اخباروں سے ظاہر ہے۔ مرزا صاحب عیسویت وغیرہ کا جو مرکب دعویٰ کرتے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں۔ غرر الخصائص الواضحہ (ص ۱۷۵) میں علامہ وطواطؒ نے لکھا ہے کہ معتمد (علی اللہ) کی خلافت میں ایک شخص سوادِ کوفہ میں نکلا تھا جس کو کرمیتہ کہتے تھے۔ یہ شخص پہلے نہایت زہد وعبادت کے ساتھ مشہور رہا۔ جب لوگ معتقد ہوگئے تو ان سے کہا کہ: مسیح علیہ السلام نے آدمی کی صورت میں ظاہر ہوکر مجھ سے کہا کہ تو ''داعیہ'' ہے۔ اور ''حجت'' ہے۔ ''ناقہ'' ہے۔ روح القدس ہے۔ یحیی بن زکریا ہے۔ پھر یہ دعوے کیا کہ میں مسیح ہوں۔ عیسیٰ ہوں۔ کلمہ ہوں۔ مہدی ہوں۔ محمد ابن الحنیفہ ہوں۔ جبریل ہوں۔ جب دس ہزار (۱۰۰۰۰) آدمی اس کے تابع ہوگئے تو ان میں سے بارہ (۱۲) شخصوں کا انتخاب کرکے کہا کہ: تم میرے حواری ہو۔ جیسے عیسیٰ علیہ السلام کے حواری تھے۔ مرزا صاحب کو اس شخص کی رائے پسند آئی

اور عقل کا مقتضی بھی یہی ہے کہ جب دس بیس دعوے کردئے جائیں گے تو کم از کم ایک تو ضرور ثابت ہوجائیگا۔ پھر مقاصد حاصل کرنے کے لئے وہ ایک بھی کم نہیں۔ کرمیتہ نے مرزا صاحب کے اس دعوی کو بھی باطل کردیا جو فرماتے ہیں کہ: سوائے میرے کسی مسلمان نے عیسی ہونے کا دعوی نہیں کیا۔ الغرض آپ نے اس بات کا ٹھیکہ لے لیا ہے کہ کوئی فضیلت چھوٹنے نہ پائے اور کوئی فرقہ ہندوستان میں ایسا نہ رہے جس کے وہ مقتدا اور معبود نہ بنیں۔ مگر کسی فرقہ پر ان کا افسوں نہ چلا۔ چونکہ مسلمانوں میں آج کل یہ صلاحیت بڑھی ہوئی ہے کہ ہر کسی کا افسوں ان پر اثر کرجاتا ہے۔ چنانچہ ہزاروں نیچر وغیرہ بن گئے اور بنتے جاتے ہیں اس لئے ردّ نصاری وغیرہ کو ذریعہ بنا کر ان کی طرف توجہ کی۔ چنانچہ کسی قدر کامیابی بھی حاصل کی اور جب روپیہ چندہ وغیرہ کا بخوبی آنے لگا تو ایک رسالہ بنام فتح اسلام لکھا۔ جس کے نام سے ظاہر ہے کہ اسلام کو تو انہوں نے فتح کرلیا۔ اس فتح سے بڑی غرض یہ تھی کہ روپیہ حاصل ہو۔ اس لئے اپنی رعایا پر اقسام کی ٹکسیں لگائیں۔ جیسا کہ اوپر معلوم ہوا۔ اور مال گزاری کا دستور العمل اسی میں شائع کیا جس کا ایک فقرہ یہ ہے: ''اسلام کے ذی مقدرت لوگوں آپ لوگوں کو پہنچا دیتا ہوں۔ اپنی ساری دل اور ساری توجہ اور ساری اخلاص سے مدد کرنی چاہیئے۔ جو شخص اپنی حیثیت کے موافق کچھ ماہواری چندہ دینا چاہتا ہے۔ وہ اس کو حق واجب اور دین لازم کی طرح سمجھ کر خود بخود ماہوار اپنی فکر سے ادا کرے۔ اور ادائی میں سہل انگاری کو روانہ رکھے۔ اور جو شخص ایک مشت دینا چاہتا ہے وہ اسی طرح امداد کرے۔ انتہی ملخصاً۔

اور اس رسالہ میں بڑی تاکید یہ کی گئی کہ کوئی اس کارروائی پر بدگمانی نہ کرے۔ اور اخبار البدر میں شائع کرادیا گیا جیسا کہ عقائد مرزا میں لکھا ہے کہ ان کے فعل پر اعتراض کرنا بھی کفر ہے۔ اب کس کی مجال کہ کوئی اعتراض یا بدگمانی کرسکے۔ مگر یہ احتمال تھا کہ یہ روپیہ جس قدر وصول ہوتا ہے مرزا صاحب کے تقدس اور رواداری کی وجہ سے ہے۔ آئندہ لوگ ہاتھ روک لیں گے اور مقتضائے بشریت بھی تھا کہ اپنی اولاد کی کچھ فکر کی جائے۔

اس لئے اس کا بندوبست یوں کیا گیا جو ازالۃ الاوہام (ص ۱۵۵) میں الہام تحریر فرماتے ہیں:

''خدائے تعالی ایک قطعی اور یقینی پیش گوئی میں میرے پر ظاہر کر رکھا ہے کہ میری ذات سے

ایک شخص پیدا ہوگا جس کوئی باتوں میں مسیح سے مشابہت ہوگی وہ آسمان سے اتریگا۔ انتہی۔ اور اسی میں فرماتے ہیں ''کہ حق تعالی نے فرمایا: خدا تیری مجد کو زیادہ کریگا۔ اور تیری ذریت کو بڑھائے گا۔ اور من بعد تیرے خاندان کا تجھ سے ہی ابتدا قرار دیا جائیگا۔ جو شخص کعبہ کی بنیاد کو ایک حکمت الٰہی کا مسئلہ سمجھتا ہے وہ بڑا عقلمند ہے۔ کیونکہ اس کو اسرار ملکوتی سے حصہ ہے۔ ایک اولوالعزم پیدا ہوگا۔ وہ حسن اور احسان میں تیرا نظیر ہوگا۔ وہ تیری نسل سے ہی ہوگا۔ فرزند دلبند گرامی وار جمند مظہر الحق والعلاء کان اللہ نزل من السماء۔ انتہی۔

اور دوسرے مقام ازالۃ الاوہام (ص ۴۱۸) میں لکھتے ہیں: اس مسیح کو بھی یاد رکھو جو اس عاجز کی ذریت میں ہے جس کا نام ابن مریم بھی رکھا گیا ہے۔ کیونکہ اس عاجز کو براہین میں مریم کے نام سے بھی پکارا ہے انتہی۔

اس سے ظاہر ہے کہ اگر مرزا صاحب کو لاکھ روپیہ ماہواری چندہ ملتا تھا تو ان کے فرزند دلبند کو دو لاکھ سے کم نہ ملنا چاہئے آخر باپ بیٹوں میں فرق ضرور ہے۔ مرزا صاحب کی شان میں تو کَاَنّ عیسی نزل من السماء تھا۔ صاحبزادہ کی شان میں کان اللہ نزل من السماء ہے۔ الغرض جب دیکھا کہ چند اشخاص بطور رعایا رقم مالگزاری داخل کرنے لگے اسی کا نام فتح اسلام رکھ کر یہ خیال جمایا کہ یہ سلطنت تو اپنے اور اپنی اولاد کے لئے قائم ہوگئی۔ اب ہنود کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ چنانچہ ان میں جا کر دعوی کیا کہ: میں کرشن جی ہوں۔ تعجب نہیں کہ اپنی پختہ تدابیر سے اس میں بھی کامیاب ہوجائیں۔ مگر بظاہر کسی قدر بعید معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ابلیس مسلمانوں کا دشمن ہے۔ ہنود کا نہیں۔ ہمیں اس کا کچھ خیال نہیں کہ مرزا صاحب کو اس قدر روپیہ کیوں ملتا ہے۔ اس لئے کہ آخر تدابیر کے نتائج حاصل ہوا ہی کرتے ہیں۔ اور حق تعالی کسی کی محنت ضائع نہیں کرتا۔ چنانچہ ارشاد ہے: ''وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ'' مگر کلام دوسرے حصہ میں ہے؛ جو دین سے متعلق ہے۔ کیونکہ قابل اہتمام غمخواری ہے تو یہی حصہ ہے جس کا اثر ابدالآباد رہنے والا ہے۔ اب ہم اہل انصاف کو توجہ دلاتے ہیں کہ مرزا صاحب جو الہامات خلیفۃ اللہ وغیرہ ہونے کے بیان کرتے ہیں؛ باوجود ایسے قوی قوی قرائن کے کیا اب بھی قابل تصدیق سمجھے جائیں۔ اور عقل

بے کار کر دی جائے۔ اگر صرف مجددیت یا محدثیت کا دعوی ہوتا تو بھی مضائقہ نہ تھا۔ جب انہوں نے نبوت ورسالت کا دعوی کیا ہے: تو اب اس حدیث شریف کو اہل اسلام مانیں جو بخاری اور مسلم وغیرہ سے ابھی نقل کی گئی کہ: مدعی رسالت دجالوں سے ایک دجال ہے۔ یا مرزا صاحب کے یہ تمام دعوے اس کے خلاف میں مانے جائیں۔ ہر مسلمان کو اپنا ایمان عزیز ہے خود ہی فیصلہ کرلے۔

مرزا صاحب نے دجال کے استدراج میں یہ کلام کیا کہ: اس سے تو اس کا کن فیکون کا رتبہ ثابت ہوتا ہے۔ اور سوچا کہ ایسا بڑا رتبہ اس کو دیا جائے اور خود محروم رہ جائیں تو ایک اعلی درجہ کا کمال فوت ہوئے جاتا ہے۔ تکمیل کے لئے کرشن جی بتکلف بننے کی ضرورت ہوئی۔ یہ مرتبہ تو مسلمانوں میں مسلم اور بنا بنایا ہے۔ اس لئے دعوی کیا کہ مرتبہ کن فیکون مجھ کو حاصل ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ازالۃ الاوہام (ص ۲۲۸) میں یہ کیوں فرماتے۔ اگر دمشقی حدیث کو جو مسلم شریف میں ہے اس کی ظاہری معنوں پر حمل کر کے اس کو صحیح اور فرمودہ خدا و رسول مان لیں تو ہمیں اس بات پر ایمان لانا ہوگا کہ فی الحقیقت دجال کو ایک قسم کی قوت خدائی دی جائیگی اور زمین وآسمان اس کا کہا مانیں گے اور خدائے تعالی کی طرح فقط اس کے ارادہ سے سب کچھ ہوتا جائیگا۔ غرض جیسا کہ خدائے تعالی کی یہ شان ہے کہ ''اِنَّمَا اَمْرُہٗ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ'' اسی طرح وہ بھی کن فیکون سے سب کچھ کر دکھائیگا۔ انتہی

حاصل یہ کہ حدیث مسلم شریف جس میں دجال کے استدراج سے اس کا پانی برسانا اور زمین سے سبزیاں اگانا وغیرہ امور مذکور ہیں غلط ہے اس لئے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ خالقیت میں خدا کا شریک ہوجائیگا۔ غور کیا جائے کہ مرزا صاحب کو جب یہ بات حاصل ہوگئی کہ بحسب الہام ''اِنَّمَا أَمْرُکَ اِذَا أَرَدْتَ شَیْئًا أَنْ تَقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنَ'' صرف لفظ کن کہہ کر سب کچھ پیدا کر سکتے ہیں تو بڑے دجال سے وہ چند امور جن کی تصریح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بحسب اطلاع باری تعالی کر دی ہے ظہور میں آئیں؛ تو کون سے کفر وشرک کی بات ہوگی۔ بخاری شریف میں یہ حدیث مذکور ہے: ''کہ تمام انبیاء دجال کے فتنہ سے ہمیشہ اپنی اپنی امت کو ڈراتے گئے۔ جس سے ظاہر ہے کہ اس کا فتنہ معمولی نہ ہوگا۔ اگر اس قسم کی باتیں اس سے ظہور میں نہ آئیں تو اس سے خوف ہی کیا۔ دنیا میں

بڑے بڑے فتنے ہوئے اور ہوتے جاتے ہیں؛ کسی سے انبیاء نے اپنی امتوں کو نہیں ڈرایا اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بیان کا اہتمام فرمایا۔ بخلاف فتنہ دجال کے۔ ہر نماز میں اس سے پناہ مانگنے کے لئے ارشاد فرمایا۔ الغرض بلحاظ فتنہ وآزمایش امور مذکورہ احادیث کا ظہور میں آنا مستبعد نہیں بخلاف اس کے مرزا صاحب جو یہ دعوی کرتے ہیں اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

عیسیٰ علیہ السلام کا معجزۂ احیا مرزا صاحب کے اقرار سے ثابت ہو گیا

بہر حال مرزا صاحب نے جس لحاظ سے حدیث مسلم شریف کا انکار کر دیا تھا اب ان کو ان الہام کے لحاظ سے بڑے دجال کی نسبت ان امور کا مان لینا ضروری ہوا کیونکہ جب وہ خود مدعی ہیں کہ کن سے سب کچھ کر دکھاتا ہوں تو بڑا دجال بحسب احادیث صحیحہ کچھ کر دکھائے تو کیا تعجب۔ اس تقریر سے وہ تمام تقریریں باطل ہو گئیں جو عیسی علیہ السلام کے پرندوں کو زندہ کرنے کے باب میں لکھی ہیں جن میں ایک یہ ہے جو ازالۃ الاوہام (ص ۲۹۷) میں لکھتے ہیں: ''وہ آیات جن میں ایسا لکھا ہے متشابہات میں سے ہیں اور ان کے یہ معنی کرنا کہ گویا خدائے تعالی نے اپنے ارادہ سے اور اذن سے حضرت عیسی کو صفات خالقیت میں شریک کر رکھا تھا' صریح الحاد اور سخت بے ایمانی ہے۔ کیونکہ خدائے تعالی اپنی صفات خاصہ الوہیت بھی دوسروں کو دے سکتا ہے تو اس سے اس کی خدائی باطل ہوتی ہے اور موحد صاحب کا یہ عذر کہ ہم ایسا اعتقاد تو نہیں رکھتے کہ اپنی ذاتی طاقت سے حضرت عیسی خالق طیور تھے بلکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ یہ طاقت خدائے تعالی نے اپنے اذن اور ارادہ سے ان کو دے رکھی تھی اور اپنی مرضی سے ان کو اپنی خالقیت کا حصہ دار بنا دیا تھا اور یہ اسکو اختیار ہے کہ جس کو چاہے اپنا مثیل بنا دے قادر مطلق ہے یہ سراسر مشرکانہ باتیں اور کفر سے بدتر ہے انتہی۔

م عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ مشرکانہ خیال ہے

دیکھئے حق تعالی نے اپنی خالقیت کے باب میں جو فرمایا ہے: ''اِنَّمَآ اَمۡرُهٗۤ اِذَآ اَرَادَ شَیۡـًٔا اَنۡ یَّقُوۡلَ لَهٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ'' وہی پورا کلام مرزا صاحب کے الہام میں ان کی شان میں کر دیا گیا کما قال: ''انما امرک اذا اردت شیئا ان تقول له کن فیکون'' یعنی خدا نے اس سے کہا

کہ تم جو پیدا کرنا چاہو صرف کن کہدو گے تو وہ پیدا ہوجائیگا۔ حالانکہ پیدا کرنا خاص صفت الٰہی ہے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: ''اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِیْم''

عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت تو کسی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اپنی صفت خالقیت ان کو دے کر حصہ دار بنا دیا تھا۔ بلکہ عقیدہ یہ ہے کہ احیائے موتیٰ کا معجزہ جو ان کو دیا گیا تھا کبھی کبھی بحسب ضرورت ظاہر کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ خدائے تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے: ''فَتَنْفُخُ فِیْھَا فَتَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِیْ وَ تُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ وَ اِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰی بِاِذْنِیْ'' مگر مرزا صاحب خالقیت کے حصہ دار اور اس کے مثیل بن بیٹھے ہیں اب تک صرف انبیاء کے مثیل کہلاتے تھے اب خدا کے مثیل ہونے کا دعویٰ ہے۔ حالانکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: ''لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْئٌ'' مرزا صاحب مضامین قرآن کو مشرکانہ خیال بتاتے ہیں اور اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتے کہ وہ خدائے تعالیٰ فرمارہا ہے۔ ابلیس نے اور کیا کیا تھا اس نے بھی تو یہی کیا تھا کہ غیر اللہ کے سجدہ کو مشرکانہ خیال سمجھا تھا جس کی وجہ سے ملعون ابدی بنا۔ افسوس ہے کہ مرزا صاحب اوروں کو فرماتے ہیں ابلیس کی طرح ٹھوکر نہ کھائیں اور خود اس کے ہم خیال ہیں۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ آیات قرآنیہ پر ایمان لانے کو الحاد اور سخت بے ایمانی اور مشرکانہ خیال اور کفر سے بدتر کہہ دیا اور آپ نعوذ باللہ خدا کے شریک بن رہے ہیں۔ اس سے بڑھ کر الحاد اور سخت بے ایمانی اور کفر سے بدتر اور کیا ہوگا۔ مجوس صرف دو خالق مانتے تھے مرزا صاحب تو دوسرے خالق ہی بن گئے نعوذ باللہ من ذلک۔

کسی نے مجددیت کا دعویٰ نہیں کیا اس لئے میں ہی مجدد ہوں

اہل اسلام غور فرمائیں کہ کیا کوئی مسلمان ایسا دعویٰ کرسکتا ہے جو مرزا صاحب نے کیا ہے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ سید المرسلین اور افضل الخلائق ہیں کبھی اس قسم کا دعویٰ نہیں کیا۔ بلکہ ہمیشہ ''اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ'' فرماتے رہے۔ اس کے بعد مرزا صاحب کا یہ الہام کیونکر قابل تسلیم ہوسکتا ہے۔ مرزا صاحب ایک نظیر تو پیش کریں کہ کس نے نبوت کے دعوے کے ساتھ کن فیکون کا بھی دعویٰ کیا ہے۔ مگر مشکل تو یہ ہے کہ کسی کا دعویٰ نہ کرنا ہی ان کے لئے دلیل

ہوجاتا ہے۔ چنانچہ اپنی مجددیت کو اسی طریقے سے انہوں نے ثابت کیا۔ ازالۃ الاوہام (ص ۱۵۴) میں فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ ہر ایک صدی پر مجدد کا آنا ضروری ہے۔ اب ہمارے علماء جو بظاہر اتباع حدیث کا دم بھرتے ہیں انصاف سے بتلادیں کے کس نے اس صدی کے سر پر خدائے تعالی سے الہام پا کر مجدد ہونے کا دعوی کیا ہے۔ یوں تو ہمیشہ دین کی تجدید ہورہی ہے مگر حدیث کا تو یہ منشا ہے کہ وہ مجدد خدائے تعالی کی طرف سے آئیگا یعنی علوم لدنیہ وآیات سماویہ کے ساتھ اب بتلادیں کہ اگر یہ عاجز حق پر نہیں ہے تو پھر وہ کون آیا جس نے اس چودہویں صدی کے سر پر مجدد ہونے کا ایسا دعوی کیا جیسا کہ اس عاجز نے کیا۔ انتہی

اگر شیطان کسی کے سامنے ہوکر دعوی کرے کہ میں تیرا خدا ہوں مجھے سجدہ کر اور اس کی دلیل یہ بیان کرے کہ سوائے میرے کسی نے خدائی کا دعوی نہیں کیا تو کیا اس کی یہ دلیل قابل تسلیم ہوسکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ مگر مرزا صاحب کی تقریر سے ظاہر ہے کہ ان کو اس قسم کی دلیلوں پر وثوق ہے یہی وجہ ہے کہ جب شیطان ان کو اپنے چہرہ سے کسی قدر پردہ اتار کر ٹھٹے سے کہہ دیتا ہے کہ میں خدا ہوں اور کوئی دلیل بھی ایسی ہی بتا دیتا ہے تو ان کو یقین آجاتا ہے۔

ابوداؤد کی حدیث سے ان کا استدلال

ح ہر صدی پر مجدد ہوتا ہے

انہوں نے حدیث میں تحریف وزیادتی کی

حدیث موصوف سوائے ابوداؤد کے صحاح ستہ میں سے کسی کتاب میں نہیں اور بقول مرزا صاحب یہ حدیث کسی کو نہ ملی یا موضوع یا ضعیف سمجھ کر بخاری یا مسلم وغیرہ نے اس کو ترک کردیا جب مسلم کی دمشق والی حدیث بخاری میں نہ ہونے کی وجہ سے بقول مرزا صاحب قابل اعتبار نہ ہوئی اس کو تو مسلمؒ نے بھی قبول نہیں کیا۔ بطریق اولی قابل اعتبار نہ ہوگی۔ پھر ایسی حدیث استدلال میں کیوں پیش کی جاتی ہے۔ مرزا صاحب نے نہ اس حدیث کو نقل کیا نہ یہ لکھا کہ وہ کون سی کتاب میں

ہے بلکہ صرف یہی لکھا کہ مجدد کا آنا ضرور ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ اگر وہ لکھتے تو ان کے استدلال کی قلعی کھل جاتی۔ کیونکہ ان کا دعوی ہے کہ ہر صدی پر ایک مجدد خدا کی طرف سے الہام پا کر مجدد ہونے کا دعوی کرتا ہے اور اس کے ساتھ علوم لدنیہ اور آیات سماویہ بھی ہوا کرتی ہیں حالانکہ حدیث میں کوئی ایسی بات مذکور نہیں۔ دیکھئے حدیث شریف یہ ہے۔ ”**عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یبعث لھذہ الأمۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا**“ یعنی اللہ تعالی اس امت میں ہر صدی کے سرے پر ایک ایسا شخص پیدا کریگا جو اس کے دین کی تجدید کرے۔ وفیات الاسلاف میں حدیث موصوف کو نقل کر کے ہر زمانہ میں جن علماء اور موید ین دین پر مجددیت کا گمان تھا ان کے ناموں کی فہرست لکھی اور یہ ثابت کیا کہ ہر صدی کا مجدد یقینی طور پر معین نہیں کر سکتے۔ اسی وجہ سے بعض علما نے لکھا ہے کہ: مجدد ہر صدی کا ایک ہونا ضرور نہیں کیونکہ حدیث شریف میں لفظ **من یجدد** وارد ہے۔ اور لفظ **من** کا استعمال کثیر میں اکثر ہوا کرتا ہے۔ ہر چند نام اکابر علماء کے لکھے ہیں۔ مگر یہ کسی نے نہیں لکھا کہ ان میں سے کسی نے یہ دعوی بھی کیا تھا کہ میں علوم لدنیہ خدا کے پاس سے لے کر آ رہا ہوں اور مجھے خواہ مخواہ مجدد کہو (اور ادھر ہزارہا علماء کا ہجوم اور اصرار کہ نہ تو مجدد ہے نہ محدث اور طرفین سے رسالہ بازیوں کی لے دے ہو رہی ہے) بلکہ ان حضرات کی حالت یہ تھی کہ تائید دین متین کو مقصود بالذات سمجھ کر ہمیشہ اسی میں مصروف رہا کرتے تھے۔ اور ایسی تعلیوں کو کراہت کی نظر سے دیکھتے پھر ان کی کمال حقانیت اور خلوص کا وہ اثر دلوں پر پڑتا تھا کہ خود کہہ اٹھتے تھے کہ بیشک یہ مجدد ہیں۔ مرزا صاحب نے لوازم وشروط مجدد کے جو بیان کئے ہیں اگر راست ہیں تو وہ ضرور ہے کہ ہر صدی کے مجدد کا نام اور اس کے دعوے پیش کریں اور یاد رہے کہ یہ ممکن نہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ حدیث وقرآن کا مضمون جیسا جی چاہتا ہے بنا لیتے ہیں اس وجہ سے نہ وہ مجدد ہو سکتے ہیں نہ محدث وغیرہ جو اعلی مدارج ہیں۔

تجدید کے معنی یہ ہے کہ جو دین کی قدیم باتیں پرانی ہوگئی ہوں تو ان کو از سر نو رواج دے۔ مگر مرزا صاحب جو بات نکالتے ہیں وہ تو ایسی ہوتی ہے کہ مسلمان کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں ہوتی۔ تھوڑی باتیں تو اس کتاب کی فہرست سے بھی معلوم ہو سکتی ہیں ایسے لوگوں کی نسبت یہ ارشاد ہے:



نئی باتیں نکالنے والوں سے بچنے کی ضرورت

”عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ قال:قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: سیکون فی آخر الزمان ناس من امتی یحدثونکم بما لا تستمعوا بہ انتم ولا آباؤکم فایاکم وایاھم-رواہ مسلم“ یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آخری زمانہ میں میری امت کے بعض لوگ ایسی نئی بات کہیں گے کہ نہ تم نے سنیں۔ (اور) نہ تمہارے آباؤاجداد نے۔ ان لوگوں سے بہت دور رہو۔انتہی مسلمانوں! کیا یہ اس کے بعد بھی اب ان کی باتیں دل لگا کر سنو گے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کرو گے یہ تو حضرت نے تمہاری ہی خیر خواہی کے لئے فرمایا ہے۔

کلام اس میں تھا کہ کسی نے مجددیت کا دعوی نہیں کیا اس لئے مرزا صاحب مجدد ہیں اسی طرح عیسویت کا بھی دعوی ہے۔

م دلیل تیرہ سو برس میں کسی مسلمان نے دعوئ عیسویت نہیں کیا اس لئے میں مسیح ہوں

چنانچہ ازالۃ الاوہام (ص ۶۸۳) میں لکھتے ہیں ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس وقت جو ظہور مسیح موعود کا وقت ہے کسی نے بجز اس عاجز کے دعوی نہیں کیا کہ میں مسیح موعود ہوں بلکہ اس تیرہ سو برس میں کبھی کسی مسلمان کی طرف سے ایسا دعوی نہیں ہوا کہ میں مسیح موعود ہوں۔انتہی غرض مسیح موعود کا نہ آنا ہی آپ کے مسیح ہونے پر دلیل ہے۔

م اگر میں مسیح نہیں تو دعا کر کے مسیح کو اتارو

اور ایک دلیل مسیحیت پر یہ ہے جو ازالۃ الاوہام ص ۱۵۵ میں لکھتے ہیں: ”اگر یہ عاجز مسیح موعود ہونیکے دعوے میں غلطی پر ہے تو آپ لوگ کوشش کریں کہ مسیح موعود جو آپ کے خیال میں ہے انہیں دنوں میں آسمان سے اتر آئے کیونکہ میں تو اس وقت موجود ہوں مگر جس کے انتظار میں آپ لوگ ہیں وہ موجود نہیں اور میرے دعوے کا ٹوٹنا صرف اسی صورت میں متصور ہے کہ اب وہ آسمان سے اتر آئے تاکہ میں ملزم ٹھہر سکوں۔آپ لوگ اگر سچ پر ہیں تو سب مل کر دعا کریں کہ مسیح ابن مریم جلد آسمان سے اترتے دکھائی دے اگر آپ حق پر ہیں تو یہ دعا قبول ہوجائیگی۔کیونکہ اہل حق کی دعا

مبطلین کے مقابلہ میں قبول ہوجایا کرتی ہے لیکن آپ یقین سمجھیں کہ یہ دعا ہرگز قبول نہیں ہوگی کیونکہ آپ غلطی پر ہیں۔ انتہی

مرزا صاحب کفار کی تقلید کرتے ہیں

مرزا صاحب ہم لوگوں کو نہایت تنگ کرتے ہیں بھلا اس آخری زمانہ میں ایسے مستجاب الدعوات لوگ جن کی دعا فوراً قبول ہوجائے کہاں ظاہر ہوتے ہیں وہ تو بحسب آیت شریفہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ (المائدۃ:۱۰۵) اپنی فکر میں لگے رہتے ہیں ان کو بحسب اقتضائے زمانہ کسی کے گمراہ کرنے اور ہونے کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی۔ وہ فیصل شدہ امور میں خلاف مرضی الٰہی دعا کرنے کو بھی حرام سمجھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ قیامت کا ایک وقت مقرر ہے اور اس کے آثار و علامات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سعادت سے شروع ہوگئے ہیں وقتاً فوقتاً اپنے اپنے وقت پر ظہور کرتے جاتے ہیں ان کا ایمان ایسا مستحکم ہے کہ کسی علامت کی تاخیر سے متزلزل نہیں ہوتا۔ ان کو یقین ہے کہ وقت مقررہ پر اس کا ظہور ضرور ہوگا تعجیل کو وہ کافروں کی خصلت سمجھتے ہیں کیونکہ کفار کی عادت تھی کہ انبیاء کو یہ کہہ کر تنگ کرتے تھے کہ عذاب کا جو تم وعدہ دیتے ہو اگر سچے ہو تو دعا کر کے اتارو۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہی درخواست ان کی رہا کرتی تھی۔

کما قال تعالی: وَیَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَلَوْلَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ یعنی کفار عذاب کی جلدی کرتے ہیں کہ اگر سچے ہو دعا کر کے اتارو۔ اگر اس کا وقت مقرر نہ ہوتا تو عذاب ان پر آجاتا۔ اور حق تعالیٰ فرماتا ہے: وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لَّكُمْ مِّیْعَادُ یَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۰﴾ (سبا) ترجمہ! وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ کہ قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا۔ کہو تمہارے ساتھ جس دن کا وعدہ ہے تم نہ اس سے ایک گھڑی پیچھے رہ سکو گے نہ آگے بڑھ سکو گے۔ دیکھئے ہم نے جو کہا تھا کہ مرزا صاحب مدعیان نبوت وغیرہ اہل باطل کے خیالات اختراعیہ سے مدد لیا

کرتے ہیں اس کی تصدیق یہاں ہوگئی کہ کفار کے خیالات سے ان کا تائید لینا ظاہر ہوگیا۔ کیونکہ جس طرح کفار ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عاجز کرنے کی غرض سے عذاب کی جلدی کیا کرتے تھے اگر وہ آنے والا ہے تو اتار لاؤ اسی طرح مرزا صاحب ہم کو عاجز کررہے ہیں کہ: اگر مسیح اترنے والے ہیں تو جلد اتار لاؤ۔ چونکہ ان کو اس تقلید کی عادت ہوگئی ہے اس لئے اس کا خیال بھی ان کو نہ آیا کہ اگر میں یہ دلیل پیش کروں گا تو قرآن پڑھنے والے کیا کہیں گے۔ مرزا صاحب جو فرماتے ہیں: ''میں تو موجود ہوں اگر عیسی اس وقت نہ اتریں تو میرا دعوی ٹوٹ نہیں سکتا'' غور کا مقام ہے کہ اگر کوئی ملحد خدائی کا دعوی کرکے یہی دلیل پیش کرے کہ اگر میں خدا نہیں تو دعا کرکے خدا کو اتار لاؤ تو اس کا بھی جواب ایسا ہی مشکل ہوگا جیسا مرزا صاحب کا جواب دینا مشکل ہورہا ہے۔ کیونکہ ہم میں ایسی طاقت کہاں کہ خدا کو یا مسیح علیہ السلام کو اتار سکیں۔ پھر کیا اس عجز سے اس ملحد کا دعوی ثابت ہوجائیگا۔ مرزا صاحب کو یہ طریقہ کفار وملاحدہ کا اختیار کرنا زیبا نہ تھا۔

ابو منصور کسف کا دعویٔ نبوت

ابن حزمؒ نے کتاب الملل والنحل میں لکھا ہے کہ ابو منصور کسف نے نبوت کا دعوی کیا تھا اور اس کے ساتھ یہ بھی دعوی تھا کہ میں کسف ہوں جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے۔

حق تعالی فرماتا ہے: وَاِنۡ يَّرَوۡا كِسۡفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوۡلُوۡا سَحَابٌ مَّرۡكُوۡمٌ ﴿۴۴﴾ ترجمہ! اگر وہ آسمان کا ٹکڑا گرتا ہوا دیکھیں تو کہیں کہ وہ ابر جما ہوا ہے۔

اس نے استعارہ وغیرہ سے کسف یعنے آسمان کا ٹکڑا ہونے میں اپنے لئے فضیلت خاصہ ثابت کررکھی تھی اور بہت سے لوگ اس کے بھی پیرو ہوگئے تھے۔

غرض کہ اس کا یہ دعوی تھا کہ اگر میں کسف نہیں ہوں اور میرے مخالف اگر سچے ہیں تو دعا کرکے کوئی آسمان کا ٹکڑا اتار لیں اور یاد رہے کہ وہ ہرگز نہیں اتار سکتے اس لئے کہ وہ غلطی پر ہیں۔ ہر چند مسخرہ پن سے زیادہ اس دلیل کی وقعت نہیں مگر اس نے اپنے زعم میں اس کو دلیل بنا رکھا تھا اور اس کے اتباع اس کی تحسین بھی کرتے ہوں گے۔

مرزا صاحب نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان سے اتارنے پر فیصلہ جو ٹھہرایا ہے وہ مخلوق کے اختیار سے باہر ہے۔ اس سے مقصود ان کا ظاہر ہے کہ وہ فیصلہ کرنا نہیں چاہتے ورنہ ایک ایسا آسان طریقہ فیصلہ کا قرار دیا گیا تھا کہ وہ طرفین کے اختیار میں تھا یعنے مباہلہ جس کے لئے میاں عبدالحق صاحب مستعد ہو گئے تھے اور مرزا صاحب گریز کر گئے۔

م دلیل الف ششم میں میں آیا ہوں

حدیثوں سے ثابت ہے کہ بنی آدم کی عمر سات ہزار برس کی ہے

اور ایک دلیل اپنی عیسویت پر یہ پیش کرتے ہیں جو ازالۃ الاوہام ص ۶۹۳ میں ہے۔ از انجملہ ایک یہ ہے کہ ضرور تھا کہ آنے والا ابن مریم الف ششم کے آخر میں پیدا ہوتا۔ اور (ص ۶۹۶) میں اس عاجز کو خدائے تعالیٰ نے آدم مقرر کر کے بھیجا اس کا یہ نشان رکھا کہ الف ششم میں جو قائم مقام روز ششم ہے یعنی آخری حصہ الف میں جو وقت عصر سے مشابہ ہے اس عاجز کو پیدا کیا۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے ''اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ'' اور آدم کی طرز پر الف ششم کے آخر میں ظہور کرتا سو آدم اول کی پیدائش سے الف ششم میں ظاہر ہونے والا یہی عاجز ہے۔ بہت سے حدیثوں سے ثابت ہو گیا ہے کہ بنی آدم کی عمر سات ہزار برس ہے اور آخری آدم پہلے آدم کی طرز ظہور پر الف ششم کے آخر میں جو روز ششم کے حکم میں ہے پیدا ہونے والا ہے سو وہ یہی ہے جو پیدا ہو گیا۔ انتہی

ازالۃ الاوہام کے دیکھنے سے یہ بات ظاہر ہے کہ اگر مرزا صاحب کو کوئی حدیث ایسی مل جاتی ہے جس کو وہ مفید سمجھتے ہیں تو نہایت جلی حرفوں میں نمایاں لکھتے ہیں۔ مگر یہاں صرف یہ لکھ دیا کہ بہت سی حدیثوں سے ثابت ہو گیا ہے کہ بنی آدم کی عمر سات ہزار برس کی ہے اور ایک حدیث بھی نقل نہیں کی کہ یہ ترک عادت خالی از حکمت عملی نہیں۔ مرزا صاحب تو بخاری اور مسلم کی حدیثوں میں بھی تعارض پیدا کر کے ساقط الاعتبار کر دیتے ہیں مگر ہم توسیع کرتے ہیں کہ بخاری کی بھی خصوصیت نہیں صحاح ستہ سے کسی کتاب کی حدیث اس مضمون کی پیش فرما دیں۔



دیلمی کی حدیث ضعیف سے ان کا استدلال وتعارض

مگر یاد رہے کہ وہ ہرگز پیش نہیں کر سکتے پھر یہ کہہ دینا کہ بہت سے حدیثوں سے ثابت ہوگیا ہے کس قدر جرأت کی بات ہے یہ مرزا صاحب کی ہمت ہے واضح رہے کہ جو حدیثیں اس باب میں وارد ہیں اکثر فردوس دیلمی کی ہیں جسکی نسبت امام سیوطیؒ نے جمع الجوامع کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ جو روایت فقط دیلمی نے فردوس میں کی ہے ضعیف سمجھی جائے۔ اس کے سوا ان احادیث میں تعارض اس قدر ہے کہ کوئی بات ثابت نہیں ہوسکتی احادیث یہ ہیں:

"عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلَقَ اللّٰهُ الدُّنْيَا عَلَى سَبْعَةِ آمَادٍ' وَالْاَمَدُ الدَّهْرُ الطَّوِيْلُ الَّذِى لَا يُحْصِيْهِ اِلَّا اللّٰهُ' فَمَضٰى مِنَ الدُّنْيَا قَبْلَ خَلْقِ آدَمَ سِتَّةَ آمَادٍ وَمُنْذُ خَلْقِ اللّٰهِ آدَمَ اِلٰى أَنْ تَقُوْمَ السَّاعَةُ أَنْتُمْ فِي أَمَدٍ وَاحِدٍ" (الدیلمی) یعنی دنیا کو اللہ تعالی نے سات امد پر پیدا کیا اور امد ایک طویل زمانہ کا نام ہے جس کا شمار سوائے خدائے تعالی کے کوئی نہیں کرسکتا ان میں سے آدم علیہ السلام کے پہلے چھ امد گذر چکے اور آدم علیہ السلام جب سے پیدا ہوئے قیامت تک تم لوگ ایک ہی امد میں ہو۔

"عن حذیفة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الدنيا مسيرة خمسمائة ستة" (الدیلمی) یعنی دنیا پانچ سو (۵۰۰) برس کی مسافت ہے۔ "عن انس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الدنیا کلھا سبعة ایام من ایام الآخرة" (الدیلمی) یعنی پوری دنیا آخرت کے سات دن ہیں۔

"عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: الدنیا جمعة من جمع الآخرة سبعة آلاف سنة فقد مضی ستة آلاف سنة ومئو استة ولیأتین علیھا مئو اسنة لیس علیھا موحد" (ابن جریر) یعنی ابن عباسؓ فرماتے ہیں: "کہ دنیا آخرت کے ہفتوں سے ایک ہفتہ ہے جس کے سات ہزار برس ہیں، ان میں چھ ہزار اور کئی سو برس گذر گئے اور کئی سو برس ایسے آئیں گے کہ کوئی خدائے تعالی کی توحید کرنے والا روئے زمین پر نہ رہیگا۔ انتہی



مرزا صاحب کے استدلال میں تین چیزیں مقصود بالذات ہیں:

(1) آدم علیہ السلام دنیا کے الف ششم کے آخر میں پیدا ہوئے۔

(2) عمر بنی آدم کی سات ہزار سال ہے۔

(3) الف ششم کے آخر میں خود پیدا ہوئے۔

اب ان احادیث کو ان دعاوی پر منطبق کیجئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث سے ظاہر ہے کہ آدم علیہ السلام ساتویں امد میں پیدا ہوئے۔ اس لئے دعوی اول کا بطلان ہو گیا۔ پھر امد کے معنی ہزار برس نہیں بلکہ ایک ایسی مدت طویلہ کا نام ہے جس کو سوائے خدائے تعالی کے کوئی شمار نہیں کرسکتا۔ اس حدیث سے تینوں دعووں کا ابطال ہو گیا۔ کیونکہ ہزار یہاں کسی شمار وقطار میں نہیں۔ اور حذیفہؓ کی حدیث سے بھی امور مذکورہ کا ابطال ہورہا ہے اس لئے کہ اگر کل دنیا کی عمر ہماری اصطلاحی پانچ سو (۵۰۰) برس لئے جائیں تو خلاف بداہت اور خلاف مقصود ہے اور اگر پانچ سو برس آخرت کے لئے جائیں جو آیت شریفہ "اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ" میں مذکور ہے تو اٹھارہ کروڑ سال ہوتے ہیں۔ پھر اگر بنی آدم کی عمر اس کا ساتواں حصہ لی جائے جیسا کہ حدیث علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے معلوم ہوتا ہے تو ڈھائی کروڑ سال سے زیادہ ہوئی اور اس حساب سے آدم علیہ السلام کی تخلیق ابتدائے عالم سے پندرہ کروڑ سال کے بعد ہوئی اور مرزا صاحب آدم علیہ السلام کے بعد الف ششم پیدا ہوئے۔ دیکھئے کہاں پندرہ کروڑ اور کہاں چھ ہزار۔ اور اگر انسؓ کی حدیث دیکھی جائے تو بنی آدم کی عمر ایک ہی ہزار برس کی ہوتی ہے۔ حالانکہ اب تک چھ ہزار برس گذر گئے۔ اور اگر ابن عباسؓ کی حدیث دیکھی جائے تو حضرت کے وقت سے قیامت تک ہزار سال ہونا چاہئے۔ حالانکہ اس وقت تک تیرہ سو (۱۳۰۰) سال گذر چکے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر افتراء

غرض کہ کسی ضعیف حدیث سے بھی کوئی دعوی مرزا صاحب کا ثابت نہیں ہوسکتا اس پر یہ فرماتے ہیں کہ "بہت سے حدیثوں سے ثابت ہے"۔ اگر مرزا صاحب یہ کہتے ہیں بہت سے حکماء یا

پادریوں کے قول سے ثابت ہے تو چنداں مضائقہ نہ تھا۔ غضب کی بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نہیں فرمایا؛ وہ بطور افتراء کہتے ہیں: کہ بہت سی حدیثوں سے ثابت ہے۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمادیا: ''من کذب علیّ متعمداً فلیتبو أمقعدہ من النار۔ رواہ البخاری'' یعنی جو شخص جھوٹ کہدے کہ میں نے یہ کہا ہے تو اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اب مرزا صاحب جب تک صحیح روایت سے حضرت کا فرمانا ثابت نہ کردیں اس وعید سے نکل نہیں سکتے۔

اور ایک دلیل یہ ہے جو ازالۃ الاوہام (ص ۶۹۳) میں لکھتے ہیں ظلمت عامہ اور تامہ کے عام طور پر پھیلنے کی وجہ سے اور حقیقت انسانیہ پر ایک فنا طاری ہونے کے باعث سے وہ روحانی طور پر ابوالبشر یعنی آدم کی صورت پر پیدا ہونے والا ہے الخ۔

م دلیل حقیقت انسانیہ پر فنا طاری ہوگئی ہے اس لئے میں آیا ہوں

ماحصل یہ ہے کہ اس وقت پوری پوری ظلمت ہر ملک میں پھیل گئی ہے اور انسانی حقیقت پر فنا طاری ہوگئی ہے اس وجہ سے روحانی طور پر ابوالبشر یعنی خود پیدا ہوئے۔ یہ تو محسوس نہیں ہے کہ آفتاب کا نکلنا موقوف ہوگیا ہے اس وجہ سے ظلمت ہوگئی ہے اور تمام دنیا کے آدمی مر گئے یہاں تک کہ حقیقت انسانیہ پر فنا طاری ہوگئی اس لئے ضرور ہے کہ مرزا صاحب کی مراد ظلمت اور فنا سے کچھ اور ہوگی۔ ضرور تھا کہ اس کی تصریح فرمادیتے اور یہ بھی لکھ دیتے کہ کون سی تاریخ سے ان امور کا ظہور ہوا۔ یوں تو ۱۳۰۰ھ ہجری اس کی تاریخ فرمادیں گے جس کا مادہ خود ہی نے غلام احمد قادیانی بتایا ہے مگر یہ کہہ دینا کافی نہیں ہوسکتا جب تک یہ بات بدلائل ثابت نہ ہو کہ اس تاریخ سے کوئی ایسا انقلاب اسلام میں پیدا ہوگیا ہے جو اس کے پہلے نہ تھا۔ اگر یہ فرمادیں کہ اپنی عیسویت کو نہ ماننا ہی دلیل ہے تو خصم اس کا یہ جواب دے سکتا ہے کہ یہی تو بقائے حقیقت انسانیہ کی دلیل ہے کہ اس قدر احساس انسانی ان میں اب تک باقی ہے کہ جس طرح مدعیان نبوت کو ان کے اسلاف نے نہیں مانا تھا انہوں نے بھی نہیں مانا۔ اور اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ط (الاعراف:۱۷۹) کے مصداق نہ بنے غرض کہ ظلمت عامہ کے پھیلنے اور حقیقت انسانیہ کے فنا ہونے کا سنہ مذکور تو نہیں ہوسکتا۔ شاید

انقلاب کے لحاظ سے ۱۲۷۴ھ ہجری قرار دیا ہوگا چنانچہ ازالۃ الاوہام (ص ۷۲۲) میں لکھتے ہیں آیت وَاِنَّا عَلٰی ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ (المؤمنون) میں ۱۸۵۷ء عیسوی کی طرف اشارہ ہے جس میں ہندوستان میں ایک مفسدہ عظیم ہوکر آثار باقیہ اسلامی سلطنت کے ملک ہند سے ناپدید ہوگئے تھے کیونکہ اس آیت کے اعداد بحساب جمل (۱۲۷۴) ہیں۔ درحقیقت ضعف اسلام کا زمانہ ابتدائی یہی ہے جس کی نسبت خدائے تعالیٰ آیت موصوفہ بالا میں فرماتا ہے: ''جب وہ زمانہ آئیگا تو قرآن زمین پر سے اٹھایا جائیگا۔ سو ایسا ہی ۱۸۵۷ء عیسوی میں مسلمانوں کی حالت ہوگئی کہ بجز بدچلنی اور فسق و فجور کی اسلام کے رئیسوں کو اور کچھ یاد نہ تھا جس کا اثر عوام پر بھی بہت پڑ گیا انہیں ایام میں انہوں نے ناجائز طریقہ سے سرکار انگریزی سے باوجود نمک خوار اور رعیت ہونے کے مقابلہ کیا جو سخت حرام اور معصیت کبیرہ اور ایک نہایت مکروہ بدکاری ہے۔

مولویوں نے حرامیوں کی طرح بچے اور بچوں کو قتل کرایا

اس وقت کے مولوی کیسے تھے اور کیسے ان کے فتوے تھے جس میں نہ رحم تھا نہ عقل۔ ان لوگوں نے قزاقوں اور حرامیوں کی طرح اپنی محسن گورنمنٹ پر حملہ کیا بچوں اور بے گناہ عورتوں کو قتل کیا اور نہایت بے رحمی سے انہیں پانی تک نہ دیا۔ پس اس حکیم اور علیم کا قرآن کریم میں یہ بیان فرمانا کہ ۱۸۵۷ء میں میرا کلام اٹھایا جائیگا یہی معنی رکھتا ہے کہ مسلمان اس پر عمل نہیں کریں گے۔ باوجود اس کے یہ مولوی اس بات کی شیخی مارتے ہیں کہ ہم بڑے متقی ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ نفاق سے زندگی بسر کرنا انہوں نے کہاں سے سیکھ لیا ہے۔ انتہی

۱۸۵۷ء میں قرآن اٹھالیا گیا

مختصراً ماحصل اس کا یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء عیسوی میں قرآن شریف اٹھالیا گیا اس وجہ سے کہ آثار اسلامی سلطنت ہند سے ناپدید ہوگئے اور ظلمت عامہ اور تامہ پھیل گئی معلوم نہیں ان ایام سے ظلمت اور اندھیر پھیلنے کا کیا سبب ہوا اگر غدر کی وجہ سے تھا تو اس کے بعد تو امن و آسائش کا زمانہ آگیا۔

م گورنمنٹ کے احسان کہ یہ آرام کسی اسلامی سلطنت میں ہم کو نہیں مل سکتا

چنانچہ خود ازالۃ الاوہام (ص ۵۰۹) میں تحریر فرماتے ہیں: اور سلطنت برطانیہ کے ہمارے سر پر بہت احسان ہیں اور سخت نادان اور سخت نالائق وہ مسلمان ہے جو اس گورنمنٹ سے کینہ رکھے ہم نے جو اس گورنمنٹ کے زیر سایہ آرام پایا اور پا رہے ہیں وہ آرام ہم کسی اسلامی گورنمنٹ میں نہیں پا سکتے ہرگز نہیں پا سکتے۔ انتہی

مرزا صاحب گورنمنٹ کو بدنام کرتے ہیں

باوجود اس کے ایسے زمانہ کو اندھیر کا زمانہ قرار دینا مرزا صاحب کی شان کے خلاف ہوگا۔ اور اگر عذر کے سوا اور کوئی سبب ظلمت اور اندھیر کا ہے تو ضرور تھا کہ گورنمنٹ سے اس ظلمت اور اندھیر کے اٹھانے کی درخواست کرتے بغیر چارہ جوئی کے یہ شکایت نازیبا ہے۔ پھر فقط ظلمت اور اندھیر پر ہی کفایت نہیں فرماتے بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں انسانی حقیقت فنا ہوگئی یعنی کسی میں آدمیت ہی نہ رہی یہ دوسرا الزام ہے گورنمنٹ تو لاکھوں کا روپیہ بمقتضائے انسانیت تعلیم میں صرف کرے اور مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ: انسانیت کی حقیقت فنا ہوگئی۔ یعنی کسی ایک آدمی میں آدمیت نہ رہی۔ اگر یوں فرماتے کہ: کسی مسلمان میں آدمیت نہ رہی تو دوسری گالیوں میں اس کا بھی شمار کر لیا جاتا۔ وہ تو عام طور پر کہہ رہے ہیں کہ کسی آدمی میں آدمیت نہ رہی اور ظلمت اور اندھیر بالکل پھیل گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ

گورنمنٹ کی تعریف منافقانہ کرتے ہیں

گورنمنٹ کی تعریف وہ منافقانہ طور پر کرتے ہیں۔ اور ازالۃ الاوہام (ص ۱۴۶) میں لکھتے ہیں: ہمارے نزدیک ممکن ہے کہ دجال سے مراد بااقبال قومیں ہوں اور گدھا ان کا یہی ریل ہو جو مشرق سے مغرب کے ملکوں میں ہزارہا کوسوں تک چلتی دیکھتے ہوں۔ انتہی



م دجال سے مراد با اقبال قومیں ہیں اور گدھا ریل ہے

اب انہی سے پوچھا جائے کہ دجال کو کیا آپ ایماندار عیسائی سمجھتے ہیں یا یہودی بے ایمان۔ پھر با اقبال قوم کو جو دجال قرار دیا جس کی ریل مشرق سے مغرب کے ملکوں میں چلتی ہے اس قوم سے کون سی قوم مراد لی۔ اگر دل میں گورنمنٹ کی توہین کا خیال نہ تھا تو در پردہ با اقبال قومیں کہنے کی کیا ضرورت تھی صاف کہہ دیتے کہ دجال سے مراد روس ہے۔ جس کی ریل مشرق سے مغرب کو جاتی ہے۔ یہی تو منافقی ہے۔

حیرت ہے کہ اپنے آپ پر قیاس کر کے مسلمانوں کو منافق بنا رہے ہیں اور یہ جو فرماتے ہیں کہ عورتوں اور بچوں کو نہایت بے رحمی سے قتل کیا۔ اس واسطے حق تعالیٰ نے ۱۸۵۷ء میں قرآن کو اٹھالیا فی الواقع یہ بڑا ہی ظلم ہوا۔ مگر یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ اس کے پہلے ۶۰ھ میں ایک سخت ظلم وستم کا واقعہ اسلام میں بھی گذر چکا ہے جس کو تمام مسلمان جانتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے واقعہ میں کس قدر بے رحمیاں کی گئیں اور خاندان نبوت پر کیسا ظلم ہوا کہ جسکے سننے سے آدمی روتے روتے بے تاب ہوجاتا ہے۔ چنانچہ خود مرزا صاحب بھی ازالۃ الاوہام (ص ۷۰) میں اس واقعہ کے باوقعت اور باعظمت اور دردناک ہونے کے قائل ہیں۔ اب اگر ظلم شدید کی وجہ سے قرآن کا اٹھایا جانا مسلم ہو تو یہ ماننا پڑیگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت اور خاندان پر ایسا ظلم شدید ہونے کے وقت ۶۰ھ ہی میں قرآن شریف اٹھا لیا گیا۔ پھر ۱۸۵۷ء میں رہا ہی کیا تھا جو اٹھایا جاتا جو فرماتے ہیں کہ: وَاِنَّا عَلٰی ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ (المؤمنون) میں حق تعالیٰ نے بیان فرمادیا کہ ۱۸۵۷ئ میں قرآن زمین سے اٹھالوں گا۔ اس میں مرزا صاحب کو "علی ذھاب بہ" کی ضمیر کے مرجع میں دھوکہ ہوگیا جس کی وجہ سے قرآن کی طرف وہ ضمیر پھیر دی۔ اس کا حال پوری آیت سے معلوم ہوسکتا ہے وہ یہ ہے: وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰی ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ (المؤمنون) ترجمہ! اور ہم نے ایک اندازہ کے ساتھ پانی برسایا پھر اس کو زمین میں ٹھہرا رکھا اور ہم اس پانی کے اڑا لے جانے پر بھی قادر ہیں۔ اس آیت شریفہ سے ظاہر ہے کہ "بہ" کی ضمیر پانی کی طرف پھرتی ہے جو اس کے پہلے صراحۃً مذکور ہے۔



غلط بیانی-قرآن کی تحریف فہم

اور قرآن کا وہاں ذکر بھی نہیں اگر لاعلمی سے مرزا صاحب نے یہ کہدیا تو غلطی کی اور اگر قصداً یہ معنی قرار دیا تو تحریف کی پھر اس آیت کو مادہ تاریخ قرآن کے اٹھائے جانے کا ٹھہرا کر یہ کہنا کہ ۱۸۵۷ء اس کا وقت قرار دیا گیا دوسری غلطی ہے۔شاعروں نے جو مادۂ تاریخ کی اصطلاح ٹھہرائی ہے ان کے یہاں بھی یہ شرط مسلم ہے کہ مادۂ تاریخ کے پہلے معلوم کرا دیتے ہیں کہ فلاں واقعہ کا سال ان الفاظ سے نکلتا ہے۔مگر حق تعالی نے نہ یہ اصطلاح بیان کی نہ اسکی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ آیت مادۂ تاریخ ہے نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہ فرمایا کہ دیکھو فلاں آیت فلاں واقعہ کا مادۂ تاریخ ہے۔

قرآن میں غلطی

اور اگر صرف مضمون کے لحاظ سے آیات مادۂ تاریخ قرار دیئے جائیں تو ''ان الساعة آتیة'' سے واقعہ قیامت ۱۲۳۴ء میں ہونا چاہیئے۔

علاوہ ان تمام امور کے ''لقادرون'' سے یہ کہنا کہ اس کا وقوع ہو گیا یہ بھی ایک دھوکہ ہے۔ یہی لفظ دوسرے مقامات میں وارد ہے اور اس سے مقصود صرف تخویف اور بیان قدرت ہے۔ کما قال تعالی: اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰۤی اَنْ نُّبَدِّلَ خَیْرًا مِّنْھُمْ (المعارج) یعنی ہم قادر ہیں کہ ان کفار سے بہتر ان کے بدلے بسائیں حالانکہ کفار اب تک موجود ہیں۔ اسی طرح ارشاد ہے۔قولہ تعالی وَاِنَّا عَلٰۤی اَنْ نُّرِیَكَ مَا نَعِدُھُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾ (المؤمنون) یعنی ہم اس پر قادر ہیں کہ جس عذاب کا وعدہ ان کافروں سے کیا گیا تمہیں دکھا دیں۔ حالانکہ اس کا بھی وقوع نہیں ہوا بلکہ مقصود بیان قدرت اور تخویف ہے۔ اور اسی طرح اس آیت شریفہ میں بھی بیان قدرت اور تخویف مقصود ہے کہ پانی جو زمین پر ٹھہرتا ہے اور جس سے تمام منافع بنی آدم کے متعلق ہیں اس کے اڑا لے جانے پر ہم قادر ہیں۔ اگر اس قدرت کو ظاہر کر دکھائیں تو تمہاری کیا حالت ہوگی۔



دھوکہ۔خدائے تعالیٰ پر افتراء

اب غور کیا جائے کہ باوجود اتنے دھوکوں اور غلطیوں کے یقینی طور پر یہ کہہ دینا کہ حق تعالی قرآن میں فرماتا ہے کہ ۱۸۵۷ء میں ہم قرآن کو اٹھالیں گے کس قدر جرأت ہے۔ ہر شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ حق تعالی پر صریح افتراء ہے۔ اور قرآن سے ثابت ہے کہ جو شخص اللہ تعالی پر افتراء کرے وہ کفار سے بھی بدتر ہے۔ جیسا کہ اس آیت شریفہ سے مستفاد ہے۔ **قولہ تعالی: وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا** (الانعام: ۹۳) اور ارشاد ہے: **قولہ تعالی اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۝۵۱** (المائدۃ) یعنی ظالموں کو خدا راستہ ہی نہیں بتاتا پھر جس کو خدا راستہ نہ بتائے تو اس کی گمرہی میں کیا شک ہے **نعوذ باللہ من ذلک**۔

مرزا صاحب نے ایام غدر کے مظالم کا فوٹو کھینچ کر سب الزام علماء کے ذمہ لگادیا کہ انہیں کے فتووں سے عورتیں اور بچے پیاسے قتل کئے گئے۔ مگر یہ بات حد تواتر تک پہونچ گئی ہے وہ ایک ایسا عام بلوہ تھا جس میں ہندو مسلمان سب کے سب شریک تھے اور یہ کوئی نئی بات نہیں اس قسم کے واقعات گویا حکومت کا لازمہ ہے اس لئے کہ گورنمنٹ اور رعایا کے باہمی تعلقات کثرت سے ہوتے ہیں کسی نہ کسی بات پر مخالفت ہو ہی جاتی ہے۔ اس میں کوئی فرقہ کی خصوصیت نہیں۔ لیکن گورنمنٹ کا فرض منصبی ہے کہ ایسے مفسدوں کو رفع کر کے امن وامان قائم کردے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بفضلہٖ تعالی پورے طور سے ہندوستان میں اس کے بعد امن قائم ہوگیا۔ مگر مرزا صاحب کو مسلمانوں کا بے فکری سے رہنا گوارا نہیں اسی وجہ سے خلاف واقع مسلمانوں کے ذمہ الزام لگا رہے ہیں۔ اور یہ خیال نہیں فرمایا کہ جب مجرمین اسی زمانہ میں سزایاب بھی ہوگئے اور امن بھی قائم کردیا گیا اور پچاس برس کی مدت گذر گئی جس کی وجہ سے فی صدی پانچ شخص بھی اس زمانہ کے اب باقی نہیں رہے ایسے وقت میں گورنمنٹ مرزا صاحب کی ان اشتعالکوں کی طرف کیوں توجہ کرے گی۔ اگرچہ مرزا صاحب بھی ایسے شخص نہیں کہ مسلمانوں کے بالکل جانی دشمن ہوں۔ کیونکہ آخر مسلمانی کا دعوی ان کو بھی ہے مگر شاید اقتضائے طبیعت سے اس تحریر کے وقت مجبور ہوگئے ہوں گے۔

اور ایک دلیل اپنے صدق پر یہ پیش کرتے ہیں جو ازالۃ الاوہام (ص ۶۶۳) میں مذکور ہے اس بات کو میں منظور کرتا ہوں کہ آپ دس ہفتہ تک اس بات کے فیصلہ کے لئے احکم الحاکمین کی طرف توجہ کریں تا کہ اگر آپ سچے ہیں تو آپ کی سچائی کا کوئی نشان یا کوئی اعلیٰ درجہ کی پیش گوئی جو راست بازوں کو ملتی ہے آپ کو دی جائے۔ ایسا ہی میں بھی دوسری طرف توجہ کروں گا اگر آپ لوگ اعراض کر گئے تو گریز پر حمل کیا جائیگا۔ انتہی ملخصا

حاصل اس کا یہ ہوا کہ مرزا صاحب جو دعویٰ رسالت وغیرہ کرتے ہیں اس کی نفی کا بینہ فریق مقابل کے ذمہ ہے مدت معینہ میں پیش نہ ہو تو ان کا دعویٰ ثابت اور بینہ بھی کیسا کہ اقتداء بشری سے خارج ہو۔

یہ بھی ایک الہامی طریقہ ثبوت دعویٰ کا ہے جو مرزا صاحب کے خصائص سے ہے۔ مگر خدا نخواستہ اس طریقہ کا اگر رواج پڑ جائے تو جھوٹوں کو کامیابی کا بڑا ہی ذریعہ ہاتھ آ جائیگا جس کا جو جی چاہے گا کسی پر دعویٰ کر کے ثبوت میں یہ بینہ پیش کر دے گا کہ اگر مدعی علیہ سچا ہے تو احکم الحاکمین کی طرف رجوع کرے ضرور کوئی نشانی مل جائیگی۔ جو راست بازوں کو فوق طاقت بشری ملا کرتی ہے اور جب مدت معینہ میں نہ ملے تو اپنا دعویٰ ثابت۔ خدائے تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجودیکہ ہزار ہا معجزے عطا کئے شق قمر تک آپ کے دست مبارک سے ہوا مگر بعض وقت حسب خواہش کفار کوئی نشانی بھی نہیں دی گئی۔ چنانچہ اس آیت شریفہ سے ظاہر ہے:

وَقَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿٩٠﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿٩١﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿٩٢﴾ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿٩٣﴾ (بنی اسرائیل)

مطلب اس کا یہ ہے کہ کفار نے حضرت سے درخواست کی کہ زمین سے چشمے جاری ہو جائیں یا ایک باغ پیدا ہو جائے یا آسمان کا ایک ٹکڑا گرا دیا جائے اور اسی قسم کی کئی درخواستیں کیں اس پر حضرت کو حکم ہوا کہ ان سے کہو کہ میں تو ایک بشر رسول ہوں۔ یعنی جو معجزے میرے ہاتھ پر

خدائے تعالیٰ ظاہر کراتا ہے وہ کرتا ہوں مجھے کوئی ضرورت نہیں کہ تمہاری ہر درخواست کو منظور کرلیا کروں۔ دیکھئے کہ باوجود آیات ومعجزات لازمہ رسالت ہیں مگر ضرور نہ تھا کہ جانب مقابل کی طلب پر کوئی نشانی ضرور ظاہر ہوتو اب مرزا صاحب کی طلب پر کیا ضرورت ہے کہ کوئی نشانی اہل حق سے ظاہر ہو اور نہ ہونے سے ان کی حقانیت میں فرق آجائے۔ اگر وہ ضرور ہوتا تو معاذ اللہ اس وقت کفار اہل حق ٹھہر جاتے۔ پھر اس نشانی کے ظاہر نہ ہونے سے مرزا صاحب کا حق پر ہونا کیونکر ثابت ہوگا۔

مرزا صاحب کو ایسے ابواب میں کمال مشاقی اور جرأت حاصل ہے اس دس ہفتوں کی مہلت میں انہوں نے کوئی ایسی بات ضرور سوچی تھی کہ اس کو بالائے تدابیر سے اپنی کامیابی کا ذریعہ بنا لیتے۔ جیسے نصاریٰ کے مقابلے میں انہوں نے یہی تدبیر کی کہ باوجودیکہ پیش گوئی جھوٹی ثابت ہوگئی مگر وہ اسی کو اپنی کامیابی کا ذریعہ بتاتے جاتے ہیں۔

اور ایک دلیل اپنی عیسویت پر رسالہ نشان آسمانی میں لکھتے ہیں کہ: مولوی اسمٰعیل صاحب شہید دہلوی جس زمانہ میں اس کوشش میں تھے کہ کسی طرح ان کے مرشد سید احمد صاحب مہدی وقت قرار دے جائیں؛

م دلیل شاہ نعمت اللہ کا قصیدہ

س زمانہ میں انہوں نے قصیدہ شاہ نعمت اللہ کو حاصل کر کے بہت کچھ سعی کی کہ یہ پیش گوئی ان کے حق میں ٹھہرائی جائے۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنی کتاب کے ساتھ اس کو شائع کر دیا۔ لیکن اس پیش گوئی میں وہ پتے اور نشان دیئے گئے تھے کہ کسی طرح سید احمد صاحب ان علامات کے مصداق نہیں ٹھہر سکتے تھے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ اس پیش گوئی کے مصداق کا نام احمد ہے اور نیز یہ بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ وہ ملک ہند میں ہوگا اور لکھا ہے کہ وہ تیرہویں صدی میں ظہور کریگا پس بنظر سرسری خیال گذر سکتا ہے کہ سید احمد صاحب میں یہ تینوں علامتیں نہیں۔

پھر مرزا صاحب نے اس قصیدہ کے چند اشعار نقل کئے جن میں سے چند یہ ہیں۔

غین ورے سال چوں گزشت از سال　　بوالعجب کاروبار می بینم

ظلمت ظلم ظالماں دیار — بے حد وبیشمار می بینم

چوں زمستاں بے چمن نگذشت — شمس خوش بہاری می بینم

غم مخور زانکہ من درین تشویش — حرفی وصل یا ری می بینم

غازی دوست دار ودشمن کش — ہمدم ویارغار می بینم

اح م ودال می خوانم — نام آں نامدار می بینم

بادشاہ تمام ہفت اقلیم — شاہ عالی تبا ر می بینم

مہدی وقت وعیسی دوران — ہر دورا شہسوار می بینم

مرزا صاحب چوں زمستان بے چمن نگذشت کی شرح میں لکھتے ہیں: ''کہ جب تیرہویں صدی کا موسم خزاں گذر جائیگا تو چودہویں صدی کے سر پر آفتاب پر بہار نکلے گا یعنی مجدد وقت ظہور کریگا۔ انتہی

یہ بات پوشیدہ نہیں کہ جہاں ہزاروں کا مجموعہ ہوتا ہے اس میں ہر قسم اور ہر طبیعت کے لوگ ہوتے ہیں بعض مفتری اور کذاب بھی ہوتے ہیں جو اس مجمع اور گروہ کی ترقی کی غرض سے اعتقاد بڑھانے والے اقسام کی باتیں بنا لیتے ہیں۔ اور بعض دیانت دار بھی نیک نیتی سے ایسے امور کے مرتکب ہوجاتے ہیں۔ اور یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر اس میں کچھ گناہ بھی ہو تو اس نیک نیتی کی وجہ سے معاف ہوجائیگا۔ بہرحال ممکن ہے کہ کسی نے اس وقت یہ قصیدہ بنا کر ایک کامل بزرگ کے نام سے مشہور کردیا ہو جس سے مولوی اسمعیل صاحب کو بھی استدلال کا موقع ہاتھ آ گیا اور ان کا استدلال صحیح بھی ہوسکتا ہے۔ اس لئے کہ اس میں ۱۲۰۰ھ ہجری کے بعد کی خبر ہے جس زمانہ میں سید احمد صاحب کا ظہور ہوا تھا۔ اگر بقول مرزا صاحب چودہویں صدی کا ذکر صاحب قصیدہ کو منظور ہوتا تو (چوں زمستان بے چمن بگذشت) کی جگہ (بگذر چون صدی سیزدہم) لکھ دیتے۔

کیونکہ جب پورے واقعات کا کشف ہی ٹھہرا تو (غ ورے) کے بعد ایام فتنہ زا بیاں کرکے عین مقصود بالذات زمانہ بشارت کو چھوڑ دینا بالکل خلاف عقل ہے۔ پھر جب کہ اس پیش گوئی میں سید احمد صاحب اور غلام احمد بیگ صاحب میں تنازع ہے۔ تو سر سید احمد خان صاحب اس سے

کیوں محروم رکھے جائیں۔ ان کے اتباع تو (مہدی وقت وعیسی دوران) کے مصداق کی تکمیل میں مہدی علی خان صاحب کو پیش کردیں گے۔ جس سے (ہر دورا شہسوارمی بینم) بھی چسپاں ہوجائیگا اور مرزا صاحب نے جو تکلیف اٹھا کر دو کو ایک کردیا اس کی ضرورت بھی نہ رہے گی۔ اور کثرت اُتباع کے لحاظ سے بھی انہیں کا نمبر بڑھا رہیگا۔ یہ سب آپس کے جھگڑے ہیں مگر اس کا کیا جواب ہوگا کہ قصیدہ میں تو ''بادشاہ تمام ہفت اقلیم می بینم'' لکھا ہے اگر یہ تینوں احمد صاحبان علی سبیل البدلیت یا بطور مانعۃ الخلو مصداق ٹھہریں تو بھی ان کے پیرو صرف ہندوستان کے مسلمانوں کے عشر عشیر نہیں ہوسکتے۔ پھر ہفت اقلیم کی سلطنت کیسی۔

قصیدہ جعلی ہے غلط بیانی

اس سے بداہۃً معلوم ہوسکتا ہے کہ وہ قصیدہ جعلی ہے کسی نے مصلحت وقت کے لحاظ سے بنا کر اس بزرگ کی طرف منسوب کردیا۔

مرزا صاحب نے چند اشعار کی شرح کی اور پورا قصیدہ علحدہ اسی کتاب میں لکھد یا اس قصیدہ کی ابتدا میں یہ اشعار ہیں۔

در خراسان ومصر وشام وعراق — فتنہ وکارزار می بینم

ترک وتاجیک را بہم دیگر — خصمی وگیر و دار می بینم

مدلیل اپنا مقابل ذلیل ہوگا

اب اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ فتنہ تو خراسان ومصر وشام وعراق وترک وتاجیک میں ہو اور مرزا صاحب ہندوستان میں نکلیں۔ اس کی توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ اس فتنہ کی خبر دینے کو وہ بھیجے گئے ہوں تاکہ لوگ ہوشیار رہیں۔ مگر ایسی کوئی خبر بھی انہوں نے اب تک شائع نہیں کی۔ مرزا صاحب یہ فرماتے ہیں: یہ سچ ہے کہ اشارۃً یہ پایا جاتا ہے کہ وہ ملک ہند میں ہوگا۔ چونکہ مرزا صاحب جھوٹ کو شرک کے برابر سمجھتے ہیں ضرور ہندوستان کی طرف اس میں اشارہ ہوگا مگر ہمارے سمجھ میں نہیں آیا شاید کسی کی سمجھ میں آجائے۔

مرزا صاحب نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ قابل غور ہے۔ جو احادیث ان کے مضر ہوتی ہیں اگر صحیح مسلم میں بھی ہوں تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ بخاری نے ان کو صحیح نہیں سمجھ کر چھوڑ دیا۔ (ازالۃ الاوہام) اور کبھی کہتے ہیں کہ امام بخاری جیسے رئیس المحدثین کو وہ حدیث نہ ملی۔ اور کبھی کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ راوی نے سہواً یا عمداً خطا کی ہو۔

مطلب یہ کہ حدیثیں قابل اعتبار نہیں یعنے موضوع ہیں اور احادیث صحیحہ میں یہ کلام ہوتا ہے کہ پیش گوئیوں میں استعارات و کنایات ہوتے ہیں۔ ظاہری معنی ان کے نہیں لے سکتے اور جو بات اپنے مفید سمجھتے ہیں۔ وہ کیسی ہی بے اصل اور مجہول ہوں۔ اس پر استدلال کرتے ہیں اور اس کے معنی لینے میں کوئی تامل نہیں ہوتا۔ دیکھئے یہ قصیدہ تو قابل استدلال ہوا جس کا ثبوت تقریباً محال ہے اور جو مضمون بیان کیا گیا وہ بھی ایسا کہ مرزا صاحب کے سوا کوئی دوسرا نہ سمجھ سکے پھر شاہ نعمت اللہ صاحب کے کشف کا اس قدر وثوق کے کوئی لفظ اس کا ظاہری معنی سے ہٹ نہیں سکتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کشف اور پیش گوئیاں ایسی کمزور کہ جب تک ان میں نئے معنی نہ ڈالے جائیں اپنے ذاتی معنی پر دلالت ہی نہیں کرسکتیں۔ بلکہ کبھی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کی حقیقت کھلی ہی نہیں اس پر دعوی امتی بلکہ نبی ہونے کا۔

ایک دلیل یہ ہے جو ازالۃ الاوہام (ص ۲۶) میں لکھتے ہیں مجھے خبر کی گئی ہے کہ: جو شرارت سے میرے مقابل کھڑا ہو وہ ذلیل اور شرمندہ ہوگا۔ انتہی

فی الواقع اگر یہ خبر اللہ کی طرف سے دی گئی ہوتو اعلی درجہ کی نشانی ہوگی مگر اس کا ظہور اب تک نہیں ہوا جب سے مرزا صاحب نے دعوی عیسویت کیا ہے علماء ان کے مقابلے میں برابر کھڑے ہیں اور کبھی ان کو ذلت نہ ہوئی بلکہ اسلامی دنیا میں ان کی عزت اور بڑھ گئی۔

مرزا صاحب نے اس بنا پر یہ بات کہی ہے کہ جو شخص ان کا مقابلہ کریگا وہ اس کو بہت سی گالیاں دیں گے اور خفیف کریں گے جس سے اس کو شرمندہ ہونا پڑیگا۔



حالانکہ اپنے کو بارہا ذلتیں ہوئیں

مگر خود بھی ذرا سوچیں تو معلوم ہوگا کہ اس میں انہی کی ذلت ہے بازاری لوگ معززین کی نگاہوں سے کیوں گرے ہوئے ہیں اسی وجہ سے کہ فحش بدگوئی اور بدخلقی اکثر ان سے دیکھی جاتی ہے۔ مرزا صاحب نے دیکھا کہ بازاری لوگ فحش وسب وشتم کی وجہ سے معزز نہیں سمجھے جاتے مگر اس کے ڈر سے ان کے کام تو نکل آتے ہیں اس وجہ سے برآمد کار کے لئے یہی طریقہ خوب ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ مرزا صاحب نے اراذل و بدمعاشوں سے جو اس بات میں سبق لیا وہ کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔ اس لئے کہ عقلاء کی شان یہی ہے کہ اپنے مقصود کی بات جہاں ملتی ہے لے لیتے ہیں اور یہ خیال نہیں کرتے کہ ہم کس سے لے رہے ہیں۔ دیکھئے کتب اخلاق میں مصرح ہے کہ آدمی کو چاہئے کہ اپنی کارآمد صفتیں کتّے سے سیکھے کہ کیسا قانع اور وفادار ہے بلکہ ہمیں صرف لم اور ماخذ اس طریقہ کا بتلانا منظور ہے۔ گو مرزا صاحب اس کو قبول نہ فرمائیں کیونکہ وہ اس طریقہ کو عیسویت کا لازمہ قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ عصائے موسیٰ (ص ۱۵۸) میں ان کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اکثر سخت لفظ اپنے مخاطبین کے حق میں استعمال کئے ہیں۔ جیسا کہ سور، کتے، بے ایمان، بدکار، وغیرہ وغیرہ لفظ وغیرہ وغیرہ سے ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بکثرت گالیاں دیا کرتے تھے۔ جس سے سمجھا جاتا ہے کہ یہ لازمہ عیسویت ہے۔ چونکہ مرزا صاحب کو تکمیل عیسویت کے لئے عیسیٰ علیہ السلام کی صفات کے ساتھ متصف ہونا ضرور تھا اس لئے انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا۔ حالانکہ ان کی ذاتی خصوصیات کچھ اور ہیں۔

عیسیٰ علیہ السلام کے حالات

امام سیوطیؒ نے عیسیٰ علیہ السلام کے حالات میں کئی روایتیں تفسیر درمنثور میں نقل کئے ہیں چونکہ یہ کتاب چھپ گئی ہے اس لئے چند روایات کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے۔ اگر کسی صاحب کو ان کا دیکھنا منظور ہو تو درمنثور کی جلد دوم میں (ص ۲۶ سے ص ۳۲) تک ملاحظہ فرمالیں۔



مرزا صاحب اور عیسیٰ علیہ السلام کے حالات کا موازنہ

ماحصل ان کا یہ ہے کہ عیسی علیہ السلام نے اپنے لئے نہ کہیں گھر بنایا نہ بنانے دیا۔ نہ ان کو اہل وعیال تھے۔ گذران کی یہ صورت کہ جنگل میں پتے وغیرہ کھا کر بسر کرتے۔ جہاں شام ہوئی مقام کیا صبح ہوئی روانہ ہو گئے۔ نہ کبھی چراغ جلایا نہ بچھونا بچھایا۔ جہاں نیند غالب ہوگئی لیٹ گئے سوائے کمل یا ٹاٹ کے کوئی لباس نہیں پہنا۔ نہ کبھی سر میں تیل ڈالا نہ کنگھی کی۔ بجائے نعلین کسی جھاڑ کی چھال پیروں سے لپیٹ کر لیف سے باندھ لیتے۔ کبھی ٹھنڈا پانی نہیں پیا۔

ایک بار آپ پتھر سرہانے لیکر سوتے تھے ابلیس نے متشکل ہوکر طعن کیا کہ آپ اکثر کہا کرتے ہیں کہ: میں دنیا کا سامان کچھ نہیں رکھتا پھر یہ پتھر کا سرہانہ کیسا؟ آپ نے وہ بھی پھینک دیا۔

ایک بار آپ حوارین کے ساتھ کہیں جارہے تھے راستے میں مرے ہوئے کتے پر گذر ہوا لوگوں نے اس کی بدبو کی شکایت کی آپ نے فرمایا: اس کے دانت کتنے سفید ہیں۔

مقصود یہ کہ کسی چیز کی مذمت نہ کی جائے ایک بار ایک خنزیر ان کے روبرو سے نکلا اس سے خطاب کرکے فرمایا: سلامتی سے گذر جا۔ کسی نے کہا: یا روح اللہ آپ خنزیر سے ایسا خطاب فرماتے ہیں؛ جو آدمیوں سے کیا جاتا ہے؟ فرمایا: میں مکروہ سمجھتا ہوں کہ میری زبان کو بری بات کی عادت ہو۔

ایک بار ایک رفیق کے ساتھ آپ جنگل میں جارہے تھے ایک بدمعاش حائل ہوکر کہا کہ: جب تک تم دونوں کو ایک ایک طمانچہ نہ مارلوں جانے نہ دوں گا۔ آپ نے فرمایا: اچھا تو مجھے مارلے اس نے آپ کو مار کر راستہ دیا۔ مگر رفیق راضی نہ ہوا۔ آپ نے فرمایا: اس کے بدلے بھی مجھ ہی کو مار یہ کہہ کر دوسرا رخسار مبارک پیش کیا۔ اس نے آپ ہی کو مار کر دونوں کو راستہ دیا۔

ایک بار آپ دھوپ میں چل رہے تھے دھوپ کی شدت اور پیاس کی سختی سے تاب نہ لاکر کسی کے خیمہ کی چھاؤں میں بیٹھ گئے صاحب خیمہ باہر آکر آپ کو وہاں سے اٹھا دیا آپ علحدہ ہوکر دھوپ میں بیٹھ گئے۔ اور فرمایا: اے شخص تو نے مجھے نہیں اٹھایا بلکہ اس نے اٹھایا جو نہیں چاہتا کہ دنیا میں مجھے کچھ بھی راحت ہو۔ یعنی پوری راحت جنت ہی میں ہوگی۔ آپ اکثر پانی پر چلا کرتے تھے لوگوں نے پوچھا یہ بات آپ کو کیونکر حاصل ہوئی؟ فرمایا: ایمان اور یقین کی وجہ سے انہوں نے کہا

ہمیں بھی تو ایمان ویقین ہے۔ فرمایا: تم بھی چلو تھوڑی دور گئے تھے کہ ایک موج آئی اور وہ ڈوبنے لگے۔ آپ نے ان کو نکال کر پوچھا تم نے کیا کہا تھا؟ کہا: موج سے ہم ڈر گئے تھے۔ فرمایا: موج کے رب سے کیوں نہیں ڈرے؟ یہ تھوڑا سا حال مسیح علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کا تھا۔ اب مسیح علیہ السلام اور مثیل مسیح کی حالت کا موازنہ کر کے بھی دیکھ لیجئے۔ تا کہ **"تعرف الاشیاء باضدادھا"** کے لحاظ سے مرزا صاحب کی معرفت حاصل ہو جائے۔ وہاں تجرد کی وہ کیفیت تھی تو یہاں تعیش کی یہ کیفیت کہ پیرانہ سری میں شادی ہونے میں جو توقف ہو گیا تو مثیل صاحب جامہ کے باہر ہیں اور کنبے بھر میں ایک تہلکہ برپا ہے کہ سمدھن صاحبہ کے بھائی نے اپنے کو لڑکی کیوں نہیں دی اس جرم میں بہو بیٹی میں تفرقہ اندازی کی تدبیر اور فرزند پر یہ تشدد کہ اگر طلاق نہ دے تو عاق اور میراث سے محروم ہے۔ وہاں کمبل اور ٹاٹ کا لباس ہے تو یہاں پشمینہ وغیرہ اعلی درجہ کے ملبوسات۔ وہاں رہنے کو گھر نہیں یہاں سجے ہوئے کمرے، مکانات، باغ، سکونت اور تفرج کے لئے آراستہ ہیں۔ وہاں سرہانے کے تکیہ کے لئے پتھر گوارا نہیں یہاں بغیر اعلی درجہ کی نرم نرم تو شکین اور لحاف کے نیند نہیں آتی۔ وہاں جنگل کے پتوں پر گذران تھی یہاں مرغی انڈے پلاؤ وغیرہ الوان نعمت کی ضرورت۔ وہاں دھوپ میں پیاس سے موت کا سامان ہے تو یہاں ہر وقت برف کیوڑہ وغیرہ تنعم کا سامان مہیاء۔ وہاں جنگل ہے اور اندھیری رات کا سناٹا اور جلانے کو چراغ نہیں یہاں گھر کے پاس ہزاروں روپیہ کے صرفے سے ایک بلند مینار بنایا گیا جس کی روشنی جنگل میں پڑے۔ وہاں کل راحتوں کا حوالہ آخرت پر ہے تو یہاں کل راحتوں کا استیفا دنیا میں۔ وہاں مرے ہوئے کتے کی مذمت گوارا نہیں یہاں صحابہ سے لے کر آج تک کے مسلمان مشرک قرار دیئے جا رہے ہیں۔ اور مسلمانوں کی شان میں وہ الفاظ کہ کوئی کافروں کو بھی نہیں کہتا۔ وہاں خنزیر کے ساتھ مہذبانہ برتاؤ یہاں علما ومشائخین کے القاب خنزیر وغیرہ زبان زد ہیں۔

غرض کہ مثیل مسیح موعود ہونے کے لئے تمامی اوصاف مسیح علیہ السلام سے وہ صفت منتخب کی گئی جس سے مسیح علیہ السلام کو کمال درجہ کی نفرت اور احتراز رہا۔ اور انجیل جس کو خود ہی محرف بتاتے ہیں اس میں سے صرف فحش اور سب وشتم کا مضمون لیکر مسلمانوں کو لگے گالیاں دینے کہ دیکھو میں مسیح

ہوں میرا فرض منصبی ہے کہ دل کھول کر مگر ٹھنڈے دل سے گالیاں دیا کروں۔ اس کی وجہ اور کیا ہوسکتی ہے سوائے اس کے کہ انہوں نے جب دیکھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیات اور فضائل واخلاق کا حاصل کرنا تو محال ہے اور ان کی کوئی بات اپنے میں نہ ہو تو مثلیت کا ثبوت مشکل ہے۔ اس لئے ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ کے لحاظ سے خذ ما صفا ودع ما کدر پر عمل کر کے طریقہ سب وشتم کو اختیار کیا جس کا ذکر اناجیل محرفہ میں ہے۔

اس باب میں جو تحریفیں وغیرہ ہوئیں اس کا الزام اسی کے ذمہ ہوگا جس نے الحاق کر کے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اس قدر شنیعہ کو منسوب کیا۔

مرزا صاحب نصاریٰ کی تقلید کی

اسلامی تعلیم اخلاق

مرزا صاحب نے حسن ظن سے اس باب میں صرف تقلید نصاری کی کی اور مقلد کو یہ حق نہیں کہ اپنے مقتدا پر تحریف وغیرہ کا الزام لگائے۔ اس لئے نہ مرزا صاحب پر تحریف وغیرہ کا الزام آ سکتا ہے نہ ترک تحقیق کا بہر حال یہ دین عیسائی کی تعلیم تھی۔ اب دین محمدی کی تعلیم دیکھئے:

حق تعالی فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (سورۃ النحل: ۹۰) یعنی خدائے تعالی منع کرتا ہے بے حیائی اور بدگوئی اور برے کام سے۔

اور ارشاد ہے قولہ تعالی:

وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾ اِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ (البقرۃ) یعنی شیطان جو تمہارا دشمن ہے بدگوئی اور برے کاموں کا حکم دیتا ہے ان دونوں آیتوں سے ظاہر ہے کہ سب وشتم سے خدائے تعالی منع فرماتا ہے اور شیطان اس کا حکم کرتا ہے۔ اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں اس صفت کا نام ونشان نہ تھا۔ جیسا کہ بخاری شریف (ص ۸۹۱) میں ہے ”لم یکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاحشا ولا متفحشا“ یعنی

بدگوئی کی صفت حضرت میں نہ بالطبع تھی نہ عارضی طور پر اور یہ روایت بھی بخاری شریف میں ہے کہ چند یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بجائے السلام وعلیکم کے دبے آواز سے السام علیکم کہا۔ حضرت نے ان کے جواب میں صرف وعلیکم فرمایا: مگر عائشہ رضی اللہ عنہا صبر نہ کرسکیں کیونکہ سام کے معنی موت کے ہیں اور غصہ سے کہا ''وعلیکم ولعنکم اللہ وغضب اللہ علیکم'' حضرت نے ان سے فرمایا: ''مهلا یا عائشه علیک بالرفق وایاک والعنف والفحش'' یعنی اے عائشہ سختی اور بدگوئی سے دور رہو۔ دیکھئے بددعا کے بدلے بددعا دی گئی تھی اس کا بھی نام حضرت نے فحش ہی رکھا جس سے خدائے تعالی منع فرماتا ہے۔

ح مسلمانوں کو گالی دینا فسق ہے اور قتل کفر

ح مسلمانوں کی لعنت اور تکفیر مثل قتل ہے

''وعن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: سباب المسلم فسوق وقتاله کفر'' رواہ البخاری یعنی مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کا قتل کفر ہے۔

''وعن ثابت بن الضحاک قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من لعن مؤمنا فهو کقتله ومن قذف مومنا بکفر فهو کقتله'' رواہ البخاری یعنی جو شخص کسی مسلمان پر لعنت کرے یا اس کو کافر کہے تو گویا اس کو قتل کر ڈالا۔

م امر واقعی چسپاں گالی نہیں ہے

مرزا صاحب کو اسماء میں تصرف کرنے کا ہتکنڈہ ہاتھ آ گیا ہے اس لئے خوب سی گالیاں دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ: ان کا نام گالی ہی نہیں چنانچہ ازالۃ الاوہام (ص ۱۳) میں لکھتے ہیں اکثر لوگ دشنام دہی اور بیان واقعہ کو ایک ہی صورت میں سمجھ لیتے ہیں اور ان دونوں میں فرق کرنا نہیں جانتے بلکہ ایسی بات کو جو دراصل ایک واقعی امر کا اظہار ہو اور اپنے محل پر چسپاں ہو محض اس کی کسی قدر مرارت کی وجہ سے جو حق گوئی کے لازم حال ہوا کرتی ہے دشنام ہی تصور کر لیتے ہیں۔



م دشنام خلاف واقعہ آزادرسانی کی غرض سے ہوتی ہے

حالانکہ دشنام اورسبّ وشتم فقط ایک مفہوم کا نام ہے جوخلاف واقعہ اوردروغ کے طور پر محض آزاررسانی کی غرض سے استعمال کیا جائے۔انتہی

ق لوگوں کے عیب بیان کرنے والا

حاصل اس کا یہ ہوا کہ کسی کے واقعی عیوب بیان کئے جائیں تو مضائقہ نہیں۔مگر یہ بات قرآن شریف کے خلاف ہے۔حق تعالی فرماتا ہے:وَیۡلٌ لِّکُلِّ ہُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِۣ ۙ﴿۱﴾ (الھمزہ)

مستحق دوزخ ہے

یعنی ہمزۃ اورلمزۃ کے لئے ویل ہے جوجہنم میں ایک وادی ہے۔تفسیر خازن میں ہمزہ اورلمزہ میں کئی اقوال نقل کرکے لکھا ہے:''کہ سب اقوال کا مرجع اسی طرف ہے کہ وہ اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی کا عیب بیان کرے۔اب دیکھئے کہ جب یقینی موجودہ عیوب ظاہرکرنے کی یہ وعید ہوتو(مادرزاد اندھے،رئیس الدجالین،ہامان،ہالکین وغیرہ) کہنے کا کیا حال ہو۔پھرمرزا صاحب خنزیر،چمار، چوہڑے جوعلماءکوکہتے ہیں؛کیاان الفاظ پربھی دشنام کی تعریف صادق نہیں آتی۔

مرزا صاحب کا یہ بھی استدلال ہے کہ حق تعالی نے قرآن شریف میں کافروں کو بہت گالیاں دی ہیں۔ اورحدیث شریف میں ان پرلعنت وغیرہ وارد ہے مقصود یہ کہ مرزاصاحب نے خدا کا طریقہ اختیارکیا،اورنیز'**اشداءعلی الکفار**' بھی وارد ہے۔

''**اشداءعلی الکفار**'' کا جواب توظاہرہے کہ سختی کافروں پر چاہئے مسلمانوں کوگالیاں دینے سے کیا تعلق،ان کے باب میں تو''**رحماءبینھم**'' کاارشاداسی سے متصل کیا گیا ہے۔مرزا صاحب کا روئے سخن گالیوں میں صرف علماء ومشائخین اہل اسلام کی طرف ہے۔ اگر بزعم مرزاصاحب وہ گناہ گاربھی ہوں توکیا اسلام سے خارج سمجھے جائیں گے۔ پھر''**اشداءعلی الکفار**'' سے استدلال کیونکرصحیح ہوسکتا ہے۔بلکہ برخلاف اس کے برے القاب سے مسلمانوں کا

ذکر ممنوع ہے۔ کما قال تعالی: مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾ (الحجرات) یعنی عیب مت کرو آپس میں، ایک دوسرے کا۔ اور مت پکارو ایک دوسرے کو برے نام سے۔ برا نام گنہ گاری ہے، پیچھے ایمان کے۔ اور جو کوئی توبہ نہ کرے وہ ظالموں سے ہے۔ تفسیر خازن میں بروایت ترمذی نقل کیا ہے کہ بعضے لوگوں کے دو دو تین تین نام ہوتے تھے جن میں وہ بعضوں کو ناپسند کرتے تھے اگر کوئی ناپسند ناموں سے ان کو پکارتا تو وہ رنجیدہ ہوتے ان کے باب میں یہ آیۂ شریفہ نازل ہوئی۔

قرآن کی صریح مخالفت

اور لکھا ہے کہ 'لَا تَلْمِزُوْٓا' یعنی اپنی ذاتوں کو عیب مت لگاؤ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تم نے اپنے بھائی مسلمان کو عیب لگایا تو گویا وہ عیب تم نے اپنے کو لگایا۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ قرآن اس درجہ کی اتحاد کی تعلیم کر رہا ہے۔ کہ سب مسلمان آپس میں کنفس واحدہ ہو جائیں۔ اور عمل یہ ہو رہا ہے کہ صرف عیب ہی نہیں لگائے جاتے۔ بلکہ مغلظات کی بوچھاڑ کی جاتی ہے۔ جس سے اعلی درجہ کی دشمنی باہم پیدا ہو جائے۔ اس پر اصلاح قوم کا دعوی۔

اب رہا یہ کہ خدائے تعالی کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ سو اس میں یہ کلام ہے جب آیات واحادیث مذکورہ سے ثابت ہو گیا کہ بدگوئی سے خدا ورسول منع فرماتے ہیں۔ اور منع ہی نہیں بلکہ سخت سخت اس پر وعیدیں ہیں۔ تو کسی کو حق نہیں کہ اپنے مالک اور خالق سے پوچھے کہ جس کام سے آپ منع کرتے ہیں اس کے آپ کیوں مرتکب ہیں۔ دیکھ لیجئے تکبر اور تعلیٰ سے حق تعالی نے بندوں کو منع فرمایا ہے اور خود متکبر ہے کیا کوئی اس سے پوچھ سکتا ہے۔ حق تعالی فرماتا ہے: لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْـَٔلُوْنَ ﴿۲۳﴾ (الانبیاء) یعنی خدائے تعالی جو چاہے کرے اس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا اور وہ سب سے پوچھے گا کہ یہ تم نے کیوں کیا یا کیوں نہ کیا اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو چار سے زیادہ عورتوں کی اجازت نہیں دی اور خود بدولت کے نو یا اس سے زیادہ ازواج مطہرات تھیں اس کے سوا اور بہت سے خصوصیات تھیں جو علماء پر پوشیدہ نہیں۔

اب استدلال کا حال بھی دیکھ لیجئے کہ اگر بقول مرزا صاحب قرآن میں گالیاں ہیں بھی تو وہ کن کو دی گئیں اور اس کا منشا کیا ہے۔ جو لوگ اپنے خالق کو خالق نہ سمجھیں اور اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بت کی پرستش کریں اور بجائے شکر کے ناشکری کریں اور حق تعالی پر بدنما تہمتیں لگائیں اور اس کے بھیجے ہوئے سچے پیغمبر کی بات نہ مانیں اور کھلی کھلی نشانیاں دیکھ کر بھی اعتبار نہ کریں اور قدرت الٰہی پر ایمان نہ لائیں؛ تو وہ زجر و توبیخ تو کیا اس سے زیادہ کے مستحق ہیں۔ بھلا مرزا صاحب ان میں سے ایک تو بات اپنے مخالفین میں بتا دیں سوا اس کے ان کی جعلی اور بے ضرورت نبوت کو نہیں مانتے۔ جن لوگوں نے ان کی عیسویت کو قبول کر لیا ہے اور ایماندار سمجھے جاتے ہیں ان میں تقرب الی اللہ کی کون سی بات زیادہ ہوگئی؛ جو سب میں نہیں؟ سوائے چند چیزوں کے جو ان کی عیسویت کے مزاحم ہیں۔ مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کا انکار۔ عیسی علیہ السلام کی موت۔ قرآن میں جو انبیا علیہم السلام کے معجزوں کا ذکر ہے اکثر ان میں مسمریزم اور سمر تھے۔ مرنے کے بعد اس عالم میں کوئی زندہ نہیں ہوسکتا اور اس قسم کی خبریں جو قرآن میں دی گئیں وہ خلاف واقع ہیں۔ حشر اجساد کا انکار۔

مسلمان اہل کتاب کی گالیاں سنیں گے

غرض کہ یہی چند مسائل کا اختلاف مدار کفر و ایمان ٹھرایا گیا۔ کافر ملعون وغیرہ القاب انہی چند خیالات اور اختراعات کے نہ ماننے کی وجہ سے دیئے جا رہے ہیں۔

یہاں مرزا صاحب بھی غور فرمائیں کہ اس میں ہم لوگوں کا کیا قصور ہے ان امور میں جو ہمارے اعتقاد ہیں۔ اگر وہ ہمارے تراشیدہ اور اختراعی ہوتے؛ تو یہ اعتراض ہوسکتا کہ ”کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار“ ہمارے اعتقاد تو قرآن و حدیث و اجماع سے ثابت ہیں پھر کیونکر ہوسکے گا کہ باوجود اسلام کے دعوی کے ہم اس کو چھوڑ دیں۔

ہم کتنا ہی عاجزی سے کہیں ہمیں یقین نہیں کہ مرزا صاحب اس طریقہ سبّ و شتم کو چھوڑ ئیں گے کیونکہ انہوں نے تو اسی کو تکمیل عیسویت سمجھ رکھا ہے۔ اور نیز اس الہام کو پورا کرتا ہے کہ جو ان کے مقابلہ کو کھڑا ہوگا وہ ذلیل اور شرمندہ ہوگا۔ اور ان کی امت کو بھی سبّ و شتم کی ضرورت ہے تا کہ اس

الہام کا مضمون پورا ہو۔ اوران سے یہ امید تو نہیں کہ اپنے نبی کی مخالفت کر کے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ عمل اور ارشادات پر عمل کریں۔ اور نرمی اور تہذیب کو کام میں لائیں۔ اگر ایسا کیا تو اپنے نبی کی امت سے خارج ہوئے جاتے ہیں۔ غرض کہ اس باب میں وہ بھی معذور ہیں اس موقع میں ہم لوگوں کو ضرور ہے کہ اس آیت شریفہ کو پیش نظر رکھیں جو حق تعالی فرماتا ہے: لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ (سورۃ ال عمران: آیت: ۱۸۶) ترجمہ! البتہ تم آزمائے جاؤ گے مال سے اور جان سے اور البتہ سنو گے اہل کتاب اور مشرکین سے بدگوئی بہت اور اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری کرو تو یہ ہمت کے کام ہیں۔ اس آیت شریفہ کے لحاظ سے ضرور ہے کہ صبر کرنے میں ہم لوگ ہمت نہ ہاریں تھوڑے دن کسی طرح گذر جائینگے اور اس کا عمدہ بدلہ حق تعالی عطا فرمائیگا۔ یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ آیت شریفہ میں تو اہل کتاب اور مشرکین کا ذکر ہے جن کی ایذاء پر صبر باعث اجر ہے۔ اور مرزا صاحب تو نہ اہل کتاب سے ہیں نہ مشرک ہیں۔ بلکہ اس شبہ کا جواب یہ سمجھا جائے کہ مرزا صاحب اس باب میں عیسائیوں کے مقلد ہیں۔ جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اور جس دین کے لوگوں کا جو کوئی مقلد ہو وہ اسی میں سمجھا جاتا ہے دیکھ لیجئے حنفی شافعی وغیرہ سب محمدی ہیں اس صورت میں جو بات ہم کو عیسائیوں کی اذیت رسانی میں حاصل ہونے والی ہے مرزا صاحب اور ان کی امت کے سب وشتم میں بھی وہی حاصل ہے۔ اور دراصل ہمارے اسلام کا طریقہ کل انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے جس پر قرآن کریم شاہد ہے۔ مثلاً ''فقو لا له قولا لينا'' (طہ: ۴۴) وغیرہ سے ظاہر ہے۔ سراج الملوک میں نقل کیا ہے:

عیسیٰ علیہ السلام بری بات کا جواب بھی عمدگی سے دیتے ہیں

''مر المسیح علیہ السلام علی قوم من الیھود فقالوا له: شرا وقال لھم: خیرا فقیل له: انھم یقولون شرا وأنت تقول خیرًا فقال: کل ینفق بما عندہ'' یعنی مسیح علیہ السلام کا گذر یہود کی کسی قوم پر ہوا وہ لوگ آپ کو دیکھتے ہی بری بری گالیاں دینے لگے مگر آپ نے نہایت

عمدگی سے ان کے جواب دیئے۔ کسی نے آپ سے کہا: وہ تو سختی اختیار کر رہے ہیں اور آپ اس عمدگی سے پیش آ رہے ہیں؟ فرمایا: ہر شخص وہی خرچتا ہے جو اس کے پاس ہو۔

مرزا صاحب کا الہام جھوٹا ثابت ہوا

الحاصل مرزا صاحب جو لکھتے ہیں کہ: مجھے خبر دی گئی کہ میرا مقابل ذلیل اور شرمندہ ہوگا مشاہدہ سے ثابت ہے کہ وہ خبر غلط نکلی بلکہ مرزا صاحب ہی ذلیل وشرمندہ ہوئے۔ جیسا مناظروں وغیرہ سے ظاہر ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ فی الواقع ان کو کوئی خبر نہیں دی گئی تھی۔ صرف تخویف کی غرض سے انہوں نے وہ مشہور کر دیا تھا۔ مگر مرزا صاحب اور ان کے اتباع یاد رکھیں کہ ایسی تخویفوں سے مسلمانوں کو کوئی جنبش نہیں ہوتی۔ بلکہ ان کا ایمان اور زیادہ ہو جاتا ہے۔

ق مسلمان کسی کے ڈرانے سے اور قوی دل ہو جاتے ہیں

جیسا کہ حق تعالی فرماتا ہے: "الذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا و قالوا حسبنا اللہ و نعم الوکیل فانقلبوا بنعمۃ من اللہ و فضل لم یمسسھم سوء و اتبعوا رضوان اللہ و اللہ ذو الفضل العظیم انما ذلکم الشیطان یخوف اولیاءہ فلا تخافوھم و خافون ان کنتم مومنین" (سورۃ ال عمران: آیت: ۱۷۲ تا ۱۷۵)

یعنی مسلمانوں سے جب کہا گیا کہ دیکھو! تمہارے مارنے کے واسطے لوگ جمع ہو گئے ہیں ان سے ڈرو! تو اس سے ان کا ایمان اور زیادہ ہو گیا۔ اور کہنے لگے کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ ہمارا اچھا وکیل ہے۔ سو ان کو کوئی برائی نہیں پہنچی اور وہ اللہ کی رضامندی کے ساتھ رہے۔ اور وہ جو ڈراتا ہے شیطان ہے اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے۔ یعنی اس کے ڈرانے سے ڈرنے والے شیطان کے دوست ہیں۔ سو تم ان سے مت ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو اگر تم مسلمان ہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ ایسے تخویفات سے ڈرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور مسلمان نہیں۔ اب غور کیا جائے کہ خدا و رسول کے کلام کی کوئی تکذیب کر کے اس کے حمایت کرنے والوں کو ذلت سے ڈرائے تو کیا ممکن ہے کہ وہ بزدلی کر کے چپ رہ جائیں گے؟ ہرگز نہیں۔ گالیوں کی ذلت تو کیا قتل کی تخویف سے بھی وہ نہیں ڈرتے۔



م خواب میں دیکھا کہ لمبی تلوار چلا رہے ہیں اور اسکی تعبیر

جس طرح مرزا صاحب نے ذلت سے ڈرایا اسی طرح تخویف کے لئے وہ یہ خواب بھی بیان فرماتے ہیں۔ جو ازالۃ الاوہام ص ۸۶ میں درج ہے ''کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک تلوار میرے ہاتھ میں ہے جس کا قبضہ میرے پنجہ میں اور نوک آسمان تک پہونچی ہوئی ہے جب میں اس کو دائیں طرف چلاتا ہوں تو ہزاروں مخالف اس سے قتل ہوجاتے ہیں اور جب بائیں طرف چلاتا ہوں تو ہزارہا دشمن اس سے مارے جاتے ہیں۔ اس خواب سے بھی مرزا صاحب کا مقصود مخالفین کی تخویف اور معتقدوں کا اعتقاد بڑھانا ہے کہ وہ اس غیبی تلوار سے دائیں بائیں مسلمان اور کفار کو تہہ تیغ کریں گے۔ کیونکہ جہلاء کو تعبیر تو معلوم ہی نہیں ہوسکتی اس لئے وہ ظاہری مفہوم کو سچ سمجھ لیں گے۔

دراصل تعبیر پر مطلع ہونا ہر کسی کا کام نہیں۔ البتہ بطور خود جب اس کا ظہور ہوجاتا ہے تو اس وقت یہ استدلال ہوسکتا ہے کہ صورت مثالیہ جو دکھلائی گئی تھی اس سے وہی مراد ہے جس کا ظہور ہوا۔ جب ہمارے مشاہدہ سے ثابت ہے کہ مرزا صاحب ایک طرف آیات واحادیث پر وار کررہے ہیں تو دوسری طرف اقوال سلف پر۔ تو کھلے طور پر معلوم ہوگیا کہ اس کی تعبیر یہی ہے جو ظہور میں آ گئی۔ اس سے ظاہر ہے کہ تلوار کی نوک جو آسمان تک پہونچی ہوئی ہے وہ اشارہ کررہی ہے کہ علوم سماویہ کو ان سے ضرر پہنچے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ مسئلہ معراج وحشر اجساد واحیائے اموات وحیات مسیح علیہ السلام وغیرہ مسائل میں بہت سے مسلمانوں کے دل میں خدشے پیدا ہوگئے اور بہتوں نے تو امنا و صدقنا بھی کھدیا۔ داہنے طرف ان کے مخالف آیات واحادیث ہیں اور بائیں طرف اقوال سلف، جن کو وہ تہ تیغ کررہے ہیں۔ ہر چند مرزا صاحب مسلمانوں کو اپنے مخالف سمجھتے ہیں مگر دراصل ان کو کوئی مخالفت نہیں۔ منشا مخالفت کا یہی ہے کہ وہ آیات واحادیث واقوال سلف پر تعدی کررہے ہیں جن کی حمایت ہر مسلمان پر فرض عین ہے۔ ورنہ جب تک مرزا صاحب کا حال کھلا نہ تھا براہین احمدیہ وغیرہ کے طبع میں کس قدر تائیدیں دیں۔ اور اگر مخالفین سے مراد اہل اسلام ہی ہوں تو ان کا قتل ہوجانا ظاہر ہے اس لئے کہ جب مرزا صاحب کی تقریر جو تیغ براں سے کم نہیں اور ان پر اثر کرگئی اور آیات قرآن اور

احادیث سے ان کا ایمان ہٹ گیا اور مرزا صاحب کے متبع ہوگئے تو ان کے قتل معنوی میں کیا شک یہ ہلاکت ایسی نہیں جس کے ہم پلہ موت ہو سکے بلکہ وہ ہلاک ابدی ہے اعاذنا اللہ وایاھم منہ۔

ثریا سے قرآن لانے کا الہام جھوٹا ثابت ہوا

اب مرزا صاحب کی اس تقریر پر غور کیجئے جو ازالۃ الاوہام (ص ۶۵۷) میں لکھتے ہیں کہ: حدیثوں میں یہ بات لکھی گئی ہے کہ مسیح موعود اس وقت دنیا میں آئیگا کہ جب علم قرآن زمین پر سے اٹھ جائیگا یہ وہی زمانہ ہے؛ جس کی طرف اشارہ ہے۔ لو کان ایمانا معلقا بالثریا لنالہ رجل من فارس یہ وہی زمانہ ہے جو اس عاجز پر کشفی طور پر ظاہر ہوا۔ جب خواب مرقوم الصدر کی تعبیر مشاہدہ سے ثابت ہوگئی تو اس خواب والی شمشیر نے اس کشف کو بے سروپا کر دیا کیونکہ تلوار کی نوک بآواز بلند کہہ رہی ہے کہ اگر قرآن بالفرض ثریا پر پہونچ جائے تو اس کو مرزا صاحب وہاں بھی نہ چھوڑیں گے اس لئے کہ تلوار کی نوک جہاں پہنچے اس سے وہاں وہی کام لیا جائیگا جو اس کے لائق ہے۔

م دلیل الہام اور وحی ہوا کرتی ہے انکے الہام قابل استدلال نہیں

ایک دلیل نبوت اور عیسویت پر ان کی یہ ہے کہ الہام ہوا کرتے ہیں اور اس دلیل کو بنسبت دوسری دلیلوں کے قوی بتلاتے ہیں یہاں تک کہ فرماتے ہیں: ہمارا دعوی الہام سے پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ عیسی علیہ السلام کی وفات الہام سے معلوم ہوئی اور اپنے کل فضائل کلیہ وجزئیہ اور خلیفۃ اللہ اور عیسی موعود رسول اللہ وغیرہ ہونا بھی الہام سے معلوم ہوا۔ مگر الہام ہونے کی جو خبریں دیتے ہیں ان میں یہ کلام ہے کہ سوائے ان کے مجرد قول کے اس پر کوئی گواہ نہیں۔ چونکہ انہوں نے حدیث شریف کے راویوں کی نسبت یہ فرمایا ہے کہ: جائز ہے کہ انہوں نے عمداً یا سہواً خطا کی ہو۔ تو ہم اس موقع میں کہہ سکتے ہیں کہ: جب راویوں میں صحابہ بھی شریک ہیں تو یہ احتمال وہاں تک پہونچ رہا ہے اور اس احتمال کو جب اس قدر وسعت دی گئی ہے کہ تمام اہل اسلام کے مسلم اشخاص پر شامل ہو رہا ہے تو مرزا صاحب ہی کے قول کے مطابق ان کے الہامی خبروں میں بھی وہی احتمال پڑ گیا کہ جائز ہے کہ عمداً یا سہواً انہوں نے خطا کی ہو اور انہیں کی تصریح کے مطابق کہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال ان کا کوئی الہام قابل استدلال نہ رہا۔



م الہاموں میں شیطان کا دخل ہوتا ہے

میاں عبدالحق صاحب کو مرزا صاحب کے جہنمی ہونے پر اس تصریح سے الہام ہوا تھا کہ ''سیصلی نارا ذات لھب'' یعنی قریب ہے کہ مرزا دہکتی آگ میں داخل ہوگا اس پر مرزا صاحب ازالۃ الاوہام (ص ۶۲۷) میں لکھتے ہیں کہ: یہ الہام شیطانی ہے اس وجہ سے کہ جب انسان اپنے نفس اور خیال کو دخل دے کر کسی بات کے استکشاف کے لئے بطور استخارہ اور استخبارہ وغیرہ کے توجہ کرتا ہے خاص کر اس حالت میں کہ جب اس کے دل میں یہ تمنا مخفی ہوتی ہے کہ میری مرضی کے موافق کسی کی نسبت کوئی برا یا بھلا کلمہ بطور الہام معلوم ہو جائے تو شیطان اس وقت اس کی آرزو میں دخل دیتا ہے۔ اور کوئی کلمہ اس کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے اور دراصل وہ شیطانی کلمہ ہوتا ہے۔

ان کے قاعدے کے مطابق انکے الہام شیطانی ہیں

مرزا صاحب نے یہاں ایک قاعدہ بتلا دیا کہ جب کسی چیز کی طرف توجہ تام ہوتی ہے تو شیطان آرزو میں دخل دیتا ہے اور اس وقت جو الہام ہوتا ہے وہ شیطانی ہوتا ہے۔ اب دیکھئے کہ مرزا صاحب ابتدائے شعور سے کتب مذاہب باطلہ کی طرف متوجہ ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر ایک نیا مذہب ایجاد ہی کر ڈالا۔ اس عرصہ میں شیطان کو ہر وقت موقع ملتا رہا اور وقتاً فوقتاً الہام کرتا رہا جو براہین احمدیہ وغیرہ کتب میں مذکور ہیں اور اب تک اس کا سلسلہ منقطع نہیں بلکہ صفائی اور بڑھتی جا رہی ہے۔ چنانچہ ''کن فیکون'' والا الہام اسی آخری زمانہ کا ہے انہوں نے جو قاعدہ ایجاد کیا ہے اس کی تصدیق بھی اس سے ہوتی ہے کہ ''سیصلی نارا'' کے الہام کے جواب میں ''تبت یدا ابی لھب'' کا الہام ہو گیا۔ جیسا کہ ازالۃ الاوہام (ص ۱۹۴) میں یہ الہام لکھتے ہیں: ''ویخوفونک من دونہ ایمۃ الکفر تبت یدا ابی لھب وتب''

م نبیوں کے جھوٹے الہام

الغرض اس سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب کو شیطانی الہام ہوا کرتے ہیں۔ مرزا صاحب کے اقرار سے ثابت ہے کہ عوام الناس تو کیا انبیاء کے الہاموں میں بھی شیطان کا دخل ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ چار سو نبیوں کے الہام ایک ہی واقعہ میں شیطانی اور جھوٹے نکلے۔ کما مر۔

جب انبیاء کے الہام بحسب اقرار مرزا صاحب جھوٹے نکلے تو مرزا صاحب کے الہاموں کا جھوٹے اور ساقط الاعتبار ہونا بطریق اولی ثابت ہو گیا۔

یہ بات بدلائل ثابت ہو چکی کہ مرزا صاحب کی کل پیش گوئیاں جھوٹی ثابت ہوئیں اور یہ ظاہر ہے کہ پیشگوئی بغیر الہام کے ہو نہیں سکتی اس لئے کہ آئندہ ہونے والے واقعے اور غیب کی باتیں جب تک خدائے تعالی الہام کے ذریعہ سے معلوم نہ کرائے کسی کو معلوم نہیں ہو سکتیں۔ پھر جب ان کی کل پیش گوئیاں جھوٹی ثابت ہوئیں تو معلوم ہوا کہ اس کے متعلق الہام بھی شیطانی تھے۔

کئی واقعات سے مرزا صاحب کا جھوٹ کہنا بلکہ جھوٹی قسمیں کھانا اور خیانت اور بدنیتی وغیرہ حالات معلوم ہوئے جن کا ذکر ہو چکا ہے اور ظاہر ہے کہ رتبہ الہام بغیر اعلی درجہ کے تقدس کے حاصل ہو نہیں سکتا اس لئے مرزا صاحب کے الہام ہرگز قرین صدق نہیں۔

کئی واقعات گواہ ہیں کہ مرزا صاحب نے دنیوی اغراض اور منافع حاصل کرنے کے لئے وعدہ خلافیاں کیں۔ داؤ پیچ کے دھوکے دیئے۔ غرض کہ کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا اس سے ظاہر ہے کہ الہام بھی انہی اغراض کی تکمیل کے لئے بنا لیا کرتے ہیں ان کو شیطانی الہام بھی کہنے کی ضرورت نہیں۔

مرزا صاحب نے جس طرح ظاہر بینوں کے لئے عقلی معجزات کی ایک نئی مد قائم کر کے اس میں تمام تدابیر اور داؤ پیچ داخل کر دیئے۔ اسی طرح معتقدین الہام کے لئے الہاموں کے ایجاد کی ضرورت ہوئی جس سے باطنی اور ظاہری لوازم نبوت برائے نام پورے ہو جائیں اور کسی کو یہ کہنے کی گنجائش نہ ملے کہ اگر مرزا صاحب نبی ہیں تو معجزے اور وحی کہاں؟ اسی لئے انہوں نے اس پر زور دیا کہ الہام ہی کا نام وحی ہے جیسا کہ براہین احمدیہ سے ظاہر ہے۔

خوارق عادات بنسبت الہام کے نہایت کم درجہ اور پست مرتبہ ہیں اس لئے کہ بتصریح حکماء و اہل اسلام ثابت ہے کہ خوارق کے ظاہر ہونے کے لئے اسلام شرط نہیں اسی وجہ سے جوگیوں وغیرہ سے بھی خوارق ظاہر ہوا کرتے ہیں اور الہام ربانی سوائے اعلی درجہ کے متقی اور اولیاء اللہ کے کسی کو نہیں ہوتے۔ چونکہ خوارق عادات علانیہ دکھلانے کی ضرورت تھی اس لئے انہوں نے اس میں

ایسی پیچیدگیاں ڈال دیں اور شروط کے شکنجہ میں داب دیا کہ عمر بھر مرزا صاحب کے خوارق دیکھنا کسی کو نصیب نہ ہو۔ اور الہام جو غیر محسوس امر تھا بطیب خاطر اس کو قبول کر کے اس بات پر زور دیا کہ وہ قطعی ہے اور متدین کو ضرور ہے کہ جب الہام کا نام سن لے تو دم نہ مارے اور یقیناً سمجھ لے کہ واقع میں وہ الہام ہوا ہے اور وہ الہام لوگوں پر حجت بھی ہے۔ کیا ان تصریحات کے بعد بھی اہل دانش اور سخن شناسوں پر مرزا صاحب کے الہاموں کی حقیقت پوشیدہ رہیگی۔

مرزا صاحب الہاموں کو قطعی اور حجت بنانے کی کوشش جو کررہے ہیں وہ اسی غرض سے ہے کہ ہر ایک مسئلہ میں استدلال کی تکلیف سے سبکدوشی حاصل ہوجائے اور یہ مرتبہ حاصل ہو کہ مرزا صاحب جو کچھ کہیں وہ وحی واجب التعمیل سمجھی جائے اگر کہا جائے کہ مرزا صاحب نے یہ بھی تو کہہ دیا ہے کہ: قرآن میں ایک نقطہ کی بھی کمی وزیادتی ممکن نہیں۔ اس میں تو کمال درجہ کی احتیاط ہے۔ اگر بالفرض کوئی الہام بنا بھی لیا تو وہ مخالف قرآن نہ ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہی فقرہ تو مسلمانوں کو دام میں پھانستا ہے۔ جتنے مدعیان نبوت گذرے سب کا یہی دعوی تھا مگر آیات قرآنیہ ہی سے انہوں نے حرام کو حلال بنایا تمام عبادات ساقط کردیئے جس کا حال ابھی معلوم ہوا۔ مرزا صاحب ہی کو دیکھ لیجئے کہ قرآن ہی سے تمام امت کو حتی کہ سلف صالح کو مشرک قرار دیا اور خاتم النبیین کے الفاظ پر ایمان بھی ہے باوجود اس کے نبوت اور رسالت کا دعوی بھی ہے اور وحی بھی برابر نازل ہوتی ہے اور معجزے بھی متواتر صادر ہورہے ہیں اور لوگ بھی ایمان لاتے جاتے ہیں۔ حشر اجساد کا انکار، معراج کا انکار، صلبی فرزند محروم الارث، انبیاء ساحر قرآن میں جن معجزات کا ذکر ہے وہ مسمریزم وغیرہ باوجود اس کے قرآن میں ایک نقطہ کی کمی وزیادتی ممکن نہیں۔

الحاصل جب ایک احتمال سے استدلال باطل ہوجاتا ہے تو مرزا صاحب کے الہام شیطانی بلکہ مصنوعی ہونے پر تو اتنے دلائل موجود ہیں پھر وہ ان کی نبوت اور عیسویت پر کیونکر دلیل ہوسکتے ہیں۔



م دلیل مجھ کو معارفِ قرآنی دیئے گئے ہیں

سورہ انا انزلناہ کی معارف قابل دید

ایک دلیل عیسویت پر یہ ہے کہ معارف قرآنی دیئے گئے ہیں۔ مرزا صاحب کو جن معارف پر ناز ہے سورۂ ''اِنَّا اَنۡزَلۡنَا'' کی تفسیر ہے جس کو ازالۃ الاوہام (ص ۱۰۰) میں کئی ورق لکھ کر لکھتے ہیں: ''کہ یہ معارف کیا کسی اور تفسیر میں مل سکتے ہیں'' چونکہ وہ نہایت طولانی تقریر ہے جس کو پوری نقل کرنا تضیع اوقات اور تطویل بلا طائل ہے اس لئے ملخصاً چند عبارتیں اس کی نقل کی جاتی ہیں:

''لکھتے ہیں کہ سورۂ ''اِنَّا اَنۡزَلۡنَا'' کے معانی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خدائے تعالی نے اس سورہ میں صاف اور صریح فرما دیا ہے کہ جس وقت کوئی آسمانی مصلح زمین پر آتا ہے تو اس کے ساتھ فرشتے آسمان سے اتر کر مستعد لوگوں کو حق کی طرف کھینچتے ہیں۔ قرآن کے آیات کے مفہوم سے یہ جدید فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ اگر ضلالت اور غفلت کے زمانے میں ایک دفعہ خارق عادت کے طور پر انسانوں کے قوی میں خودبخود مذہب کی تفتیش کی طرف حرکت پیدا ہونی شروع ہو جائے تو اس بات کی علامت ہوگی کہ کوئی آسمانی مصلح پیدا ہو گیا ہے کیونکہ بغیر روح القدس کے نزول کے وہ حرکت پیدا ہونا ممکن نہیں۔ پھر وہ حرکت تامہ ہو تو روبحق ہو جاتے ہیں اور حرکت ناقصہ ہو تو اور زیادہ گمراہ ہوتے ہیں۔ ہر نبی کے نزول کے وقت ایک لیلۃ القدر ہوتی ہے لیکن ان سب سے بڑی لیلۃ القدر وہ ہے جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئی اس لیلۃ القدر کا دامن قیامت تک پھیلا ہوا ہے اور جو کچھ قوائے انسانی میں جنبشیں آج تک ہو رہی ہیں وہ لیلۃ القدر کی تاثیریں ہیں۔ اور جس زمانے میں حضرت کا نائب پیدا ہوتا ہے تو یہ تحریکیں بہت تیز ہوتی ہیں۔ نائب کے نزول کے وقت جو لیلۃ القدر مقرر کی گئی ہے وہ درحقیقت حضرت ہی کی لیلۃ القدر کی شاخ اور ظل ہے۔ اس لیلۃ القدر کی شان میں فِيهَا يُفۡرَقُ كُلُّ اَمۡرٍ حَكِيۡمٍ ﴿۴﴾ (الدخان) ہے۔ یعنی اس لیلۃ القدر کے زمانہ میں جو قیامت تک ممتد ہے ہر ایک حکمت اور معرفت اور علوم اور صنعتیں ظاہر ہو جائیں گی۔ لیکن یہ سب کچھ ان دنوں میں پرزور تحریکوں سے ہوتا رہیگا کہ جب کوئی نائب

حضرت کا دنیا میں پیدا ہوگا۔ درحقیقت "سورۃ الزلزال" میں اسی کا بیان ہے۔ کیونکہ سورۃ القدر میں فرمایا گیا کہ "لیلۃ القدر" میں خدا کا کلام اور اس کا نبی اور فرشتے اترتے ہیں اور وہ ضلالت کی پر ظلمت رات سے شروع کر کے صبح صداقت تک اسی کام میں لگے رہتے ہیں کہ مستعد دلوں کو سچائی کی طرف کھینچتے رہیں۔ پھر سورۃ بَیِّنَہ میں بیان کیا کہ اہل کتاب اور مشرکین کی نجات پانے کی بھی یہی سبیل ہے کہ خدا نبی بھیجا اور زبردست تحریک دینے والے ملائک نازل کئے تھے۔ اس کے بعد "اِذَا زُلْزِلَتِ" میں یہ اشارہ کیا کہ جب تم یہ نشانیاں دیکھ لو تو سمجھ لو کہ وہ لیلۃ القدر اپنے تمام تر زور کے ساتھ پھر ظاہر ہوئی ہے اور کوئی ربانی مصلح مع فرشتوں کے نازل ہو گیا ہے زلزلۃ کی یہ صورت ہے کہ تمام قوائے انسانیہ جوش کے ساتھ حرکت میں آجائیں گی اور تمام علوم وفنون ظاہر ہو جائیں گے۔ اور فرشتے جو مرد صالح کے ساتھ آسمان سے اترے ہوں گے ہر شخص پر اثر ڈالیں گے۔ اس روز ایک مرد عارف متحیر ہو کر اپنے دل میں کہے گا کہ یہ طاقتیں اپنے میں کہاں سے آگئیں تب ہر ایک استعداد انسانی بزبان حال باتیں کریگا کہ یہ ایک وحی ہے جو ہر ایک استعداد پر اتر رہی ہے۔ دنیا پرستوں کی تحریکیں صنعتیں اور کلیں ایجاد کریں گی اور ہر ایک اپنی کوششوں کی ثمرات کو دیکھ لیں تب آخر ہو جائیگی یہ آخری لیلۃ القدر کا نشان ہے جس کی بنا ابھی سے ڈالی گئی ہے جس کی تکمیل کے لئے خدا نے اس عاجز کو بھیجا اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ "**انت اشد مناسبۃ بعیسی**" ہمارے علماء نے جو ظاہری طور پر "سورۃ الزلزال" کی تفسیر کی ہے کہ درحقیقت زمین کو آخری دنوں میں سخت زلزلہ آئیگا جس سے زمین کے اندر کی چیزیں باہر آجائیں گی۔ اور انسان یعنی کافر لوگ زمین کو پوچھیں گے کہ تجھے کیا ہوا تب اس روز زمین باتیں کریگی اور اپنا حال بتائیگی یہ سراسر غلط تفسیر ہے کہ جو قرآن کے سیاق وسباق سے مخالف ہے انتہی ملخصاً"

شان نزول نے انکی تُک بندیوں کو غلط ثابت کر دیا

مرزا صاحب کو ضرور تھا کہ پہلے سورۃ القدر کی شان نزول بیان کرتے جس سے مضمون خود حل ہو جاتا لیکن ان کو تفسیر بالرائے کرنا منظور تھا اس لئے انہوں نے اس کو چھوڑ دیا۔

درمنثور میں اس سورہ کی شان نزول کے بارے میں کئی حدیثیں منقول ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب امم سابقہ کی دراز درازعمریں اوران کی عمر بھر کی ریاضتیں دیکھیں اوراس کے بعد اپنے امتیوں کی عمروں کو دیکھا کہ بنسبت ان کے بہت کوتاہ ہیں اس چھوٹی سی عمر میں ان کے سے فضائل کیونکر حاصل کرسکیں گے۔اس ملال پر رحمت الٰہی جوش میں آئی اور ارشاد ہوا کہ: ہم تمہیں ایک لیلۃ القدر ایسی دیتے ہیں جو ہزار مہینوں سے افضل ہے

یعنی اس ایک رات کی عبادت ان لوگوں کی اسّی (۸۰) برس کی عبادت سے بہتر ہے۔اور انہی دنوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب بھی دیکھا تھا کہ اپنے منبر پر بنی امیہ یکے بعد دیگرے چڑھتے جاتے ہیں یہ بات بمقتضائے بشریت ناگوار طبع غیور ہوئی اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی جس میں یہ بتایا گیا کہ ہزار مہینے وہ لوگ سلطنت اسلامی پر قابض ہوں گے مگر فضیلت دنیوی کوئی چیز نہیں آپ کو اس معاوضے میں ایک فضیلت اخروی ہم ایسی دیتے ہیں کہ اس کے مقابلہ میں وہ سلطنت ظاہری کوئی چیز نہیں۔ وہ ایک رات آپ کی امت کے لئے اتنی فضیلت کی دی گئی کہ ان ہزار مہینوں سے افضل ہے چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کی خیر خواہی ہمیشہ ملحوظ اور پیش نظر رہتی تھی اس لئے آپ کو جو ان ہزار مہینوں کی سلطنت کا کسی قدر ملال تھا دفع ہوگیا۔علماء نے حساب کر کے دیکھا تو بنی امیہ کی خلافت برابر ہزار مہینے رہی۔

اب اس کے بعد مرزا صاحب کی پوری تقریر دیکھ لیجئے کہ اس واقعہ کے ساتھ اس کو کچھ بھی تعلق ہے اس سورہ سے مقصود تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی تھی مگر مرزا صاحب کو اصلی واقعات سے کیا غرض ان کو اپنی عیسویت کے دھن میں کچھ سوجتا ہی نہیں۔ کہاں ہزار مہینے سے لیلۃ القدر کا افضل ہونا اور کہاں مرزا صاحب کی نیابت اور کلوں کا ایجاد کسی چیز سے دلچسپی اور تعشق بھی بری بلا ہے آدمی کو سوائے اپنی محبوبہ کے کچھ سوجتا ہی نہیں۔

نقل مشہور ہے کہ کسی نے مجنوں سے پوچھا کہ خلافت کس کا حق تھا؟ اس نے جواب دیا: ’’کہ ہماری لیلی کا حق تھا‘‘ اسی طرح مرزا صاحب بھی کہتے ہیں کہ: اِنَّا اَنْزَلْنَا کو کسی سے کچھ تعلق نہیں وہ میری عیسویت کے واسطے اتری ہے۔



مرزا صاحب مصلح قوم نہیں ہو سکتے

مرزا صاحب نے "انزلناہ" کی ضمیر مصلح کی طرف پھیری جس کا کہیں ذکر نہیں تمام مفسروں نے وہ ضمیر قرآن کی طرف پھیری ہے چنانچہ بروایات صحیحہ ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مروی ہے کہ: اس رات قرآن شریف لوح محفوظ سے آسمانی دنیا پر نازل ہوا اور بخاری شریف میں ہے "انا انزلناہ الهاء كناية عن القرآن" مرزا صاحب کو مصلح قوم کی طرف ضمیر پھیرنے سے غرض یہ ہے کہ آپ بھی اس میں داخل ہو جائیں۔

اس موقع میں مرزا صاحب یہی فرمائیں گے کہ: آخر قرآن بھی مصلح قوم ہے اس لئے ضمیر "انزلناہ" سے مراد مصلح لی گئی جس کے مفہوم میں خود بھی داخل ہیں مگر یہ توجیہہ درست نہیں اس لئے کہ اول تو مرزا صاحب مصلح قوم ہو ہی نہیں سکتے اس لئے کہ انہوں نے تو کروڑ ہا مسلمانوں کو مشرک اور کافر بنا دیا جس کی وجہ سے ان کے نزدیک تمام قوم فاسد اور ہلاک ہوگئی۔ اور ظاہر ہے کہ جس کی وجہ سے کوئی قوم فاسد ہو جائے وہ مفسد قوم سمجھا جائیگا۔ غرض کے انہی کے اقرار کے مطابق وہ مصلح قوم نہیں ہو سکتے پھر قرآن پر مفہوم عام مصلح قوم کا صادق آنے سے یہ کیونکر ثابت ہوگا کہ جس طرح قرآن لیلۃ القدر میں اترا ہے ہر مصلح قوم بھی لیلۃ القدر میں اترتا ہے یہ بات تو ادنی طالب علم بھی جانتا ہے کہ کسی جزئی پر کوئی مفہوم عام اور کلی صادق آئے تو یہ ضرور نہیں کہ لوازم اس جزئی کے دوسری جزئیات پر بھی صادق آجائیں جن پر وہ مفہوم عام صادق آتا ہے کوئی جاہل یہ نہ کہیگا کہ غلام احمد صاحب چونکہ مرزا ہیں اور قادیان میں رہتے ہیں۔ اس وجہ سے جتنے مرزا ہیں سب قادیان ہی میں رہا کرتے ہیں۔

انکی غلط بیانی کا ثبوت

اب دیکھئے کہ مرزا صاحب نے جس بات پر اپنے معارف کی بنیاد رکھی ہے وہ کئی طرح سے غلط ثابت ہوئی۔ ایک یہ کہ ضمیر کے مرجع میں قصداً غلطی کی۔ دوسرے اپنے آپ کو مصلح قرار دیا۔ تیسرے ایک جزئی کے لوازم مختصہ کو دوسری جزئی میں ثابت کیا۔ پھر مصلح قوم کی اگر تعمیم کی جائے تو "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" کے لحاظ سے کل علمائے امت مصلح ہیں جن سے کوئی زمانہ

خالی نہیں۔ اس صورت میں مرزا صاحب کی خصوصیت ہی کیا اور وہ بات کیونکر صادق آئے جو لکھتے ہیں کہ: جب مصلح قوم اترتا ہے تو انسانی قویٰ میں خود بخود مذہب کی تفتیش کی طرف حرکت پیدا ہوتی ہے اور حکمت اور معرفت اور علوم اور صنعتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

مرزا صاحب نے اپنی نیابت کی یہ دلیل قرار دی کہ علوم اور صنعتیں اس زمانہ میں ظاہر ہو رہی ہیں۔ مگر یہاں یہ دیکھنا چاہئے کہ اگر یہ کوئی کمال کی بات ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صنعتوں کا ظہور زیادہ ہوتا حالانکہ وہ زمانہ نہایت سادہ اور فطرتی طور پر تھا۔ البتہ دین کی ترقی اس زمانہ میں روز افزوں تھی بخلاف مرزا صاحب کے زمانہ نیابت کے کہ دنیا کی ترقی روز افزوں ہے۔ اور دین کا انحطاط دیکھ لیجئے۔

کس طرح سے احادیث کو نظر انداز کر کے قرآن میں تصرف کیا

مرزا صاحب کے اوائل زمانہ میں کروڑہا مسلمان تھے جن کا مشرک اور بے دین ہونا محال تھا جیسا کہ براہین احمدیہ میں لکھ چکے ہیں جس کا حال اوپر معلوم ہوا اور شاید دس پندرہ سال بھی نہیں گذرے کہ انہیں کروڑہا مسلمانوں کو انھوں نے یہودی اور مشرک و بے دین بنا دیا اب خود ہی غور فرمائیں کہ یہ نیابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوئی یا اور کسی کی۔

خود غرضی سے صدہا لیالی قدر کا خون کیا

اور یہ جو لکھا ہے کہ حضرت کی لیلۃ القدر کا دامن قیامت تک پھیلا ہوا ہے اس کا مطلب ظاہر ہے کہ حضرت کی لیلۃ القدر ایک تھی اور مرزا صاحب کی لیلۃ القدر دوسری۔ یہ بھی خلاف احادیث صحیحہ ہے جن سے ثابت ہے کہ حضرت کے زمانہ میں بھی لیلۃ القدر ہر سال ہوا کرتی تھی اور قیامت تک ہر سال ہوا کریگی مسند امام احمد ابن حنبل اور ترمذی اور نسائی وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے: ''عن عائشۃ قالت: قلت: یارسول اللہ ان وافقت لیلۃ القدر فما أقول قال: قولی اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی ''یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت سے پوچھا کہ اگر لیلۃ القدر پاؤں تو کیا دعا کروں۔ حضرت نے ان کو یہ دعا تعلیم کی اس کے سوا لیلۃ القدر ہر سال ہونے کی احادیث بکثرت مذکور ہیں جن کو تمام اہل علم جانتے ہیں۔

اب مرزا صاحب کی خود غرضی کو دیکھئے کہ اپنی ایک لیلۃ القدر کے واسطے صدہا لیالی قدر کا خون کیا۔حق تعالی نے لیلۃ القدر کو ہزار مہینوں سے بہتر فرمایا نہ اس میں امتداد کا ذکر ہے نہ اس کے دامن دار ہونے کا اور مرزا صاحب اس کو دامن دار اور شاخ دار بنارہے ہیں ان کے قول پر اگر "الشاۃ خیر من فیل" کہا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہاتھی سے بکری زیادہ اونچی ہے جس کا قائل کوئی عاقل نہیں ہوسکتا۔

مرزا صاحب نے چند قادیانی بننے والوں کو دیکھا کہ اپنا مذہب اور دین چھوڑ کر دوسرے مذہب کی تفتیش کررہے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ اس کے لئے اندرونی تحریک کی ضرورت ہے اس پر یہ قیاس جمایا کہ روح القدس اس کا محرک ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ انسانوں کے قویٰ میں خودبخود مذہب کی تفتیش کی طرف حرکت شروع ہوجائے تو اس بات کی علامت ہوگی کہ کوئی آسمانی مصلح پیدا ہوگیا ہے کیونکہ بغیر روح القدس کے نزول کے وہ حرکت پیدا نہیں ہوتی اور روح کا اترنا لیلۃ القدر میں ثابت ہے اس سے یہ بات نکالی کہ جتنے اس قسم کے ایام ہیں سب لیلۃ القدر ہیں۔رات کو دن بنادینا ہر کسی کا کام نہیں۔ یہ بھی مرزا صاحب ہی کی ہمت کا خاصہ ہے

قرآن اور خدا کی مخالفت

یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ اہل اسلام کو تفتیش مذہب کے لئے اندرونی تحریک کرنا کیا روح القدس کا کام ہوگا یا شیطان لعین کا۔ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مسلمانوں سے دین اسلام ترک کرانے کے لئے روح القدس آسمان سے اترتے ہیں۔ پھر دوسرا اندھیر یہ ہے کہ حق تعالی نزول ملائکہ کے لئے طلوع فجر سے پہلے کا زمانہ معین فرمایا ہے۔جیسا کہ "حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ" سے ظاہر ہے مگر مرزا صاحب فرماتے ہیں: "کہ فرشتے صبح صادق تک کام میں لگے رہتے ہیں" یعنی دن رات اسی کام میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں سے ان کا مذہب وملت چھڑا دیں اس کے بعد سورۂ "اِذَا زُلْزِلَتِ" میں "یَوْمَئِذٍ" کا لفظ دیکھ کر مرزا صاحب نے لیلۃ القدر کی جوڑ ملادی اور لیلۃ القدر جس کی نسبت حق تعالی نے "خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ" فرمایا ہے اس کو ضلالت اور ظلمت کی رات قرار دی

جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ہزار مہینے سے بدتر ہے دیکھئے کس قدر قرآن اور خدا کی مخالفت کی کیا کوئی مسلمان اس بات پر راضی ہوگا کہ جس رات کی تعریف خدائے تعالی نے کی ہے اور صحیح روایتوں سے اس کی فضیلت ثابت ہے اس کو ضلالت کی رات سمجھے۔

قرآن کی غلط تاویلیں

پھر مرزا صاحب نے ''اِذَا زُلْزِلَتِ'' کی تفسیر کی جس کا ماحصل یہ ہے کہ خدائے تعالی جو فرماتا ہے کہ: ''زمین کو زلزلہ ہوگا'' غلط ہے صحیح یہ ہے کہ آدمی کی قوتیں حرکت کریں گی اور خدائے تعالی جو فرماتا ہے کہ اس کے خزانے وغیرہ اثقال جو اس میں مدفون ہیں نکل پڑیں گی وہ کہتے ہیں کہ: یہ غلط ہے صحیح یہ ہے کہ علوم وفنون ظاہر ہوں گے اور خدائے تعالی جو فرماتا ہے کہ زمین اس روز باتیں کرے گی وہ کہتے ہیں کہ: یہ بھی غلط ہے استعداد انسانی بزبان حال باتیں کرے گی۔

مرزا صاحب نے جو لکھا ہے کہ ہمارے علمانے جو تفسیر کی ہے کہ زمین کو زلزلہ آئیگا اور اندر کی چیزیں باہر آجائیں گی۔ اور زمین باتیں کریگی یہ سراسر غلط ہے۔ اس میں مرزا صاحب کی سراسر زیادتی ہے۔

ہمارے علماء نے سوائے قرآن پر ایمان لانے کے اور کچھ نہیں کیا کوئی بات اپنی طرف سے نہیں لکھی بلکہ جس طرح مرزا صاحب اکثر کہا کرتے ہیں کہ ''**النصوص یحمل علی الظواھر**'' ظاہر آیات کی تصدیق کی البتہ مرزا صاحب کو ان کی عقل نے ایمان سے روک دیا۔

خدا کی تکذیب

انہوں نے لڑکپن سے دیکھا ہے بات دو اُنگل کی زبان سے ہوا کرتی ہے اس لئے ان کی عقل نے صاف حکم کر دیا کہ کلام الٰہی غلط ہے اگر خدا بھی چاہے کہ زمین سے بات کرائے تو وہ ممکن نہیں اس لئے کہ اس کو زبان نہیں۔ اگر مرزا صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ بات کرنے کے لئے گوشت کا لوتھڑا ضروری ہے تو یہ لازم آئیگا کہ خدائے تعالی بات کرانے میں نعوذ باللہ اس لوتھڑے کا محتاج ہے پھر ہم دیکھتے ہیں کہ گونگوں اور جانوروں کو بھی زبان ہوتی ہے مگر بات نہیں کر سکتے اور اگر یہ سمجھتے ہیں کہ خدائے تعالی اپنی حکمت بالغہ سے جیسے اس لوتھڑے کو قوت کلام بخشی ہر چیز کو یہ قوت بخش سکتا ہے

تو پھر زمین کے بات کرنے میں کیا کلام اور اس میں خدائے تعالیٰ کی تکذیب کرنے کی کیا ضرورت تھی اب اہل انصاف غور کریں کہ جب مرزا صاحب کی عقل اس درجہ کی قوت پر ہے کہ خدائے تعالیٰ کے بھی مقابلے میں کھڑی ہو جاتی ہے تو کیا ممکن ہے کہ کوئی دوسرا ان کا مقابلہ کر سکے اور اگر کسی نے کیا بھی تو کیا مرزا صاحب اس کو تسلیم کریں گے۔ اگر اہل اسلام کو اپنا ایمان بچانا منظور ہے تو مرزا صاحب کی عقل کے دام سے بچیں اور یاد رکھیں کہ ذرا بھی ان کی طرف مائل ہو گئے تو دلوں میں کجروی کا مادہ پیدا کر دیا جائیگا جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: "فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ" (الصّف:۵) وما علینا الا البلاغ

الحاصل مرزا صاحب کے معارف کا یہ حال ہے جو آپ نے دیکھ لیا کہ نہ قرآن سے کام ہے نہ حدیث سے نہ عقل سے کیونکہ اگر عقل سے کام لیا جاتا تو لیلۃ القدر کی تعریف کر کے اس کی مذمت نہ کرتے اور زمین کے بات کرنے کا انکار خدا کی قدرت پر ایمان لانے کے بعد نہ کرتے۔ الغرض بے تکی باتیں ملانے کا نام انہوں نے معارف رکھ دیا اور اسی کو اپنی عیسویت کی دلیل قرار دی ہے۔

م ۲۳ سال کی مہلت حقانیت کی دلیل ہے

رسالۂ **قطع الوتین باظہار کید المفترین** میں لکھا ہے کہ مرزا صاحب کے مریدوں کی بڑی دلیل یہ ہے کہ اگر مرزا صاحب مفتری علی اللہ ہوتے تو ۲۳ سال یا اس سے زیادہ ان کو مہلت نہ ملتی اور مرزا صاحب نے بھی اشتہار جاری کیا کہ اگر کوئی شخص ایسا مفتری علی اللہ دکھادے جس نے ۲۳ سال کی مہلت پائی ہو تو ہم اس کو پانچ سو (500) روپیہ انعام دیں گے۔

اس پر حافظ محمد یوسف صاحب نے ایک فہرست ہی پیش کر دی جس میں ۲۳ سال سے زیادہ جن مفتریوں کو مہلت ملی ان کے نام درج تھے۔

وعدہ خلافی

مگر مرزا صاحب نے نہ اس کا جواب دیا نہ اس وعدہ کا ایفا کیا جو اشتہار میں کیا تھا۔ فہرست رسالہ مذکور میں لکھ دی گئی ہے اصل دلیل ان کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے "وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا

بَعۡضَ الۡاَقَاوِیۡلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذۡنَا مِنۡہُ بِالۡیَمِیۡنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعۡنَا مِنۡہُ الۡوَتِیۡنَ ﴿۴۶﴾" (الحاقۃ)
یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات اپنے دل سے بنا کر ہماری طرف منسوب کر دیتے تو ہم ان کے دل کی رگ کاٹ ڈالتے یعنی ہلاک کر دیتے اس سے ان کا مقصود یہ ہے کہ اگر خود ہی خدا پر افتراء کئے ہوتے تو اس آیت شریفہ کے مطابق بہت جلد ہلاک کر دیئے جاتے اور اس میں ان کی خصوصیت نہیں جس نے خدا پر افتراء کیا فوراً ہلاک کر دیا گیا کوئی (۲۳) سال تک زندہ نہ رہا اگر رہا ہو تو اس کا نام بتایا جائے۔

مفتریوں کو مہلت ملا کرتی ہے

مرزا صاحب (۲۳) سال سے زیادہ زندہ رہنے والے مفتریوں کی نظیریں جو طلب فرماتے ہیں اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ کیا اس مدت کو مفتری کی برأت میں کوئی خصوصیت ہے۔
کیا (۲۳) برس تک کوئی مفتری زندہ نہیں رہ سکتا اور ۲۲ برس تک رہ سکتا ہے اگر ایک سال بھی کسی مفتری کو مہلت ملے تو وہ بھی مثل مرزا صاحب کے کہہ سکتا ہے کہ اگر میں مفتری ہوتا تو اتنی مدت جس میں پوری چار فصلیں گذریں مجھے کبھی مہلت نہ ملتی کیا یہ قول اس کا قابل تسلیم ہو سکتا ہے۔
الغرض مرزا صاحب (۲۳) برس کی مدت جو مقرر کر رہے ہیں وہ درست نہیں۔ صرف ایسے لوگوں کی فہرست کافی تھی جن کو باوجود افتراء کے کچھ مہلت ملی۔
اصل یہ ہے کہ دارالجزاء قیامت ہے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: "اِنَّمَا یُؤَخِّرُهُمۡ لِیَوۡمٍ تَشۡخَصُ فِیۡهِ الۡاَبۡصَارُ ﴿۴۲﴾" (ابراہیم)
اگر افتراء کا یہ لازمہ ہوتا کہ اسی عالم میں اس کی سزا ہو جائے تو تخلف لازم کا ملزوم سے عقلاً درست نہ ہونے کی وجہ سے یہ لازم ہوگا کہ بمجرد افتراء کے فوراً سزا ہو جائے حالانکہ مرزا صاحب بھی اس کے قائل ہیں کہ مسیلمہ کذاب وغیرہ گذرے ہیں اور ان کو بمجرد افتراء کے سزا نہیں ہوئی اور ایسے لوگ دس بیس سال (سے) بھی اکثر زندہ رہے ہیں۔ مسیلمہ کذاب ہی کو دیکھ لیجئے کہ اس قدر اس کو مہلت ملی کہ لاکھ آدمی سے زیادہ اس نے فراہم کر لیے وہ زمانہ وہ تھا کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم تشریف فرماتھے اور حضرت کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وغیرہ کل صحابہ موجود تھے ہدایت روز افزوں ترقی پر تھی ملک خاص عرب کا تھا جس کو منبع ہدایت ہونے کا فخر حاصل ہو چکا تھا ایسے متبرک زمانے اور متبرک مقام میں جب اس کو اس قدر مہلت ملی تو اس زمانے میں جو ضلالت روز افزوں ترقی کر رہی ہے اور ہندوستان جیسے ملک میں کسی مفتری علی اللہ کو پچیس تیس سال مہلت مل جائے تو کیا تعجب ہے بلکہ زمان ومکان وغیرہ حالات کی مناسبت سے دیکھا جائے تو اس زمانے میں مفتری کو ایک دن مہلت ملنا اس زمانے کی پچیس تیس سال کی مہلت کے برابر ہے

الغرض اس سے ثابت ہے کہ مفتری علی اللہ کو مہلت ملا کرتی ہے اور وہ استدراج ہے جس کی نسبت حق تعالیٰ فرماتا ہے: "سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ؕ" (القلم:) یعنی مہلت دے کر آہستہ آہستہ ان کو ایسے طور پر ہم کھینچتے ہیں کہ ان کو خبر نہ ہو۔ مرزا صاحب جو جلدی فرماتے ہیں کہ اگر مفتری ہوں تو چاہئے کہ عذاب اتر آئے سو اس کا جواب قرآن شریف میں پہلے ہی ہو چکا ہے۔ قولہ تعالیٰ: "وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰۤى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ" (ھود:۸) یعنی اگر ان کے عذاب میں تاخیر کی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ اس کو کس نے روکا یاد رہے کہ جب وہ آئیگا تو پھر نہ پھریگا۔

ق زیادتی غضبِ الٰہی سے مہلت ملا کرتی ہے

قرآن میں جو واقعات مذکور ہیں۔ اگر پیش نظر ہوں تو معلوم ہوسکتا ہے کہ زیادتی مہلت کا سبب زیادتی غضب الٰہی ہوتا ہے کہ مفتری دل کھول کر افترا پردازیاں کرے اور پورے طور پر حجت قائم ہو جائے

چنانچہ ارشاد ہے قولہ تعالیٰ: "اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْۤا اِثْمًا ۚ" (ال عمران:۱۷۸) یعنی ہم اسی واسطے ان کو مہلت دیتے ہیں کہ خوب گناہ کریں۔ اور آیت شریفہ

"وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿٤٤﴾" (الحاقۃ) سے جو استدلال کیا جاتا ہے۔ وہ صحیح نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ تمام انبیاء خصوصا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ درجہ کے مقرب بارگاہ الٰہی ہیں ان کی شان یہی ہے کہ افترا وغیرہ رذائل کا خیال تک نہ آنے دیں۔ اسی واسطہ حق تعالیٰ

فرماتا ہے: ''کہ اگر بفرض محال وہ ایک بھی افترا کرتے تو ہلاک کر دئے جاتے''

اور دوسرے انبیاء کے حالات سے بھی ظاہر ہے کہ ادنی ادنی خلاف مرضی حرکات سے سخت مصیبتیں ان پر ڈالی گئیں۔ بخلاف ان لوگوں کے کہ اسی کام کیلئے مقرر کئے جاتے ہیں ان کا تو لازمہ یہی ہے کہ عمر بھر ایسے ہی کام کیا کریں

ق آدمیوں کے شیاطین خدا کی طرف سے مقرر ہیں

چنانچہ حق تعالی فرماتا ہے: ''وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ'' (الانعام:۱۱۲) یعنی شیاطین انس وجن کو ہر نبی کے دشمن ہم نے مقرر کر دیئے تھے اور ارشاد ہے قولہ تعالی:

''وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا'' (الانعام:۱۲۳)

یعنی ہر بستی میں بڑے بڑے گناہگار ہم نے پیدا کر دئے تا کہ ان میں مکاریاں کریں۔

الحاصل (۲۳) سال یا اس سے زیادہ کوئی مفتری علی اللہ زندہ رہے تو یہ نہ سمجھا جائیگا کہ وہ مفتری نہیں بلکہ یہی سمجھا جائیگا کہ وہ اسی کام کے واسطے مقرر کیا گیا ہے اگر مثل فرعون کے صدہا سال بھی زندہ رہیگا تو وہی اپنا فرض منصبی ادا کرتا رہیگا جس کام کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کی علامتیں

یہ ادعائی مسیح کی نشانیاں اور دلائل تھے اب اصلی عیسی علیہ السلام کی علامتیں بھی سنئے جو صحیح صحیح احادیث میں وارد ہیں۔ مگر اس مقام میں پہلے غور کر لیا جائے کہ عیسی علیہ السلام کا دنیا میں آنا کوئی عقلی مسئلہ نہیں جس میں رائے لگائی جائے۔ اس بات میں جو احادیث وارد ہیں اگر علیحدہ کر دئے جائیں تو یہ مسئلہ اس قابل نہیں رہتا جس کی طرف توجہ کی جائے۔ اسی وجہ سے مرزا صاحب کو نیچروں سے شکایت ہے کہ ان احادیث کو وہ مانتے ہی نہیں۔

غرض کہ مرزا صاحب اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ اس باب میں جو احادیث وارد ہیں ضرور مانی جائیں۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں کہ: جس طرح اہل اسلام مانتے ہیں

اوران کے ظاہری معنی بطور خرق عادت عیسیٰ علیہ السلام میں ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ درست نہیں بلکہ ایسے طور پر ان احادیث کے معنی لئے جائیں کہ اپنے پر یعنی مرزا صاحب پر صادق آجائیں۔

م حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عیسیٰ اور دجال و یاجوج و ماجوج وغیرہ کی حقیقت منکشف نہ ہوئی

م انبیاء پیش گوئی کی تعبیر میں غلطی کھاتے ہیں

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسیٰ ابن مریم کا نام جو لے لیا ہے اس کی وجہ یہ تھی (ازالۃ الاوہام ص ۶۹۱) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عیسیٰ ابن مریم اور دجال اور یاجوج و ماجوج اور دابۃ الارض کی حقیقت منکشف ہوئی نہ تھی۔ (ازالۃ الاوہام ص ۶۹۰) اور انبیا پیشگوئیوں کی تاویل تعبیر میں غلطی کھاتے ہیں۔ جس کا مطلب اور ماحصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عیسیٰ ابن مریم روح اللہ کے نزول کی خبر دی ہے وہ غلط ہے درحقیقت عیسیٰ موعود غلام احمد قادیانی ہیں اور ان سے خوارق عادات کوئی ظاہر نہ ہوں گے۔ بلکہ ردنصاری میں چند معمولی تقریریں لکھ دیں گے اور ان تمام حدیثوں کی پیشگوئی پوری ہوجائیگی۔ سبحان اللہ ''کوہ کندن وموش برآوردن'' کا مضمون یہاں پورا پورا صادق آرہا ہے۔

احادیث نزول عیسیٰ علیہ السلام کس شدومد سے ثابت کئے گئے اور ان سب کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک پنجابی شخص پیدا ہوکر ردنصاری میں چند معمولی تقریریں لکھدے گا۔ اس باب میں مرزا صاحب کو تکلیف گوارا کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی بفضلہٖ تعالی ردنصاری کرنے والے اس وقت ایسے بہت سارے لوگ موجود ہیں کہ جو اپنی عمر بھر کی مزاولت کی وجہ مرزا صاحب سے کہیں زیادہ اس باب میں یدطولیٰ رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ مرزا صاحب کی عمر کا ایک معتدبہ حصہ تو متفرق مذاہب باطلہ کی کتابوں کے مطالعہ میں صرف ہوا اور اس کے بعد جب یک سوئی حاصل ہوئی تو دعوی عیسویت شروع ہوا اور اس میں اس قدر استغراق اور انہماک ہے کہ جس کا بیان نہیں اگر مناظرہ ہے تو اسی مسئلہ میں اور تصانیف ہیں تو ان میں اسی دعوی کے دلائل ولوازم۔ پھر ان کو ردنصاری کی نوبت ہی کہاں آئی۔ براہین احمدیہ میں جو وعدہ کیا تھا اس کا بھی ایفا نہ کرسکے۔



م نصوص ظاہر پر حمل کئے جائیں

الحاصل جب یہ مسئلہ نقلی ہے جس میں عقل کو کوئی دخل نہیں اور ان احادیث پر جو اس باب میں وارد ہیں ایمان لایا گیا تو ان کے ظاہری معنی پر ایمان لانے سے اہل ایمان کیوں روکے جاتے ہیں حالانکہ مرزا صاحب ازالۃ الاوہام (ص ۴۰۹، ۵۴۰) میں خود لکھتے ہیں: ''کہ نصوص کو ظاہر پر حمل کرنے پر اجماع ہے''

اب ان امور کو پیش نظر رکھ کر غور کیجئے کہ جو عیسیٰ علیہ السلام کی علامات احادیث میں وارد ہیں ان سے مرزا صاحب کو کیا تعلق ہے

دمشق کا مینار قادیان میں کھڑا کر دیا

(1) دمشق میں مینار کے پاس عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اترنا۔

اس حدیث کو مرزا صاحب نے ازالۃ الاوہام میں نقل کیا لیکن اس کے ساتھ یہ بھی لکھ دیا کہ اس سے مراد قادیان ہے اور وہاں ایک مینار اس غرض سے تیار کر دیا کہ اگر دمشق نہیں تو مینار ہی سہی جس سے ایک جزء حدیث کا صحیح آجائے

یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ اس حدیث کو نیچریوں نے جو نہ مانا اور مرزا صاحب نے مان لیا ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ ادنیٰ تامل سے معلوم ہوسکتا ہے کہ وہی فرق ہے جو جہل بسیط اور جہل مرکب میں ہوا کرتا ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کا حکم عادل ہونا

ح نزول عیسیٰ علیہ السلام

(2) عیسیٰ علیہ السلام کا حکم عادل ہونا جو اس روایت صحیح بخاری میں مصرح ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ''والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکماً عدلاً فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع



الجزیۃ ویفیض المال حتی لا یقبلہ احد حتی یکون السجدۃ الواحدۃ خیرا من الدنیا وما فیھا۔ ثم یقول ابو ھریرۃ: واقرؤا ان شئتم وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَکُوْنُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا“

یعنی قسم ہے خدا کی کہ ابن مریم حاکم، عادل ہوکر تم میں اتریں گے اور صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ اٹھادیں گے، اور انکے زمانہ میں مال بہت ہوجائیگا کہ کوئی اس کو قبول نہ کریگا یہاں تک کہ ایک سجدہ دنیا ومافیہا سے بہتر ہوگا۔ ابو ہریرہ؄ کہتے ہیں کہ اگر چاہو اس کی تصدیق قرآن میں پڑھ لو کہ حق تعالی فرماتا ہے کہ کل اہل کتاب اس وقت عیسی علیہ السلام پر ان کی موت سے پہلے ایمان لائیں گے اور وہ اس پر گواہ ہونگے۔

اس حدیث شریف سے ظاہر ہے کہ عیسی علیہ السلام عادل ہوں گے کسی پر ظلم نہ کریں گے۔ اور مرزا صاحب کے عدل کا حال آپ نے دیکھ لیا کہ ان کی سمدھن کے بھائی نے جواُن کو لڑکی نہ دی تو اس کا وبال اپنی بہو پر ڈالا اور اپنے فرزند کو طلاق پر مجبور کیا۔ میراث پدری سے خلاف شرع محروم کردیا اور اس کا کچھ خیال نہ کیا کہ حق تعالی فرماتا ہے: ”وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی“ (الفاطر:۱۸) کیا کسی ملت میں اس کو عدل کہہ سکتے ہیں

مرزا صاحب نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قسم کا اعتبار نہیں کیا

جب مرزا صاحب پر قوائے شہوانیہ اور غضبانیہ کا اس قدر تسلط ہے کہ مہر پدری پر بھی وہ غالب ہیں تو دوسروں کے ساتھ کیا عدل کریں گے

اس حدیث میں آپ نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس جزم سے قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ: ابن مریم تم میں اتریں گے۔ اور مرزا صاحب کہتے ہیں کہ: حضرت کو اس کشف میں غلطی ہوئی۔ اب اہل ایمان غور کریں کہ معمولی آدمی بھی کسی بات پر قسم کھانے میں کمال درجہ کی احتیاط کیا کرتا ہے اور ذرا بھی شک ہوتو اس کا ایمان قسم سے اسکو روک دیتا ہے بخلاف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ نعوذ باللہ غلط بات پر بے دھڑک قسم کھالی اور عمر بھر اسی غلطی پر رہے کیونکہ کسی حدیث میں یہ

نہیں ہے کہ حضرت نے رجوع کر کے یہ فرمایا ہو کہ اس کشف میں مجھے غلطی ہوگئی تھی۔ یہ الزام مرزا صاحب جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر لگا رہے ہیں اس سے ان کا مقصود حضرت کے کشف اور اقوال کو ساقط الاعتبار کر دینا ہے۔ اس کے سوا جو جو قباحتیں اس میں لازم آتی ہیں ان کی تفصیل کرنے میں ہمارا قلم یاری نہیں دیتا۔

انکا ایمان خدا اور رسول پر کس قسم کا ہے

ایک عقل مند ادنی تامل سے سمجھ سکتا ہے کہ یہ کس درجہ کا حملہ ہے پھر یہ حملہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر نہیں ہے حق تعالی پر بھی ہے کہ ایسے معصوم اور مکرم نبی پر ایک ایسی بات منکشف کر دی جو غلط تھی اور نعوذ باللہ اس سے اتنا بھی نہ ہوسکا کہ اس غلطی کی اصلاح کر دیتا۔ اب اہل دانش اندازہ کر سکتے ہیں کہ مرزا صاحب کا ایمان خدا و رسول پر کس قسم کا ہے اور ایسے ایمان کو ایمان کہنا ہوسکتا ہے یا نہیں۔

صلیب کا توڑنا اور خنزیر کو قتل کرنا

(3؃4) صلیب کو توڑنا اور خنزیر کو قتل کرنا جیسا کہ بخاری کی روایت مذکورہ سے ثابت ہے مرزا صاحب نے ازالۃ الاوہام (ص ۴۲۸) میں لکھا ہے: کیا ان احادیث پر اجماع ہوسکتا ہے کہ مسیح آ کر جنگلوں میں خنزیروں کا شکار کھیلتا پھریگا اور کسی مقام میں لکھا ہے: کہ کیا ان کا یہی کام ہوگا کہ صلیبوں کو توڑتے اور خنزیروں کو قتل کرتے پھریں گے اور اسی کے (ص ۸۱) میں لکھتے ہیں کہ: مراد اس سے یہ ہے کہ مسیح دنیا میں آ کر صلیبی مذہب کی شان وشوکت کو اپنے پیروں کے نیچے کچل ڈالیگا اور ان لوگوں کو جن میں خنزیروں کی بے حیائی اور نجاست خواری ہے ان پر دلائل کا ہتھیار چلا کر ان سب کا کام تمام کر دیگا۔

اس سے ضمناً مرزا صاحب کا دعوی بھی معلوم ہوا کہ انہوں نے صلیبی مذہب کی شان وشوکت کو اپنے پیروں کے نیچے کچل ڈالا اور نصاری کے دلائل کا کام تمام کر دیا۔ مگر قصہ مسٹر اتھم کے ملاحظہ سے ظاہر ہے کہ انہوں نے نصاری کے مقابلے میں اسلام ہی کا کام تمام کر ڈالا تھا خیر گذری کہ

اہل اسلام نے عملی طور پر ان کو اسلام سے خارج کر دیا ورنہ اسلام پر برا اثر پڑتا جس کا حال اوپر معلوم ہوا پھر یہ بات اب تک معلوم نہیں ہوئی کہ مرزا صاحب کی دلائل سے عیسائی مذہب کی شان وشوکت میں کیا فرق آ گیا۔ پادریوں کے حملے جیسے پہلے تھے اب بھی ہیں اور جس طرح پہلے ان کی قومی ترقی تھی اب بھی جاری ہے۔ غرض کہ کسر صلیب کے معنی کو مرزا صاحب نے گو بدل دیا مگر اس سے بھی وہ منتفع نہیں ہو سکتے اسی طرح قتل خنزیر کا بھی حال ہے کہ عیسائیوں کو خنزیر قرار دیا ہے اور قتل سے مراد ان کا رد لیا۔ مگر یہ قتل بھی ان سے نہ ہو سکا بلکہ سچ پوچھئے تو مسٹر آتھم صاحب ہی نے ان کو قتل کر ڈالا جس کے مقابلہ میں وہ دم نہ مار سکے۔

مرزا صاحب قتل خنزیر کے معنی میں جو مسلمانوں پر الزام لگاتے ہیں وہ ان کی نافہمی ہے کوئی مسلمان اس کا قائل نہیں کہ عیسی علیہ السلام خنزیروں کا شکار جنگلوں میں کرتے اور صلیبوں کو توڑتے پھریں گے۔ اگر مرزا صاحب کنائے کی حقیقت سمجھے ہوتے تو یہ اعتراض کبھی نہ کرتے۔ مسلمانوں نے کسر صلیب اور قتل خنزیر کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ عیسی علیہ السلام کے زمانہ میں نصاری مغلوب ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ صلیب ان کا شعار دین ہے۔ اور خنزیر نہایت مرغوب الطبع ہے۔ اور قاعدہ کی بات ہے کہ ہر شخص ان دونوں قسم کی چیزوں کو نہایت دوست رکھتا ہے اور ان کی حفاظت میں جان کی بھی پرواہ نہیں کرتا پھر ایسی چیزوں کو کوئی تلف کر ڈالے اور وہ منہ دیکھتے رہے اور کچھ نہ کر سکے تو یہ سمجھا جائیگا کہ وہ شخص نہایت مغلوب ہے۔ مرزا صاحب اس کا تجربہ کر لیں۔ کسر صلیب اور قتل خنزیر تو درکنار ذرا بری نگاہوں سے ان اشیاء کو دیکھ تو لیں جس سے معلوم ہو کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے عیسی علیہ السلام کو وہ قوت وشوکت حاصل ہوگی کہ کسی کی صلیب کو علانیہ توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کر ڈالیں گے اور کوئی مزاحم نہ ہو سکے گا۔ یہ ان کے کمال شوکت اور غلبہ کی دلیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آخر یہاں تک نوبت پہونچ جائیگی کہ سوائے اسلام کے کوئی دین باقی نہ رہیگا۔ کل نصاری مسلمان ہو جائیں گے۔ جیسا کہ حق تعالی فرماتا ہے:

”وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ“ (سورۃ النساء:۱۵۹) اور حدیث شریف میں ہے: ”عن ابی هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

ولیھلک اللہ فی زمانہ (ای زمن عیسی علیہ السلام) الملل کلھا الا الاسلام" رواہ احمد و ابو داؤد یعنی عیسی علیہ السلام کے زمانہ میں سوائے اسلام کے کوئی دین باقی نہ رہیگا۔ الحاصل کسر صلیب اور قتل خنزیر عیسی علیہ السلام کی علامت مختصہ ہے کسی طور سے یہ علامتیں مرزا صاحب میں نہیں پائی جاسکتیں۔

وضع جزیہ

(5) وضع جزیہ جو بخاری شریف کی حدیث میں مذکور ہوا یہ علامت بھی مرزا صاحب میں ہرگز نہیں پائی جاسکتی اور نہ اس کے پائے جانے کی توقع ہے۔ اس لئے کہ اگر بالفرض ان کی حکومت ان کے مریدوں پر فرض کی جائے تو بجائے اس کے وہ جزیہ موقوف کرتے ان سے جزیہ جس قسم کا ممکن ہے برابر وصول کرتے ہیں جیسا کہ اخبار الحکم وغیرہ سے ظاہر ہے۔ اور اگر جزیہ سے مراد وہ رقم ہے کہ خاص کافروں سے لی جاتی ہے تو ہندوستان میں اس کا وجود ہی نہیں اور نہ یہ توقع ہے کہ مرزا صاحب کی موت سے پہلے اس کا رواج ہوا اس لئے اس کا موقوف کرنا کسی طرح صادق نہیں آسکتا۔

انکی غلط بیانی ثابت ہوئی

اس حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرزا صاحب نے جو دمشق کو قادیان اور اپنے کو عیسی موعود قرار دیا ہے وہ غلط ہے اس لئے کہ اگر وہ عیسی ہوتے تو جزیہ موقوف کردیتے اور یہ ممکن نہیں۔ بخلاف عیسی علیہ السلام کے جب دمشق میں اتریں گے جزیہ موقوف کردیں گے جس کا رواج وہاں موجود ہے اور نزول عیسی علیہ السلام تک بھی جاری رہیگا جس سے یہ علامت بھی پوری ہوگی۔

مال بے حساب تقسیم کرنا

(6) مال بے حساب تقسیم کرنا۔

جیسا کہ حدیث بخاری میں مذکور ہوا۔ اور مسلم شریف میں ہے: "ولیدعن الی المال فلایقبلہ احد"

اور مسند امام احمد و بخاری و مسلم و ترمذی میں ہے کہ: ”ویقیض المال حتی لا یقبله احد“ ور نیز بخاری و مسلم میں ہے: ”یکثر فیکم المال فیفیض حتی یهم رب المال من یقبل صدقته فیقول الذی یعرضه علیه لا ارب لی به“ اور روایت مسلم میں ہے: ”یکون فی آخر الزمان خلیفة یقسم المال و لا یعده“

یہ کل حدیثیں مرفوع ہیں اور اس مضمون کی کئی روایتیں وارد ہیں؛ جن کا مضمون یہ ہے ”کہ قیامت کے قریب مال بکثرت ہوگا اور زمین سے خزانے ابلنے لگیں گے۔ اور مہدی اور عیسی علیہما السلام بے حساب تقسیم کریں گے۔ یہاں تک کہ اس کے لینے کے لئے جس کو بلائیں گے وہ یہی کہے گا کہ مجھے حاجت نہیں۔

م قرآن بیش قیمت مال ہے اسے خوشی سے قبول کرو

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام (ص ۶۵۶) میں آیت شریفہ

”فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝۵۸“ (یونس) اس کا ترجمہ لکھتے ہیں کہ ان کو کہہ دے کہ خدائے تعالی کے فضل سے یہ قرآن بیش قیمت مال ہے۔ اس کو تم خوشی سے قبول کرو۔

م قرآن وہی مال ہے جس کی نسبت پیش گوئی ہے کہ مسیح مال بہت تقسیم کریگا

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ علم و حکمت کے مانند کوئی مال نہیں یہ وہی مال ہے جس کی نسبت پیش گوئی کے طور لکھا تھا: ”مسیح دنیا میں آکر مال کو اس قدر تقسیم کریگا کہ لوگ لیتے لیتے تھک جائیں گے“ یہ نہیں کہ مسیح درہم و دینار کو جو بمصداق آیت ”اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ“ (سورۃ التغابن: آیت: ۱۵) ہے جمع کریگا اور دانستہ ہر ایک کو مال کثیر دے کر فتنہ میں ڈال دیگا۔

مرزا صاحب نے دیکھا کہ ہر کس و ناکس کے زبان زد ہے: ”کہ ایں ہمہ شکل برائے اکل“ ایک مدت تک جانفشانی کر کے عیسویت پیدا کی گئی اور اقسام کی تدبیروں سے روپیہ کمایا گیا مثلاً مینار اور مسجد اور مدرسہ کی تعمیر پیش کر کے، خط و کتابت و مہمانداری کی ضرورتیں بتلا کے، کتابوں کی تصنیف اور اشاعت کے ذریعہ سے تصویریں بکوا کر غرض کہ جو روپیہ بڑی بڑی مشقتوں

سے جمع کیا گیا اپنی اور اپنے پسماندگوں کی ضرورتوں اور اسباب راحت میں صرف نہ کر کے عیسویت کے لحاظ سے مفت تقسیم کر دینا کوئی عقل کی بات نہیں۔ اس لئے بچاؤ کی یہ تدبیر نکالی کہ عیسیٰ جو مال تقسیم کریگا وہ یہ مال نہیں جو لوگ خیال کرتے ہیں بلکہ وہ مال قرآن ہے۔ فی الحقیقت مال کا بے دریغ اس طرح راہ خدا میں خرچ کر دینا مشکل کام ہے اور یہ مال کی جگہ قرآن خرچ کرنا صرف مرزا صاحب ہی کی رائے نہیں، قدیم زمانے میں بھی بعض لوگوں کی یہی رائے تھی چنانچہ سعدیؒ فرماتے ہیں۔

اگر الحمد گوئی صد بخواند   بدینارے چو خر در گل بماند؟

مرزا صاحب نے قرآن کو مال اس قرینہ سے بنایا کہ آیت موصوفہ میں قرآن کی تفضیل مال پر دی گئی۔ کما قال تعالیٰ: "هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ۝" (یونس)

مگر یہ استدلال صحیح نہیں۔ اس لئے کہ یہ بھی قرآن شریف میں ہے:

"لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ۝" (آل عمران) یعنی خدا کی مغفرت اور رحمت اس مال سے جو وہ جمع کرتے ہیں بہتر ہے۔ مرزا صاحب کے استدلال کی بنا پر یہاں بھی یہ کہنا پڑیگا کہ مغفرت بھی مال ہے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں ہوسکتا۔ غرض کے قرآن کے علوم کو مال نہیں کہہ سکتے اس صورت میں جن احادیث میں صراحۃً وارد ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بے حساب مال تقسیم کریں گے اس سے یہ مراد نہیں ہوسکتی کہ وہ علوم قرآنیہ تقسیم کریں گے۔

البتہ بادی النظر میں مرزا صاحب کا یہ اعتراض ٹھیک معلوم ہوتا ہے کہ مال تقسیم کرنے کے لئے اس کا جمع کرنا بھی ضرور ہے۔ حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام کی یہ شان نہیں کہ مال جمع کریں۔ اگر چہ اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ جب مرزا صاحب کو عیسویت کا دعویٰ ہے تو وہ اقسام کی تدبیروں سے مال جس کو خود فتنہ کہتے ہیں کیوں جمع کرتے ہیں؟ مگر تحقیقی جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو مال جمع کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوگی بلکہ اس زمانے میں مال زمین سے ابلے گا جیسا کہ احادیث موصوفہ میں "ویفیض المال" بتصریح موجود ہے۔ یہاں بھی مرزا صاحب نے دھوکہ دیا۔

مرزا صاحب جو فرماتے ہیں "کہ مسیح اتنا مال یعنی علوم قرآنیہ تقسیم کریگا کہ لوگ لیتے لیتے تھک جائیں گے اور ایک مقام میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ: میں وہ مال اتنا تقسیم کروں گا کہ لوگ لے نہ

سکیں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے معتقدین اس مصنوعی مال سے اتنا سرمایۂ علمی حاصل کرلیں گے کہ اس سے زیادہ کی ضرورت نہ ہوگی۔

مگر حدیث شریف میں یہ ہے: ''لیدعن الی المال فلایقبله احد'' یعنی وہ لوگ مال لینے کے لئے بلائے جائیں گے مگر کوئی اس کو قبول نہ کریگا جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لوگ اس سے اعراض کریں گے اور ظاہر ہے کہ علوم قرآنیہ سے اعراض کرنا دلیل کفر ہے۔ اہل اسلام تو بلحاظ آیۂ شریفہ ''رَّبِّ زِدۡنِیۡ عِلۡمًا ﴿۱۱۴﴾'' (طٰہٰ) ہمیشہ زیادتی علم کے طالب رہا کرتے ہیں بخلاف اس کے مال سے اعراض کرنا کوئی بری بات نہیں بلکہ شرعاً ممدوح ہے الغرض مال بمعنی علم ہو نہیں سکتا۔

مرزا صاحب نے مال کی جو توہین کی ہے کہ وہ فتنہ ہے اور مسیح مال دیکر لوگوں کو فتنہ میں کیوں ڈالیگا۔ معلوم نہیں یہ کس حالت میں انہوں نے لکھ دیا جس فتنہ کو گھر سے نکال دینا عیسویت کی شان سے بعید سمجھتے ہیں اسی فتنہ کو اقسام کی تدبیروں سے خود جمع کررہے ہیں اور قوم کے روبرو اپنی محتاجی بیان کرکے ہاتھ پھیلا ہوئے ہیں'' کہ کچھ امداد کرو جیسا کہ ازالۃ الاوہام (ص ۹۵) سے ظاہر ہے اس پر یہ دعوی کہ میں عیسی ہوں۔

شاید مرزا صاحب یہاں یہ بھی اعتراض کریں گے کہ زمین سے مال ابلنا خلاف عقل ہے مگر یہ اعتراض قابل توجہ نہیں اس لئے کہ آخر زمین میں دفینے، معدنیں، موجود ہیں اور سلاطین کو اکثر ملا ہی کرتے ہیں اور خدائے تعالی قادر ہے کہ ان ذخائر پر عیسی علیہ السلام کو مطلع فرمادے۔ اور اگر خدائے تعالی کی قدرت ہی میں کلام ہے تو ہم اس کا جواب یہاں نہ دیں گے۔ ان کتابوں میں دیں گے جہاں بمقابلہ کفار صفات الٰہیہ ثابت کی جاتی ہیں۔

الغرض مرزا صاحب مال سے مراد ان احادیث میں جو علوم قرآنیہ لیتے ہیں وہ صحیح نہیں بلکہ در اصل وہ ایک ایسی علامت عیسی علیہ السلام کی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادی ہے کہ ہر مسلمان اس کو دیکھتے ہی یقین کرلے گا کہ عیسی علیہ السلام اتر آئے۔ اور چونکہ مرزا صاحب کے زمانہ میں نہ مال اس قدر وفور سے ہے نہ وہ بے حساب تقسیم کرسکتے ہیں بلکہ خود ہی لوگوں سے وصول کرنے کی فکر میں دن رات مصروف ہیں۔ اس سے یقیناً مسلمانوں کو معلوم ہوگیا کہ مرزا صاحب مسیح موعود نہیں ہوسکتے۔

تمام ادیان کا ہلاک ہونا اور مرزا صاحب کے وقت میں کفر کی ترقی

(7) کل ادیان کا ہلاک ہوکر ایک دین اسلام کا باقی رہ جانا۔

جیسا کہ روایت امام احمد اور ابوداؤد سے اوپر معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لیھلکن فی زمانه الملل کلھا الا الاسلام'' بیان للناس میں فتح الباری سے ابن حجرؒ کا قول نقل کیا ہے کہ اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام (ص ۵۱۴) میں لکھتے ہیں کہ: اس زمانہ میں تحصیل علوم رہزن ہورہی ہے۔ ہمارے زمانہ کی نئی روشنی عجیب طور پر ایمان اور دیانت کو نقصان پہونچا رہی ہے۔ فلسفی مغالطات نے سادہ لوحوں کو طرح طرح کے شبہات میں ڈالدیا ہے خیالات کی تعظیم کی جاتی ہے۔ حقیقی صداقتیں اکثر لوگوں کی نظر میں کچھ حقیرسی معلوم ہوتی ہیں۔ اور براہین احمدیہ میں لکھتے ہیں کہ: ''پادری لوگ ہمیشہ روز افزوں ترقی کررہے ہیں کہ ستائیس ہزار (27000) سے پانچ لاکھ (۵۰۰۰۰۰) تک شمار کرستانوں کا پہونچ گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس تحریر کے بعد کرستان اور بھی بڑھ گئے۔

اب دیکھئے کہ مرزا صاحب کا زمانہ اسلام کے حق میں کیسا منحوس ہے جس میں لا مذہبی اور کفر کی روز افزوں ترقی ہے جس کے خود وہ معترف اور شاکی ہیں۔ کیا اس کھلے مشاہدہ کے بعد کسی مسلمان کو جس کو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور احادیث نبویہ پر ایمان ہے مرزا صاحب کے مسیح ہونے کا احتمال بھی ہوسکتا ہے۔

کیا عیسیٰ موعود کا یہی کام ہے کہ کفر والحاد کی شکایت کرکے روپیہ جمع کرلے جیسا کہ مرزا صاحب نے براہین احمدیہ کی اشاعت میں یہی کام کیا کہ اس قسم کی تقریریں کرکے اس کتاب کی لاگت سے وہ چند بلکہ اس سے بھی زیادہ روپیہ وصول کرلیا۔ اور آخر میں لکھ دیا کہ: ایک شب اپنے خیالات کی شب تاریک میں موسیٰ علیہ السلام کی طرح سفر کررہا تھا کہ ایک دفعہ پردۂ غیب سے ''انی انا ربک'' کی آواز آئی۔ اور ایسے اسرار ظاہر ہوئے کہ جن تک عقل اور خیال کی رسائی نہ تھی۔ سو اب کتاب کا متولی اور مہتمم ظاہراً و باطناً حضرت رب العالمین ہے اور معلوم نہیں کہ کس اندازے

اور مقدار تک پہنچانے کا ارادہ ہے اور دین اسلام کا وہی حافظ ہے۔ مقصود یہ کہ جتنے دلائل قائم کرنے کا وعدہ تھا اب اس کی ضرورت نہ رہی اور دین کا خدا حافظ ہے۔ اگر پادری لامذہب اور آریہ وغیرہ مسلمانوں کی تعداد گھٹائیں اور کفر کی اشاعت کریں تو عیسی کو اس سے کیا تعلق اگر کوئی کافر بھی ہوجائے تو مرزا صاحب صاف کہدیں گے۔ " اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ﴿۱۶﴾ "(الحشر)

دشمنی بغض اور حسد کا دفع ہوجانا

(8) دشمنی بغض اور حسد کا دفع ہوجانا۔ جیسا کہ روایت صحیح مسلم سے ثابت ہے: "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ولیذھبن الشحناء والتباغض والتحاسد"

کنز العمال ج ۷ حدیث نمبر ۲۱۲۶۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ عیسی علیہ السلام کے زمانہ میں ان صفات کا وجود ہی نہ رہیگا۔ اس لئے کہ جب کل ادیان جا کر اسلام ہی اسلام رہ جائیگا تو اصلی اخوت اسلامی قائم ہوجائیگی۔

اب مرزا صاحب کی عیسویت کا دورہ بھی دیکھ لیجئے کہ جہاں اسلام میں بہتر (۷۲) فرقے تھے انہوں نے ایک فرقہ ایسا بنادیا کہ جس کو ان میں سے کسی کے ساتھ تعلق نہیں اور اس فرقہ کی یہ کیفیت کہ تمام مسلمانوں کا دشمن۔ ایک مسلمان آج اپنے گھر میں خوشی سے بیٹھا ہے کہ کل مرزا صاحب کا منتر اس پر اثر کرتے ہی اپنے کنبے بھر کا دشمن ہوگیا اور طرفین سے سب وشتم اور زدوضرب کی نوبت پہونچ رہی ہے۔ اور دونوں فوجداری میں کھینچے جارہے ہیں۔ اب مرزا صاحب ہی انصاف سے کہدیں کہ مسلمان اپنے نبی کی بات مان کر ایسے مسیح کا انتظار کریں جس کے زمانہ میں اس علامت کا وقوع ہو یا آپ کی بات مان کر اپنے نبی کی حدیث کو جھوٹی ثابت کریں۔

باطنی اثر سے امن قائم ہونا

(9) باطنی اثر سے امن قائم ہوجانا اس طور پر کہ شیر اونٹوں کے ساتھ اور چیتے گائیوں کے ساتھ اور بھیڑیئے بکریوں کے ساتھ چریں گے اور لڑکے سانپوں کے ساتھ کھیلیں گے۔ جیسا کہ مسند

امام احمد اور مستدرک حاکم میں مروی ہے: ''قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وتقع الامنة علی اھل الارض حتی ترعی الاسد مع الابل و النمور مع البقر و الذئاب مع الغنم ویلعب الصبیان بالحیات فلا یضرھم'' کنزالعمال جلد (۷) حدیث نمبر ۲۱۴۱ و ۲۱۴۲

م عیسیٰ کے وقت ایک دوسرے کے بھائی ہوجائیں گے اور اسلام کو بڑھایا جائیگا

م مولوی ایک دوسرے کو کھانے والے کیڑے ہیں مسلمانوں کو کافر بنارہے ہیں

مرزا صاحب ازلۃ الاوہام ص ۵۹۴ میں لکھتے ہیں کہ: ''حضرت نے ایک دوسری پیشگوئی بطور استعارہ کے فرمادی کہ: جب تم یہودی بن جاؤ گے تو تمہارے حال کے مناسب حال ایسا ہی ایک مسیح تم میں سے ہی دیا جائیگا اور وہ تم میں حکم ہوگا اور تمہارے کینہ و بغض کو دور کردیگا۔ شیر و بکری کو ایک جگہ بٹھادیگا۔ اور سانپوں کے زہر نکال دیگا اور بچے تمہارے سانپوں اور بچھوؤں سے کھیلیں گے۔ اور ان کے زہر سے ضرر نہیں اٹھائیں گے۔ یہ تمام اشارات اسی بات کی طرف ہیں کہ جب مذہبی اختلافات دور ہوجائیں گے تو ایک دفعہ فطرتی محبت کا چشمہ جوش ماریگا۔ اور تعصب کے زہر نکل جائیں گے اور ایک بھائی دوسرے بھائی پر نیک ظن کریگا۔ اور سب مل کر کوشش میں لگیں گے کہ اسلام کو بڑھایا جائے اور مسلمانوں کی کثرت ہو جیسا کہ آج کل کوشش ہورہی ہے کہ مسلمانوں کو جہاں تک ممکن ہے کم کردیا جائے۔ اور بدسرشت مولویوں کے حکم وفتوے سے دین اسلام سے خارج کردیئے جائیں اور اگر ہزار وجہ اسلام کی پائی جائے تو اس سے چشم پوشی کرکے ایک بیہودہ اور بے اصل وجہ کفر کی نکال کر ایسا کافر ٹھرادیا جائے کہ گویا وہ ہندوؤں اور عیسائیوں سے بدتر ہے اور یہ سب ملا یا یوں کہو کہ ایک دوسرے کو کھانے والے کیڑے ہیں الخ

پہلے مرزا صاحب کی مسیحائی پر ان حالات کو جو احادیث موصوفہ میں وارد ہیں انہی کے تقریر کے موافق تطبیق کرکے دیکھ لیجئے۔ مسلمان تو بقول ان کے یہودی ہوگئے اور مرزا صاحب مسیح ہیں۔ ضرور تھا کہ مرزا صاحب کل مسلمانوں سے تعصب کا زہر نکالدیتے اور کل اہل اسلام مل کر اسلام بڑھانے کی کوشش کرتے جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے۔ مگر اب تک اس کا ظہور نہ ہوا۔ جس وقت یہ

تقریر مرزا صاحب نے کمال فخر سے کی ہوگی خوش اعتقاد لوگ امنا و صدقنا کہہ کر دل میں خوش ہوتے ہوں گے کہ مرزا صاحب کا وجود نعمت غیر مترقبہ ہے جہاں تک ہو سکے دل سے ان کی تائید کی جائے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ براہین احمدیہ کو لوگوں نے سو سو روپیہ دے کر خریدا۔ مگر ان کو نادم ہونا پڑا کہ پچیس تیس سال سے بلکہ جب سے مرزا صاحب کا خیال اس طرف ہوا غالباً پچاس سال سے بھی زیادہ عرصہ گذر چکا ہے اس مدت میں بجائے اس کے کہ تعصب مذہبی دور ہو جاتا ان کے طفیل سے ایک نیا تعصب ایسا قائم ہو گیا ہے کہ اس کا اٹھنا ان کے بعد بھی بظاہر ممکن نہیں معلوم ہوتا۔

مرزا صاحب کا اب وہ زمانہ آ گیا ہے کہ اکثر بیمار رہتے ہیں اور چل چلاؤ کی فکر میں ایسے پڑ گئے ہیں کہ وہ گرم جوشیاں بھی جاتی رہیں۔ کیا اب بھی توقع ہے کہ مرزا صاحب کل مسلمانوں کو ایک کر کے کفار کے مقابلہ میں کھڑے کر دیں گے ہرگز نہیں مگر خوش اعتقادوں پر تعصب مذہبی اب ایسا مسلط ہو گیا ہے کہ وہ اب بھی مرغی کی ایک ٹانگ کہے جائیں گے۔ اسی وجہ سے آدمی کو ضرور ہے کہ سوچ سمجھ کر بہت احتیاط سے کوئی مذہب اختیار کرے، کیونکہ اختیار کرنے کے بعد تعصب کی دیوار آگے پیچھے ایسی سد ہو جاتی ہے کہ اس کا توڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کما قال تعالیٰ: ”وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا“ (سورۃ یٰسٓ: آیت:۹)

مرزا صاحب مولویوں کی شکایت کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو وہ کم کرتے ہیں انصاف سے دیکھا جائے کہ مولویوں نے صرف چند قادیانیوں کو مسلمانوں سے خارج کر دیا تھا۔ مگر مرزا صاحب نے تو کروڑہا مسلمانوں کو اسلام سے خارج کر دیا جن کے اعتقاد قرآن وحدیث اور اجماع کے مطابق ہیں۔ اور اپنی قوم کو صاف حکم دے دیا کہ کسی مسلمان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں اور ان سے من جمیع الوجوہ اجتناب اور مفارقت اختیار کریں اور وجہ اس کی صرف یہی کہ مرزا صاحب پر ایمان نہیں لاتے اب غور کیا جائے کہ چند قادیانیوں کو کروڑہا مسلمانوں کے ساتھ کیا نسبت ہے پھر جب چند قادیانیوں کو خارج کرنے سے علمائے اسلام بدسرشت اور ایک دوسرے کو کھانے والے کیڑے قرار دیئے گئے تو مرزا صاحب کا لقب واقع میں کیا ہوگا اور جو وجہ انہوں نے مسلمانوں کو اسلام سے خارج ہونے کی قرار دی ہے وہ کس درجے کی بیہودہ اور بے اصل سمجھی جائے۔



مرزا صاحب کو نہ خدا کی قدرت کا یقین ہے نہ نبی کے قول کا اعتبار

مرزا صاحب نے بھیڑیاں بکریاں وغیرہ الفاظ حدیث کے معنی جو مجازی لئے ہیں اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک ممکن نہیں کہ بھیڑیا بکری کو اور شیر' اونٹ کو نہ کھائے اور درندے اپنی صفت درندگی کو چھوڑ دیں کیونکہ مجازی معنی اس وقت لئے جاتے ہیں جب حقیقی معنی نہ بن سکے۔ اب یہ دیکھنا چاہئے کہ حقیقی معنی ان الفاظ کے کیوں نہیں بن سکتے۔

اگر مرزا صاحب یہ کہیں کہ عادت کے خلاف ہے تو وہ مسلم ہے لیکن مسلمانوں کے بلکہ حکماء کے بھی نزدیک یہ بھی تو مسلم ہے کہ انبیاء اور اولیاء سے خلاف عادت امور بھی ظاہر ہوا کرتے ہیں۔ اگر یہ کہیں کہ حیوانات کے مقتضائے طبع کا دور کرنا خدا کی قدرت میں بھی نہیں ہے تو پھر ان کے کفر میں شک کیوں کیا جائے۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ خدائے تعالی کی خالقیت کے قائل ہو گئے تو اس کو ماننا پڑیگا کہ جس نے ان کو صفت سبعیت دی ہے وہ اس کو سلب بھی کرسکتا ہے۔ مرزا صاحب کی اس تقریر سے مستفاد ہوتا ہے نہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا اعتبار ہے نہ خدائے تعالی کی قدرت کا یقین پھر ان سے اس بارے میں گفتگو ہی کیا۔

آں کس کہ زقرآن وخبر زو نہ رہی ۔۔۔ اینست جوابش کہ جوابش نہ دہی

ہم اپنے ہم مشربوں سے خیر خواہانہ کہتے ہیں کہ اس قسم کی تقریروں سے اپنے ایمان کو صدمہ نہ پہونچنے دیں اور قرآن وحدیث کے مقابلے میں کسی کی بات نہ سنیں۔ عیسی علیہ السلام کے زمانہ کی نسبت تو خاص خاص اہتمام منظور الہی ہیں جن کی خبریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتصریح دی ہیں۔

تاریخ الخلفا میں امام سیوطیؒ نے مالک بن دینار وغیرہ اکابردین کے چشم دید واقعات نقل کئے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں بھیڑیں بکریوں کے ساتھ چرا کرتی تھیں۔

نمرود کی طرح مرزا صاحب کی تاویلیں

الحاصل مرزا صاحب نے صرف اپنی عیسویت جمانے کی غرض سے یہ کام کیا کہ جتنے خوارق عیسی علیہ السلام کی خبریں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہیں سب میں تاویلیں کرکے ان کی

وقعت کھودی۔ اوران کو معمولی باتیں قرار دے کر اپنے آپ پر منطبق کرلیا۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اس کی نظیریں امم سابقہ میں بھی مل سکتی ہیں۔ دیکھئے حق تعالی قرآن شریف میں خبر دیتا ہے: ''اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ؕ'' (البقرۃ:۲۵۸) واقعہ یہ ہے کہ لوگ غلہ لینے کے لئے نمرود کے پاس جاتے تھے اوراس کی عادت تھی کہ ان سے پوچھتا کہ تمہارا رب کون ہے؟ اگر وہ کہتے کہ: تو ہی ہمارا رب ہے تو ان کو غلہ دیتا۔ ایک بار ابراھیم علیہ السلام بھی ضرورۃً اس کے پاس گئے اوراس نے حسب عادت آپ سے بھی پوچھا کہ: تمہارا رب کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے'' اس نے کہا: یہ صفت تو مجھ میں بھی ہے جس کو چاہتا ہوں مارڈالتا ہوں اور جس کو چاہتا ہوں زندہ چھوڑ دیتا ہوں۔ چنانچہ دو شخصوں کو بلا کر ایک کو قتل کرڈالا اور ایک کو زندہ چھوڑ دیا۔ یہ واقعہ تفسیر درمنثور میں امام سیوطیؒ نے ذکر کیا ہے۔

دیکھئے صفت احیاء واماتت جو خاصۂ باری تعالی ہے اس کی تاویل کر کے نمرود نے ایک معمولی بات بنادی اوراپنے آپ پر منطبق کرلیا جس طرح مرزا صاحب کررہے ہیں

مرزا صاحب نے مسلمانوں کی نسبت تو فرمادیا کہ وہ یہود بن گئے مگر افسوس ہے کہ: اپنی حالت کو ملاحظہ نہیں فرمایا کہ کیا بن گئے۔ اگر چہ ان کو اعتراف ہے کہ وہ یہودیوں کے مثل ہیں جیسا کہ عبارت مذکورہ میں لکھتے ہیں (جب تم یہودی بن جاؤ گے تو تمہارے مناسب حال ایسا ہی ایک مسیح تم میں سے دیا گیا) مگران تقریروں سے ظاہر ہے کہ اسی پر اکتفا نہیں

بہر حال یہ علامتیں جو صحیح حدیثوں میں وارد ہیں مرزا صاحب کے زمانہ میں صادق نہیں آسکتیں اس وجہ سے وہ مسیح موعود ہو نہیں سکتے۔

ح خود عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں اتروں گا

(10) شب معراج خود عیسی علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ: دجال کے قتل کے لئے میں مامور ہوں اور زمین پر اتر کر میں ہی اس کو قتل کروں گا۔ جیسا کہ امام احمدؒ اور ابن ابی شیبہ اور سعید بن منصور اور بیہقی نے روایت کی ہے

”عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لقیت لیلۃ أسری بابراھیم وموسی وعیسی علیھم السلام فذکروا أمر الساعۃ فردوا أمرھم الی ابراھیم فقال: لا علم لی بھا فردوا امرھم الی موسی فقال: لا علم لی بھا فردوا أمرھم الی عیسی فقال: اما وجبتھا فلم یعلم بھا أحد الا اللہ وفیما عھد الی ربی ان الدجال خارج ومعی قضیبان فاذا رأنی ذاب کما یذوب الرصاص فیھلکہ اللہ اذا رأنی“ الحدیث

یعنی فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شب معراج مجھ سے اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے ملاقات ہوئی۔ اثنائے گفتگو قیامت کا ذکر آیا۔ ہم سب نے ابراہیم علیہ السلام سے اس کا حال دریافت کیا انہوں نے اپنی لاعلمی ظاہر کی اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی لاعلمی ظاہر کی مگر عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ یہ تو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا کہ وہ کب ہوگی مگر میں اتنا جانتا ہوں کہ دجال نکلنے والا ہے اور خدائے تعالیٰ نے مجھے معلوم کرادیا ہے کہ اس وقت میرے ساتھ دو چھڑیاں ہوں گی جب وہ مجھے دیکھے گا تو سیسہ کی طرح پگھلنے لگے گا۔ (اس طرح اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کرے گا)

اس حدیث سے حضرت کی کشفی غلطی کا جواب ہو گیا

مولوی محمد عبداللہ صاحب شاہ جہاں پوری نے شفاء للناس میں فتح الباری سے نقل کیا ہے کہ:

یہ حدیث مسند امام احمد اور ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں ہے اور حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے اور ابن ماجہ کی روایت میں یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے دجال کے نکلنے کا حال کہہ کر کہا کہ: میں اس وقت اتروں گا اور اس کو قتل کروں گا۔ اس صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ خود عیسیٰ علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ خدائے تعالیٰ نے پہلے سے مجھے دجال کے قتل کے لئے معین فرمادیا ہے اور میں زمین پر اتر کر اس کو قتل کروں گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف کشف ہی سے عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا حال معلوم نہیں ہوا تھا بلکہ خود عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے حضرت سن چکے تھے اس سے وہ احتمال بھی جاتا رہا جو مرزا صاحب نے کہا تھا کہ اس کشف میں حضرت کو نعوذ باللہ غلطی ہوئی ہے۔

مرزا صاحب غالباً یہاں یہ شبہ پیش کریں گے کہ ان انبیاء کے مقامات ایک آسمان پر نہیں پھر سب کا اتفاق اور مجمع ایک جگہ کیسے ہوا؟ مگر اہل اسلام کے نزدیک ایسے رکیک شبہات قابل توجہ نہیں اس لئے کہ اولیاء اللہ کو اس عالم میں یہ بات حاصل ہے کہ وقت واحد میں متعدد مقامات میں رہ سکتے ہیں۔ جیسا کہ امام سیوطیؒ نے کتاب المنجلی فی تطور الولی میں اس کو دلائل سے ثابت کیا ہے اور اولیاء اللہ کے تذکروں میں اس کی نظائر بکثرت موجود ہیں۔

مرزا صاحب کے الہام جھوٹے ثابت ہوئے

الحاصل اس حدیث کے دیکھنے کے بعد اہل ایمان کو اس میں کوئی شبہ نہ رہیگا کہ مرزا صاحب نے اپنی عیسویت ثابت کرنے کے لئے جتنے تمہیدات کی ہیں کہ خدا نے میرا نام عیسی رکھا، ابن مریم رکھا، اور یہ کہا، اور وہ کہا، سب سخن سازیاں اور افترا ہیں۔ اور کوئی الہام ان کا اس قابل نہیں کہ اس حدیث کے مقابلے میں آسکے۔

مرزا صاحب نے مولوی محمد بشیر صاحب سہسوانی کے مقابلہ میں جو تقریر کی ہے الحق الصریح فی حیوۃ المسیح (ص ۱۰۷) میں لفظ بلفظ لکھا ہے۔ اس تقریر میں مرزا صاحب فرماتے ہیں: فرض کرو کہ وہ قرأت بقول مولوی صاحب کے ایک ضعیف حدیث ہے مگر آخر حدیث تو ہے یہ تو ثابت نہیں ہوا کہ وہ کسی مفتری کا افترا ہے۔ مولوی صاحب پر فرض تھا کہ قرأت شاذہ قَبْلَ مَوْتِهِم کے راوی کا صریح افترا ثابت کرتے اور یہ ثابت کر کے دکھلاتے کہ یہ حدیث موضوعات میں سے ہے مجرد ضعیف حدیث کا بیان کرنا اس کو بکلی ثبوت سے روک نہیں سکتا۔ امام بزرگ حضرت ابوحنیفہ فخر الائمہ سے مروی ہے کہ: میں ایک ضعیف حدیث کے ساتھ بھی قیاس کو چھوڑ دیتا ہوں۔ اب کیا جس قدر حدیثیں صحاح ستہ میں ہیں بباعث بعض راویوں کے قابل جرح یا مرسل اور منقطع الاسناد ہیں وہ بالکل پایۂ اعتبار سے خالی اور بے اعتبار محض ہیں اور کیا محدثین کے نزدیک موضوعات کے برابر سمجھی گئی ہیں۔



مرزا صاحب اپنے کو اسلام سے خارج سمجھتے ہیں

مرزا صاحب کو جب ضعیف حدیث کے ساتھ یہ خوش اعتقادی ہے تو یہ حدیث جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسیٰ علیہ السلام کا بیان مذکور فرمایا ہے وہ تو صحیح ہے جس کی صحت کی تصریح اکابر محدثین نے کر دی ہے اس کو وہ ضرور مانتے ہوں گے مگر ان کی تقریروں سے ثابت ہے کہ وہ اس کو نہیں مانتے۔ مرزا صاحب اپنے استدلال کے وقت جو ضعیف حدیث کے ماننے پر ہم کو مجبور کرتے ہیں اور خود حدیث صحیح بھی نہیں مانتے اس سے ظاہر ہے کہ وہ ہم کو مسلمان سمجھتے ہیں اور خود کو دائرہ اسلام سے خارج۔ اگر مسلمانوں کا یہودی بن جانا اور اپنا مسلمان ہونا ان کے نزدیک ثابت ہوتا تو اس پر کبھی اصرار نہ کرتے کہ ضعیف حدیث بھی نبی کی ہم لوگ مان لیں اور خود صحیح حدیث بھی نہ مانیں۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو جو انہوں نے یہود قرار دیا تھا اور اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی وہ قطع نظر اس کے کہ واقع کے خلاف ہے خود بھی اپنی غلط بیانی کے معترف ہیں۔ اس موقع میں ہم نہایت خوشی سے اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ اپنے نبی کی ضعیف حدیث بھی قابل تسلیم ہے۔ مگر مرزا صاحب کو کوئی حق نہیں کہ اس کا الزام ہم پر لگائیں کیونکہ مسائل جزئیہ میں ہر دین والا اپنے نبی کے قول پر عامل ہوتا ہے۔ دوسری ملت والا شخص ان میں مباحثہ کا مجاز نہیں بلکہ اگر مناظرہ ہو تو امور کلیہ میں ہوگا کہ پہلے ہر شخص اپنا دین واجب الاتباع ثابت کرے۔ اب مرزا صاحب سے اگر بحث ہو تو ہم اپنا دین ناسخ ثابت کریں اور مرزا صاحب اپنا دین اور ان جزئیات سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اگر مرزا صاحب اپنے کو دائرہ اسلام میں داخل کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ بمقتضائے وقت اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے ہیں تو چاہیے کہ اس حدیث صحیح کو مان لیں اور دعوی عیسویت سے توبہ کریں ورنہ یہ الزام رفع نہیں ہوسکتا۔

الحاصل مرزا صاحب اس حدیث کو مانیں یا نہ مانیں مسلمانوں کے نزدیک مرزا صاحب اس صحیح حدیث کی رو سے مسیح موعود ہرگز ہو نہیں سکتے۔



دجال کا قتل دم مسیح علیہ السلام سے کفار کا مرجانا

نواس رضی اللہ عنہ کی حدیث پران کا سمت حملہ

11، 12 عیسیٰ علیہ السلام کا دجال کو باب لُد پر قتل کرنا۔ اوران کے دم سے کفار کا مرجانا جواس روایت سے ظاہر ہے جو مسلم شریف میں ہے:

''عن النواس ابن سمعان قال: ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدجال ذات غداۃ فخفض فیه ورفّعَ حتی ظنناہ فی طائفة النخل فلما رحنا الیه عرف ذلک فینا فقال ماشأنکم قلنا: یا رسول اللہ ذکرت الدجال غداۃ فخفضت فیه ورفعت حتی ظنناہ فی طائفة النخل فقال: غیر الدجال اخوفنی علیکم ان یخرج وانا فیکم فانا حجیجه دونکم وان یخرج ولست فیکم فامُرو حجیج نفسه واللہ خلیفتی علی کل مسلم۔ انه شاب قطط عینه طافئة کانی اشبهه بعبد العزی بن قطن فمن ادرک منکم فلیقرأ علیه فواتح سورۃ الکهف۔انه خارج خلة بین الشام والعراق فعاث یمینًا وعاث شمالاً یا عباد اللہ فاثبتوا قلنا یا رسول اللہ وما لبثه فی الارض قال اربعون یوما یوم کسنة ویوم کشهر ویوم کجمعة وسائر ایامه کایامکم قلنا: یا رسول اللہ فذلک الیوم الذی کسنة اتکفینا فیه صلوۃ یوم قال لا اقدروا له قدرہ قلنا یا رسول اللہ وما اسراعه فی الارض قال: کالغیث استدبرته الریح فیاتی علی القوم فیدعوهم فیؤمنون به ویستجیبون له فیامر السماء فتمطر والارض فتنبت فتروح علیهم سارحتهم اطول ماکانت ذریً واسبغه ضروعاًوامدہ خواصر ثم یاتی القوم فیدعوهم فیردون علیه قوله فینصرف عنهم فیصبحون ممحلین لیس بایدیهم شیء من اموالهم ویمر بالخربة فیقول لها اخرجی کنوزک فتتبعه کنوزها کیعاسیب النحل ثم یدعورجلا ممتلیا شبابا فیضربه بالسیف فیقطعه جزلتین رمیة الغرض ثم یدعوہ فیقبل ویتهلل وجهه ویضحک فبینما هو کذلک اذ بعث اللہ المسیح ابن مریم علیه السلام فینزل عند المنارۃ البیضاء شرقی

دمشق بین مھروذتین واضعا کفیه علی اجنحة ملکین اذا طأطا راسه قطر واذا رفعه تحدر منه جمان کاللؤلؤ فلا یحل لکافر یجد ریح نفسه الامات ونفسه ینتھی حیث ینتھی طرفه فیطلبه حتی یدرکه بباب لد فیقتله ثم یاتی عیسی الی قوم قد عصمھم اللہ منه فیمسح عن وجوھھم ویحدثھم بدرجاتھم فی الجنة فبینما ھو کذلک اذا وحی اللہ الی عیسی علیه السلام انی قد اخرجت عبادا لی لایدان لاحد بقتالھم فحرز عبادی الی الطور ویبعث اللہ یاجوج وماجوج وھم من کل حدب ینسلون فیمر اوائلھم علی بحیرة طبریة فیشربون ما فیھا ویمر آخرھم فیقولون: لقد کان بھذہ مرة ماء ویحصر نبی اللہ عیسی علیه السلام واصحابه حتی یکون رأس الثور لاحدھم خیرا من مائة دینار لاحدکم الیوم فیرغب نبی اللہ عیسی علیه السلام واصحابه فیرسل اللہ علیھم النغف فی رقابھم فیصبحون فرسی کموت نفس واحدة ثم یھبط نبی اللہ عیسی علیه السلام واصحابه الی الارض فلایجدون فی الارض موضع شبر الاملأہ زھمھم ونتنھم فیرغب نبی اللہ عیسی علیه السلام واصحابه الی اللہ فیرسل اللہ علیھم طیرا کاعناق البخت فتحملھم فتطرحھم حیث شاء اللہ ثم یرسل اللہ مطرا لایکن منه بیت مدر ولا وبر فیغسل الارض حتی یترکھا کالزلفة ثم یقال للأرض انبتی ثمرتک وردی برکتک فیومئذ تاکل العصابة من الرمّانة ویستظلون بقحفھا ویبارک فی الرسل حتی ان اللقحة من الابل لتکفی الفئام من الناس واللقحة من البقرة لتکفی القبیلة من الناس واللقحة من الغنم لتکفی الفخذ من الناس فبینما ھم کذلک اذ بعث اللہ ریحا طیبة فتاخذھم تحت آباطھم فتقبض روح کل مومن وکل مسلم ویبقی شرار الناس یتھارجون فیھا تھارج الحمر فعلیھم تقوم الساعة" رواہ مسلم۔

یعنی نواس کہتے ہیں: کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر ایسے طور پر کیا کہ کچھ دبی آواز سے فرمایا۔ اور کچھ بلند آواز سے جس سے ہم کو خیال ہوا کہ شاید وہ نخلستان میں

آ گیا۔ جب ہم اس طرف جانے لگے؛ فرمایا: ''کہ یہ تمہاری کیا حالت ہے۔ ہم نے عرض کی: کہ آپ نے ایسے طور پر دجال کا حال بیان فرمایا کہ ہمیں اس کے نخلستان میں آ جانے کا گمان ہو گیا۔ حضرت نے فرمایا: اس سے زیادہ خوف دوسرے امور کا تمہاری نسبت مجھے ہے (یعنی ظالم اور گمراہ سلاطین کا جیسا کہ دوسرے احادیث میں وارد ہے) اگر بالفرض دجال میرے زمانے میں نکلے تو میں اس سے گفتگو کر کے قائل کر دوں گا اور اگر میرے بعد نکلے تو ہر شخص اس سے بطور خود بحث کرے اور اللہ ہر مسلمان پر میرا خلیفہ ہے مگر یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ دجال جوان ہوگا اور اس کے بال بہت بڑے ہوئے ہوں گے اور وہ عبدالعزی بن قطن کے ساتھ کسی قدر مشابہ ہے۔ جو مسلمان اس کو پائے سورۂ کہف کے شروع کی چند آیتیں پڑھ لے اور یہ بھی یاد رکھو کہ وہ شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا اور دائیں بائیں فساد کا ہنگامہ برپا کر دیگا۔ اے خدا کے بندو! اس وقت اپنے دین پر ثابت رہو۔ ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ وہ کتنے روز زمین پر رہیگا؟ فرمایا: چالیس روز مگر ایک دن ایک برس کے برابر ہوگا، اور ایک دن ایک مہینے کے برابر، اور ایک دن ایک ہفتہ کے برابر، اور باقی ایام معمولی ہوں گے۔ ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ جو دن ایک برس کے برابر ہوگا اس میں پانچ نمازیں کافی ہوں گی؟ فرمایا: نہیں۔ اوقات کا اندازہ کر کے نمازیں پڑھی جائیں۔ پھر ہم نے عرض کی اس کی سرعت سیر کی کیا کیفیت ہوگی؟ فرمایا: جس طرح ابر کو ہوا لے جاتی ہے۔ وہ کسی قوم میں جا کر ان کو اپنے پر ایمان لانے کو کہے گا جب وہ اس پر ایمان لائیں گے تو آسمان کو حکم کرے گا کہ پانی برسائے اور زمین کو حکم کرے گا کہ سبزی اگائے جس سے جانور خوب ہی موٹے تازے ہو جائیں گے پھر دوسری قوم پر جا کر ان کو اپنی طرف مائل کرے گا مگر وہ قبول نہ کریں گے وہاں سے جب وہ لوٹے گا تو ان پر قحط آ جائے گا اور کسی قسم کا مال ان لوگوں کے ہاتھ میں باقی نہ رہیگا۔ اس کے بعد ایک ویرانے پر گذرے گا اور اس سے کہے گا کہ: اپنے خزانوں کو نکال چنانچہ وہاں کے خزانے اس کے ساتھ ہو جائیں گے۔ پھر ہر ایک شخص کو بلائے گا جو کمال شباب میں ہوگا اور اس کے دو ٹکڑے کر کے دور دور ڈلوا دے گا پھر اس جوان مقتول کو بلائے گا چنانچہ وہ ہنستا ہوا اس کی طرف جائے گا۔

غرض کے وہ اس قسم کے واقعات میں مشغول ہوگا کہ خدائے تعالیٰ مسیح ابن مریم علیہ السلام کو بھیجے گا وہ دمشق کی شرقی جانب سفید مینار کے پاس دو زرد چادریں پہنے ہوئے دو فرشتوں کی بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے اتریں گے جب وہ سر جھکائیں گے اور اٹھائیں گے تو ان کے پسینے کے قطرے مثل موتی کے ٹپکیں گے۔ جس کافر کو ان کے دم کی بو پہنچ جائے گی تو ممکن نہیں کہ وہ زندہ رہ سکے۔

پھر وہ دجال کو ڈھونڈ کر لد کے دروازے پر جو بیت المقدس کے قریب ایک شہر ہے۔ قتل کر ڈالیں گے اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام اس قوم کی طرف پھر جائیں گے جن کو حق تعالیٰ نے دجال کے فتنہ سے بچایا تھا اور شفقت سے ان کے منہ پر ہاتھ پھیر کر خوشخبری درجات جنت کی دیں گے جو ان کے لئے مقرر ہیں۔ اس اثنا میں حق تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام پر وحی فرمائیگا کہ: اب ہم نے اپنے ایسے بندوں کو نکالا ہے جن کے مقابلے کی کسی میں طاقت نہیں اس لئے ہمارے پیارے بندوں کو تم طور کی طرف لے جاؤ اس وقت یاجوج ماجوج کو حق تعالیٰ زمین پر بھیجے گا جو ہر بلندی پر سے دوڑتے نظر آئیں گے ان کی کثرت کی یہ کیفیت ہوگی کہ جب بحیرہ طبریہ پر ان کا گذر ہوگا تو اس کا سب پانی پی جائیں گے جس کو دیکھ کر ان کے پچھلے لوگ خیال کریں گے کہ شاید کسی زمانہ میں یہاں پانی تھا۔ ادھر عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب محصور ہوں گے اور اشیاء کی نایابی اس درجہ تک پہونچ جائیگی کہ آج کے دن سو اشرفیوں کی جو تمہیں قدر ہے اس روز بیل کے ایک سر کی قدر ہوگی اس وقت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب خدائے تعالیٰ کی طرف توجہ کریں گے اور حق تعالیٰ ایک کیڑا یاجوج و ماجوج کی گردنوں میں پیدا کر دیگا جس سے ایک رات میں وہ سب مر جائیں گے ایک (بھی) ان میں سے نہ بچے گا۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام اپنے اصحاب کے ساتھ اپنے مقام سے نکلیں گے اور دیکھیں گے کہ زمین پر ایک بالشت کی جگہ ایسی نہیں جہاں ان کی چربی اور گندگی نہ ہو سب خدائے تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں گے کہ یہ مصیبت دفع فرمائے تب حق تعالیٰ بڑے بڑے پرندے اتاریگا اور وہ ان کی لاشوں کو اٹھا کر جہاں منظور الٰہی ہے ڈال دیں گے اور پانی برس جائیگا جس سے تمام روئے زمین آئینہ کی طرح صاف ہو جائے گی۔ پھر زمین کو حکم ہوگا کہ اپنے ثمرات اگائے اور برکت از سر نو ظاہر

کرے چنانچہ برکت کی یہ کیفیت ہوگی کہ ایک انار ایک جماعت کو کافی ہوگا اور اس کے چھلکے کے سایہ کے تلے ایک جماعت بیٹھ سکے گی اور ایک اونٹنی کے دودھ میں یہ برکت ہوگی کہ ایک بڑی جماعت اس سے سیراب ہوجائیگی اور ایک گائے کا دودھ ایک قبیلہ کو اور ایک بکری کا دودھ ایک خاندان کے لوگوں کو کافی ہوگا۔ اس اثنا میں ایک ہوائے خوش گوار ایسی بہے گی کہ مسلمانوں کے بغلوں کے نیچے سے اس کے بہتے ہی ان کی روح قبض ہوجائے گی چنانچہ کل مسلمان عالم بقا کو چلے جائیں گے اور برے لوگ باقی رہ جائیں گے ان لوگوں کی بے حیائی اس درجہ تک پہنچ جائے گی کہ عام جلسوں میں مرد عورت گدھوں کی طرح علانیہ جفتی کریں گے انہی لوگوں پر قیامت قائم ہوگی۔''

اس حدیث شریف نے مرزا صاحب کی عیسویت کی کاروائی کو ملیا میٹ کردیا کیونکہ جو امور عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق اس میں مذکور ہیں نہ مرزا صاحب سے ان کا وقوع ممکن ہے نہ ان کے زمانہ میں کوئی ایسی بات پائی جاسکتی ہے۔ جو عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوگی۔

اسی وجہ سے وہ جھنجلا کر ازالۃ الاوہام (ص ۲۰۲) میں لکھتے ہیں کہ: بانی مبانی اس تمام روایت کا صرف نواس بن سمعان ہے اور کوئی نہیں۔ جس کا مطلب کھلے الفاظ میں یہ ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو بنایا ہے۔ اگر مرزا صاحب یہ الفاظ اپنے معاصرین کے حق میں کہتے تو چنداں مضائقہ نہ تھا مگر افسوس ہے ان کی صحابیت اور جلالت شان کا کچھ بھی لحاظ نہ کیا۔ بھلا نواس رضی اللہ عنہ کو کیا خبر کہ مرزا صاحب عیسویت کا جھوٹا دعوی کریں گے جس کے مخالف یہ حدیث ہوگی انہوں نے تو اپنا فرض منصبی ادا کردیا اور جس طرح صحابہ کا دستور تھا جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا بلا کم وکاست پہونچا دیا اور امت مرحومہ نے اس کو قبول بھی کرلیا۔ کیونکہ اس حدیث میں اگر کسی کو کلام ہوتا تو علماء اس کی تصریح کردیتے کہ نواس ؓ نے اس حدیث میں غلطی کی ہے۔

ہر چند یہ بات ظاہر ہے کہ جتنے امور اس حدیث میں مذکور ہیں ظاہرا خلاف عقل ہیں مگر علماء نے دیکھا کہ جتنے وقائع قیامت کے قرآن وحدیث سے ثابت ہیں بالکل خلاف عقل ہیں اور یہ امور بھی مقدمہ قیامت ہیں اس لئے انہوں نے ان کو بھی قیامت ہی سے متعلق کرکے ایمان سے کام لیا

لیکن مرزا صاحب چونکہ اس مسئلہ میں صاحب غرض ہیں انہوں نے دیکھا کہ اگر ایک بات بھی اس حدیث کی مان لی جائے تو عیسویت سے دست بردار ہونا پڑتا ہے اس لئے تو پہلے بانی مبانی اس حدیث کا نواس رضی اللہ عنہ کو قرار دے کر موضوع ہی ٹھرادیا پھر تاویلات سے کام لیا

چنانچہ ازالۃ الاوہام (ص ۲۰۲) میں اس حدیث کو ذکر کر کے ایک دوسری حدیث تلاش کی جو ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ: ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ میں رات عیسی علیہ السلام اور دجال کو خواب میں دیکھا اوران دونوں کا حلیہ بھی بیان فرمایا جو خواب میں دیکھا تھا۔ مقصود اس تلاش سے یہ ہے کہ کسی طرح نواس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیکار کردیں اوراس کی تدبیر یہ نکالی کہ ابن عمرؓ کی حدیث میں مصرح ہے کہ حضرت نے خواب میں دونوں کو دیکھا تھا اس وجہ سے نواس رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی خواب ہی کی بات ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: اب اس تمام حدیث پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ جو کچھ دمشقی حدیث میں مسلم نے بیان کیا ہے اکثر باتیں اسکی بطور اختصاص اس حدیث (ابن عمرؓ) میں واقع ہیں۔ اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف اور صریح طور سے اس حدیث میں بیان فرمادیا: کہ یہ میرا ایک مکاشفہ یا ایک خواب ہے پس اس جگہ یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ وہ دمشق والی حدیث (جس کو نواسؓ نے روایت کیا ہے) درحقیقت وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خواب بھی ہے۔''

ان کے خلاف بیانی

نواسؓ والی حدیث میں شروع سے آخر تک کہیں نہ خواب کا لفظ ہے اور نہ اس پر کوئی دلیل مگر مرزا صاحب نے اسی میں سے ایک لفظ نکال ہی لیا چنانچہ لکھتے ہیں ص ۲۰۳ ''کہ حضرت نے دجال کو خواب یا کشف میں دیکھا تھا اور چونکہ وہ ایک عالم مثالی ہے اس لئے اس کا حلیہ بیان کرنے کے وقت لفظ کانّی یعنی گویا کا لفظ بتادیا تا کہ اس بات پر دلالت کرے کہ یہ رویت حقیقی رویت نہیں۔ ایک امر تعبیر طلب ہے سبحان اللہ مرزا صاحب نے کہاں کی کہاں لگادی۔ اگر تعبیر طلب تھی تو ابن عمرؓ کی حدیث تھی جس میں عیسی علیہ السلام اور دجال وغیرہ کا خواب میں دیکھنا مذکور ہے حالانکہ

حضرت نے نہ خود اس کی تعبیر بیان کی نہ صحابہ نے حسب عادت پوچھا کہ عیسی سے کیا مراد ہے اور دجال سے کیا مراد اور ان کے طواف سے کیا مقصود ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس خواب سے صرف ان کی معرفت اور مشخص طور پر معلوم ہونا مقصود تھا بخلاف نواس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے اس میں تو سرے سے خواب کا ذکر ہی نہیں۔ رہا لفظ ''كأني أشبه'' اس سے صرف تعین اور تشخیص مقصود ہے کہ من وجہ جسمانی مشابہت مشبہ اور مشبہ بہ بھی معلوم ہو جائے کیونکہ یہ لفظ دوسرے مشخصات کی قطار میں واقع ہے جیسے ان کے نکلنے کے مقامات، اور مدت بقا اور سرعت سیر کا اندازہ، اور اس زمانہ کے واقعات جن سے ہر مسلمان سمجھ جائے کہ جب تک یہ تمام نشانیاں نہ پائی جائیں نہ کسی کو عیسی سمجھ سکتے ہیں نہ دجال موعود۔

یوسف ذا کی طرح واقعہ بدل دیا

غور کرنے کا مقام ہے کہ باوجود ان تمام تشخصات اور اہتمام کے جو حضرت نے ان کے بیان میں کیا ہے یہ سمجھنا کہ وہ سب خواب و خیال ہے کس قدر ایمان سے دور ہے

پیش تر یہ بات معلوم ہوگئی ہے کہ مرزا صاحب نے یوذاسف کا طریقہ اختیار کیا ہے کہ واقعات میں تصرف کیا کرتے ہیں جیسے اس نے ابراہیم علیہ السلام کے تمام واقعات میں تصرف کر کے ان کو مجوسی قرار دیا اور بنیاد یہ قائم کی کہ ان کے قلفہ پر برص ہوا تھا مرزا صاحب نے یہاں بھی وہی کیا کہ لفظ كاني پر یہ بنیاد قائم کی نواس رضی اللہ عنہ کی حدیث ایک خواب کا واقعہ ہے۔

جس چیز کا احتمال بھی نہیں اس کو قطعی کہہ دیتے ہیں

ابن عمر رضی اللہ عنہ والی حدیث میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: ''میں نے خواب میں عیسی علیہ السلام اور دجال کو دیکھا ہے'' اس بنا پر مرزا صاحب فرماتے ہیں پس یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ دمشق والی حدیث در حقیقت ایک خواب ہی ہے

معلوم نہیں مرزا صاحب سے کس نے کہہ دیا کہ حضرت نے دجال وغیرہ کو جو ایک بار خواب میں دیکھ لیا تھا اور اس کے بعد جتنے واقعات اور پیش گوئیاں حضرت نے اس باب میں فرمائی ہیں وہ سب خواب ہیں۔ ایک بار کسی کو خواب میں دیکھنے سے قطعی طور پر یہ کیونکر ثابت ہوگا کہ جب کبھی اس کے واقعات بیان ہوں سب خواب ہی ہوا کریں۔

مرزا صاحب کے اس مسلک پر حضرت عائشہؓ کے نکاح وغیرہ کے واقعات سب قطعی اور یقینی طور پر خواب ہوں گے اس لئے کہ ان کو بھی حضرت نے نکاح سے پہلے خواب میں دیکھ لیا تھا۔ مرزا صاحب کی سخن سازیوں نے قطع اور یقین کو نہایت ہی ارزاں کر دیا ہے کہ جہاں احتمال بھی پایا نہیں جاتا قطع ویقین کی ڈھیر لگ جاتی ہے۔

دجال کا حلیۂ جسمانی

مرزا صاحب نے دجال کی نسبت جو لکھا ہے کہ: حضرت نے دجال کو خواب میں دیکھا وہ صورت مثالی تعبیر طلب ہے اس سے تو مرزا صاحب کی عیسویت بھی دجال ہی کے ساتھ درہم وبرہم ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ حضرت نے دونوں کو ایک ہی خواب میں دیکھا تھا اور علمائے فن تعبیر نے تصریح کی ہے کہ عیسی علیہ السلام کو خواب میں دیکھنے کی تعبیر سفر وغیرہ ہے اس صورت میں مرزا صاحب کی عیسویت کس بنا پر قائم ہوگی کیونکہ حضرت کے اس خواب کی تعبیر کا ظہور تو حضرت کے سفر وغیرہ سے اسی زمانہ میں ہو گیا ہوگا۔

اب نواس رضی اللہ عنہ والی حدیث میں غور کیجئے کہ کتنے واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں بیان فرمائے ہیں جو عیسی علیہ السلام کے زمانہ ہی سے متعلق ہیں:

1) دجال کا حلیہ۔

2) شام وعراق کے درمیان سے اس کا نکلنا۔

3) اس کا فساد برپا کرنا۔

4) اس کی مدت فتنہ پردازی۔

5) اس کے زمانہ کے ایام کی مقدار۔

6) ان ایام کی نمازوں کا طریقہ۔

7) اس کی سرعت سیر۔

8) اس کے خوارق عادات۔

9)عیسی علیہ السلام کا دمشق میں اترنا۔

10)ان کے اترنے کا مقام۔

11)ان کا لباس اور ہیئت۔

12)کافروں کا قتل۔

13)دجال کو مقام معین میں قتل کرنا۔

14)یاجوج وماجوج کا خروج اوران کی کثرت۔

15)خوردنی اشیا کی گرانی۔

16)یاجوج وماجوج کی موت کا حال۔

17)پرندوں کا ان کی لاشوں کو اٹھالیجانا۔

18)زمین کو گندگی سے پاک کرنے کے لئے بارش۔

19)پیداوار کی کثرت۔

20)مسلمانوں کی موت کا حال۔

21)کفار کا حال اوران پر قیامت کا قائم ہونا۔

یہ کل علامات ایسی ہیں جو عیسی علیہ السلام کے زمانہ کے ساتھ مختص ہیں جن میں سے ایک بھی مرزا صاحب کے وقت میں نہیں ہے۔مرزا صاحب نے اس حدیث کو ایک خواب تعبیر طلب قرار دے کر بعض امور کی تعبیر بھی بیان کی ہے:

درازی ایام میں مرزا صاحب کی تاویل

چنانچہ ازالۃ الاوہام (ص ۲۱۵) میں طولانی ایام کی نسبت لکھتے ہیں کہ لمبے دنوں سے مراد تکلیف اور مصیبت کے دن بھی ہوتے ہیں۔بعض مصیبتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ایک دن ایک برس کے برابر دکھائی دیتا ہے اور بعض مصیبتوں میں ایک دن ایک مہینے کے برابر اور بعضوں میں ایک ہفتہ کے برابر دکھائی دیتا ہے پھر رفتہ رفتہ صبر پیدا ہوجانے سے وہی لمبے دن معمولی دکھائی دیتے ہیں۔‘‘

ازالۃ الاوہام (ص ۱۴۶) میں انہوں نے لکھا ہے کہ: دجال سے مراد بااقبال قومیں ہیں۔"

جب دجال سے مراد بااقبال قومیں ہیں اور ایام کی درازی مصیبتوں کے لحاظ سے ہوتی ہے تو اس تعبیر میں ان کو ضرور تھا کہ اس کی تصریح بھی کر دیتے کہ فلاں بااقبال قوم کے خروج کا پہلا دن ایک سال اور دوسرا دن ایک ماہ کا اور تیسرا دن ایک ہفتہ کا اور باقی ایام معمولی اصناف مصائب کے لحاظ سے ہو گئے تھے اسی طرح ایک ایک بااقبال قوم کے ایام و مصائب کا ذکر کرتے۔ مگر یہ ان سے ممکن نہیں ان کو تو صرف حدیث کو بگاڑنا مقصود ہے۔

اور نمازوں کے باب میں لکھتے ہیں (ص ۲۱۶) کہ: طولانی دن کی مقدار پر اندازہ کرنے کو جو فرمایا ہے سو یہ بیان حضرت کا علی سبیل الاحتمال ہے یعنی حضرت نے بلحاظ وسعت قدرت الٰہی کشفی امر کو مطابق سوال کے ظاہر پر محمول کر کے جواب دیا اور کشفی امر کو جب تک خاص طور پر خدائے تعالیٰ ظاہر نہ کرے کبھی ظاہری معنی پر محدود نہیں سمجھتے تھے"۔

مطلب اس کا ظاہر ہے کہ ان ایام کا کشف تو حضرت کو ہو گیا تھا مگر بیان کرنے میں نعوذ باللہ غلطی کی جو مطابق سوال کے خلاف واقع جواب دے دیا اور حق تعالیٰ نے اس کشفی امر کو حضرت پر ظاہر ہی نہیں کیا اسی لئے ظاہری معنی پر اس کو محدود کر لیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر غلط بیانی کا الزام

یہاں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اگر ان ایام کا کشف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو گیا تھا کہ ایک روز ایک برس کا ہوگا تو اس کو ظاہری معنی پر حمل کرنا کیوں خلاف واقع سمجھا جاتا ہے۔ اور اگر ایک برس کا ایک دن سمجھنا غلط تھا تو کشف ہی کیا ہوا۔ مرزا صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کشف کو اپنے ادعائی کشفوں کے جیسے سمجھ لیا ہے کہ کشف میں دیکھا تو شیطان کو اور سمجھ لیا کہ وہ خدا ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا اسی وجہ سے حضرت کے کشف کی اصل حقیقت سمجھنے میں دقتیں لاحق ہوئیں۔

اور اسی ازالۃ الاوہام (ص ۲۱۷) میں لکھتے ہیں کہ: یہ جو فرمایا کہ دجال بادل کی طرح تیز چلے گا اور اس پر ایمان جو لائے تب بادل کو حکم کریگا کہ مینہ برسائے اور زمین کھیتی اگائے سو یہ استعارات ہیں ہوشیار رہو دھوکہ نہ کھانا۔"

مرزا صاحب مسلمانوں کو ڈراتے ہیں کہ تمہارے نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے تم کو دھوکہ دے دیا ان سے ہوشیار رہو دھوکہ نہ کھاؤ۔ سبحان اللہ اس پر امتی ہونے کا دعویٰ بھی ہے، اور اسی میں ص ۲۱۵ پر لکھتے ہیں کہ:

''دجال اس راہ سے نکلنے والا ہے کہ جو شام وعراق کے درمیان واقع ہے'' یہ بھی ایک استعارہ ہے جیسا کہ مکاشفات میں عام طور پر استعارات وکنایات ہوا کرتے ہیں''۔

مرزا صاحب کی رائے یہاں چل نہ سکی اس لئے کہ دجال تو با اقبال قومیں ٹھہریں اور وہ شام وعراق کے درمیان نہیں اس لئے اسی پر اکتفا کیا کہ وہ بھی ایک استعارہ وکنایہ ہے جس کے معنی سمجھ میں نہیں آتے۔ یہاں اہل اسلام کو یہ بھی خیال کر لینا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس اہتمام سے ان واقعات کو بیان فرمایا اور کیسے کھلے کھلے الفاظ میں دجال کے حالات معلوم کرائے ان سب کو مرزا نے چیستان اور پہیلی قرار دیا اور صرف چند مضامین اپنی دانست میں حل کر کے باقی کو چھوڑ دیا۔ کیا یہی نبی کی شان ہے کہ اپنی امت کو کسی سے ڈرائے اور اس کے احوال کی پہیلی بنا کر بیان کرے اور اس پہیلی کے سننے والے اس کو ظاہر پر حمل کر کے ظاہری الفاظ پر ایمان لائیں جن میں بعض امور کفریات اور دھوکہ ہوں اور نبی ساکت رہیں اور یہ بھی نہ کہیں کہ ہم نے تو پہیلی بنائی تھی تم اسی کے ظاہر پر ایمان لا رہے ہو۔ اپنے نبی کی نسبت ایسا گمان کرنے والا کیا امتی ہو سکتا ہے عقل اس کو ہرگز باور نہ کرے گی۔

بخاری اور مسلم کی حدیثیں موضوع ہیں

مرزا صاحب نے دیکھا کہ اگر عیسیٰ اور دجال میں تلازم ثابت ہو جائے تو جو علامات دجال کی احادیث میں مذکور ہیں کسی پر صادق کر کے بتلانے کی ضرورت ہوگی، اگرچہ کہ اپنے مناسب دجال کبھی پادریوں کو اور کبھی با اقبال قوموں کو قرار دیتے ہیں اور چند علامات بھی تاویلیں کر کے ان پر صادق کر دیتے ہیں مثلاً ایک چشمی ہونے سے مراد دنیاوی عقل وغیرہ ہیں۔ مگر پوری علامتیں تاویلات سے بھی صادق نہیں آسکتیں اس لئے آخر میں تنگ آ کر صاف کہہ دیا کہ: دجال کے باب میں جتنی حدیثیں بخاری اور مسلم وغیرہ میں مذکور ہیں سب موضوع ہیں۔

البتہ ابن صیاد جال موعود تھا جو حضرت نبی کے زمانہ میں نکلا اور مر بھی گیا اب دجال کی ضرورت ہی نہ رہی چنانچہ ازالۃ الاوہام (ص۲۲۶) میں لکھتے ہیں کہ اب اگر ہم بخاری اور مسلم کی ان حدیثوں کو صحیح سمجھیں جو دجال کو آخری زمانہ میں اتار رہی ہیں تو یہ حدیثیں موضوع ٹھہرتی ہیں اور اگر ان حدیثوں کو صحیح قرار دیں تو ان کا موضوع ہونا ماننا پڑتا ہے۔ عقلِ خداداد ہم کو یہ طریقہ فیصلہ کا بتلاتی ہے کہ جتنی احادیث پر عقل اور شرع کا کچھ اعتراض نہیں انہی کو سچ سمجھا جائے سو اس طریق فیصلہ کی رو سے یہ حدیثیں جو ابن صیاد کی حق میں وارد ہیں قرین قیاس معلوم ہوتی ہیں کیونکہ ابن صیاد اپنے اوائل ایام میں بے شک ایک دجال ہی تھا اور بعض شیاطین کے تعلق سے اس سے امور عجیبہ ظاہر ہوتے تھے جس سے اکثر لوگ فتنہ میں پڑتے تھے لیکن بعد مشرف باسلام ہو گیا۔ اور اسی میں (ص۲۲۵) میں لکھتے ہیں کہ: دوسری حدیثوں سے ظاہر ہے کہ بالآخر ابن صیاد پر یقین کیا گیا کہ یہی دجال معہود ہے چنانچہ صحابہ نے قسمیں کھا کر کہا کہ ہمیں اس میں شک نہیں کہ یہی دجال معہود ہے اور حضرت نے بھی آخر کار یقین کر لیا''۔

ابن صیاد اور دجال کی بحث انوار الحق میں کسی قدر مبسوط لکھی گئی ہے اس میں مرزا صاحب کے ان شبہات کے جوابات بھی مذکور ہیں مگر یہاں یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ جب آخری زمانے میں دجال کا وجود ہی نہ ہو تو پھر عیسی کی ضرورت ہی کیا حالانکہ ازالۃ الاوہا (ص۱۴۷) میں وہ لکھتے ہیں ''**لکل دجال عیسی**'' اس سے تو دونوں میں تلازم ثابت ہو رہا ہے اور احادیث میں مصرح ہے کہ عیسی علیہ السلام خاص دجال کے قتل کے لئے معین ہیں۔ اور خود عیسی علیہ السلام نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی کہا جیسا کہ حدیث صحیح سے ابھی معلوم ہوا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب وہ حدیثیں موضوع ہوں تو عیسی علیہ السلام کے آنے کا ذکر جو وہ بھی انہی میں ہے کیونکر ثابت ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں مرزا صاحب کے اقرار سے ثابت ہو گیا کہ نہ وہ مسیح موعود ہیں اور نہ مثیل موعود اور نہ ان کی ذریت میں کوئی مسیح ہو سکتا ہے۔ اور اگر اپنے الہاموں سے مسیح ہونا ثابت کریں؛ تو ان کے الہاموں کی بے وقعتی تقریر سابق سے بخوبی ثابت ہے۔ اور مرزا صاحب اپنا دجال پادریوں اور بااقبال قوموں کو جو بتا رہے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں غالب ہونا تو درکنار ان کو آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ نہیں سکتے۔

اس لئے کہ مسٹر اتھم صاحب کے مقابلہ میں جب حد سے زیادہ خفیف وذلیل ہوئے تو اب کسی پادری کے مقابلہ کی ان میں جرأت ہی نہیں۔ اور با اقبال قوموں کے مقابلہ کا تو ان کو خیال بھی نہیں آ سکتا۔ بلکہ بجائے مقابلہ کے دعا گوئی اور خوشامد میں مصروف ہیں۔ پھر اپنے آپ کو عیسی اور پادریوں اور با اقبال قوموں کو دجال بنانے سے فائدہ ہی کیا؟

ان کے اقرار سے ان کا عیسیٰ ہونا باطل ہو گیا

جب احادیث سے بتواتر ثابت ہے کہ عیسی دجال کو قتل کریں گے اور مرزا صاحب اپنے دجال کے مقابلہ میں حرکت مذبوحی بھی نہیں کر سکتے؛ تو انہی احادیث سے مرزا صاحب کی عیسویت خود باطل ہو گئی۔

مرزا صاحب نے مسیحیت کا ایسا دعوی کیا ہے کہ بقول ان کے اب تک کسی نے نہیں کیا کیونکہ اس دعوے کے لوازم وشرائط جو احادیث صحیحہ میں وارد ہیں ہر مسلمان کو جس میں ذرا بھی ایمان ہے اس دعوی سے روک دیتی ہیں۔ اور تمام حدیثوں کی صحیح کتابیں جن کی صحت پر ہر زمانے کے علمائے شرق وغرب کا اتفاق قرنا بعد قرن چلا آ رہا ہے ان کو اس دعوے میں کاذب بتا رہی ہیں تو اب ان کو بغیر اس کے کہ ان کتابوں پر حملہ کریں کوئی مفر نہیں۔ اس صورت میں مسلمانوں کو اس کی کیا ضرورت کہ مرزا صاحب کی خاطر سے اپنی معتمد علیہ کتابوں کو جھوٹی اور اپنے سلف صالح اور متفق علیہ علمائے متقدمین ومتاخرین کو جاہل اور غیر متدین کہہ کر ادعائی مسیح کو مان لیں۔

بہر حال یہ اکیس (۲۱) علامتیں جن کو نواس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اور تمام امت نے اس کی تصدیق کی ہے بآواز بلند کہہ رہی ہیں کہ مرزا صاحب کا دعویٰ عیسویت بلا شک وشبہ بے اصل محض ہے اور وہ زبردستی اپنے کو مسیح بنا رہے ہیں اور اس کا کچھ خوف نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باب میں کیا فرمایا ہے امام سیوطی رحمہ اللہ نے کتاب البدور السافرۃ فی احوال الآخرۃ کے ص (۲۱۱) میں یہ حدیث نقل کی ہے۔ ''اخرج الشیخان: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''من ادعی مالیس لہ فلیس منا و لیتبوأ مقعدہ من النار''



ح جو شخص ایسی بات کا دعویٰ کرے جو اس میں نہیں دوزخی ہے

یعنی بخاری و مسلم دونوں میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص ایسی بات کا دعویٰ کرے جو اس کو حاصل نہیں وہ ہم لوگوں میں یعنی مسلمان نہیں۔ چاہئے کہ وہ اپنا گھر دوزخ میں بنالے انتہی۔

اس مقام میں فلسفی خیال والوں کو مرزا صاحب کی تقریر بہت مفید ہوگی اور ضعیف الایمان ان کی بات کو بآسانی قبول کرلیں گے اس وجہ سے کہ امور مذکورہ کو معمولی عقلیں قبول نہیں کرسکتیں۔ مثلاً چالیس سال کا ایک دن ہونا ہرگز قرین قیاس نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ایمان کے موانع بہت ہیں اسی وجہ سے اہل ایمان جو مستحق جنت ہیں دوزخیوں کی نسبت ہزاروں حصہ ہوں گے۔ جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے لیکن انصاف سے اگر دیکھا جائے تو کوئی بات بھی ان میں خلاف عقل نہیں اس لئے کہ خدائے تعالیٰ جو خالق عالم ہے اس میں ہر طرح تصرف کرسکتا ہے۔ اس میں کسی مسلمان کو شبہ نہیں کہ قیامت کے روز آسمان ٹوٹ پھوٹ جائیں گے آفتاب بے نور اور قریب ہوجائیگا اور اس پچاس ہزار برس کے دن میں آفتاب پر کئی حالتیں طاری ہوں گی پھر اگر قیامت کے قریب اس پر یہ حالت بھی گذرے کہ چالیس سال زمین کے کسی خاص حصہ کے مقابل ٹھہرا رہے تو کونسا محال لازم آجائیگا۔ حکمت جدیدہ کی رو سے تو آفتاب ساکن ہی ہے اور حکمت قدیمہ کی رو سے زمین ساکن ہے۔ بہر حال ان دونوں کا ساکن ہونا حکماء کے قول سے ثابت ہے پھر ایک مدت تک اگر دونوں ساکن رہیں تو کون سی نئی بات ہوگئی اسی پر کل امور کا قیاس کرلیجئے کیونکہ وہ ایک ایسا زمانہ ہوگا کہ خدائے تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کو خاص طور پر ظاہر فرمائیگا اس سے بڑھ کر کیا ہو کہ جتنی مخلوق ابتدائی خلقت سے مرکر مٹی میں مل گئی جن کا نام ونشان تک باقی نہ رہا سب کے سب اصلی حالت پر اٹھائی جائیگی اور اعادۂ معدوم جو محال سمجھا جاتا ہے اس روز ممکن بلکہ واجب ہوگا۔ بہر حال آدمی ایمان لانا چاہے تو کوئی بات نہ خلاف عقل ہے نہ ایمان لانے سے مانع مگر یہ بات بے توفیق الٰہی حاصل نہیں ہوسکتی "وماتوفیقی الا باللہ"۔

نواس رضی اللہ عنہ کی روایت سے جو علامات عیسٰی علیہ السلام کے زمانہ کے معلوم ہوئیں یہ ہیں۔

13) شام وعراق کے درمیان دجال کا نکلنا۔

14) اس کا حلیہ۔

15) اس کا فساد برپا کرنا۔

16) اس کی فتنہ پردازیاں۔

17) اس کے زمانہ کے ایام کی مقدار۔

18) ان ایام کی نمازوں کا طریقہ۔

19) اس کی سرعت سیر۔

20) اس کے خوارق وعادات۔

21) عیسٰی علیہ السلام کا لباس وہیئت وغیرہ۔

22) ان کا کافروں کو قتل کرنا۔

23) یاجوج ماجوج کا خروج اور ان کی کثرت۔

24) خوردنی اشیاء کی گرانی۔

25) یاجوج وماجوج کی موت کا حال۔

26) پرندوں کا ان کی لاشوں کو اٹھالے جانا۔

27) زمین کو گندگی سے پاک کرنے کے لئے بارش۔

28) پیداوار کی کثرت۔

29) مسلمانوں کی موت کا حال۔

30) کفار کا حال۔

31) ان پر قیامت کا قائم ہونا۔



امام مہدی کا عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہونا

32)امام مہدی کا عیسی علیہ السلام کے زمانے میں ہونا۔

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ امام مہدی اور عیسی علیہ السلام ایک ہی شخص ہیں مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: وہ دو شخص ہیں اور ہر ایک کے حالات جدا جدا ہیں جیسا کہ اس حدیث شریف سے ظاہر ہے جو کنز العمال میں ہے، ج ۷ نمبر ۱۹۴۷و۱۹۵۸:

امام مہدی سے متعلق احادیث باوجود مفصل ہونے کے ان کا دعویٰ مہدویت

''قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کیف تھلک امۃ انا فی اولھا وعیسی ابن مریم فی آخرھا والمھدی من اھل بیتی فی وسطھا''یعنی وہ امت کیونکر ہلاک ہوگی جس کے اوائل میں میں ہوں اور آخر میں عیسی ابن مریم اور وسط میں مہدی ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ مہدی اور عیسی علیہما السلام ایک شخص نہیں ہیں۔اور کنز العمال ج ۷ ص ۱۹۳۸ میں ہے:''قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: المھدی من عترتی من ولد فاطمۃ (د ہم عن ام سلمہ)''یعنی مہدی میری اہل بیت میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں ہوں گے۔یہ روایت ابو داؤد اور مسلم میں ہے وفی کنز العمال نمبر ۱۹۵۴''قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: المھدی یواطی اسمہ اسمی واسم ابیہ اسم ابی''۔یعنی مہدی کا نام محمد ابن عبداللہ ہوگا وفی کنز العمال نمبر ۱۹۵۴''قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لو لم یبق من الدنیا الا یوم لطول اللہ ذلک الیوم حتی یبعث فیہ رجل من أھل بیتی اسمہ اسمی واسم أبیہ اسم أبی یملأ الأرض قسطا وعدلا کما ملئت ظلما وجورا (وعن ابن مسعود)یعنی اگر بالفرض دنیا کا ایک ہی دن باقی رہ جائے تب بھی حق تعالی اس دن کو دراز کردیگا تا کہ امام مہدی آکر دنیا کو عدل وانصاف سے بھردیں۔

ان کے سوا اور بھی حدیثیں ہیں جن سے ثابت ہے کہ مہدی علیہ السلام اور ہیں اور عیسی علیہ السلام اور۔

پھر ان کو پہچاننے کے لئے حضرت نے کئی علامتیں بتلادیں تا کہ مسلمان کسی اور کو مہدی نہ سمجھ

لیں کما فی کنز العمال نمبر ۱۹۴۱: ''قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: المھدی علی الجبھة اقنی الانف (داؤد' مستدرک عن ابی سعید رضی اللہ عنہ) وفی روایة ص ۱۹۴۲ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجیه کالکوکب الدری وفی روایة (ص ۱۹۵۶) فی خده الأیمن خال أسود علیه عبایتان قطر تیان

وفی البرهان فی علامات مهدی آخر الزمان للشیخ علی متقی علیہ الرحمۃ أخرج نعیم عن ابی الطفیل: أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصف المهدی فذکر ثقلا فی لسانه۔ وفیه أیضاً: أخرج نعیم: المهدی أزج أبلج اعین یجیئ من الحجاز حتی یستوی علی منبر دمشق وهو ابن ثمان عشرة سنة۔ وفیه ایضاً من روایة علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجهه: المهدی کث اللحیة اکحل العینین براق الثنایا وفی وجهه خال ''یعنی مہدی علیہ السلام فراخ پیشانی اور بلند بینی ہوں گے ان کا چہرہ ستارہ کی طرح چمکتا ہوگا۔ ان کے داہنے رخسار پر خال سیاہ ہوگا اور لباس ان کا دوقطری عبا ہوں گے ان کی زبان میں ثقل ہوگا۔ اور کشیدہ وکشادہ ابرو ہوں گے اور فراخ چشم جب وہ حجاز سے دمشق آئیں گے ان کی عمر اٹھارہ سال کی ہوگی دمشق کے منبر پر خطبہ پڑھیں گے ان کی ریش گھنی ہوگی آنکھیں سرگیں اور دانت نہایت چمکدار ہوں گے ان کے سوا اور بہت سی حدیثیں حلیہ وغیرہ سے متعلق وارد ہیں۔ الغرض باوجودیکہ امام مہدی سے متعلق روایتیں بکثرت صحاح وغیرہ میں وارد ہیں اور مرزا صاحب جانتے ہیں کہ امام مہدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں ہوں گے، اور خود مغل ہیں اور ہر شخص جانتا ہے کہ دوسرے نسب میں داخل ہونے کی کیسی وعیدیں ہیں مگر بایں ہمہ صاف کہتے ہیں کہ میں مہدی ہوں۔

ح امام مہدی عیسیٰ علیہ السلام کی امامت کریں گے

اب ان روایات کو بھی دیکھئے جن سے ثابت ہوتا ہے؛ کہ امام مہدی عیسی علیہ السلام کی امامت کریں گے ''عن جابر قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا یزال طائفة من امتی یقاتلون علی الحق ظاهرین الی یوم القیامة قال: فینزل عیسی بن مریم فیقول امیرهم

تعال! صل لنا! فیقول: لا ان بعضکم علی بعض أمراء تکرمہ اللہ ھذہ الأمۃ۔ رواہ مسلم کذا فی المشکوۃ'' یعنی فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت قیامت تک حق پر جنگ کرتی رہے گی۔ جب عیسی بن مریم اتریں گے ان کا امیر عیسی علیہ السلام سے کہے گا کہ: آیئے نماز پڑھایئے! وہ انکار کر کے کہیں گے: اس امت کے امیر انہی میں کے ہوسکتے ہیں یہ اس لئے کہ خدائے تعالی نے اس امت کو بزرگی دی ہے۔ اگرچہ اس روایت میں صرف امیر کا لفظ ہے جو عیسی علیہ السلام کی امامت کریں گے مگر دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ امام مہدی ہوں گے۔ جیسا کہ کنز العمال (ص ۱۹۴۹) میں ہے: ''قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: منا الذی یصلی عیسی بن مریم خلفہ'' یعنی جس امیر کے پیچھے عیسی علیہ السلام نماز پڑھیں گے وہ ہمارے اہل بیت میں ہوگا۔

مرزا صاحب اگر مہدی ہیں تو ثابت کریں کہ عیسی علیہ السلام نے ان کے پیچھے نماز کون سی جنگ میں پڑھی تھی۔ مختصر تذکرۂ قرطبی میں امام شعرانیؒ نے لکھا ہے: ''روی ابن ماجہ عن أبی ھریرۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لو لم یبق من الدنیا الا یوم واحد یطولہ اللہ عز وجل حتی یملک رجل من أھل بیتی جبل الدیلم والقسطنطنیۃ۔ واسنادہ صحیح'' یعنی اگر بالفرض دنیا کا ایک ہی دن باقی رہ جائے تو خدائے تعالی اسی کو دراز کریگا جس میں میرے اہل بیت سے ایک شخص جبل دیلم اور قسطنطنیہ کا مالک ہوجائیگا۔ اور روایت سابقہ جو اسی مضمون کی مذکور ہوئی اس میں نام بھی اس شخص کا معلوم ہوا کہ وہ امام مہدی ہوں گے۔ اور دوسری روایت میں مصرح ہے کہ: قسطنطنیہ کی فتح کے ساتھ ہی دجال نکلے گا جس کے مقابلے میں امام مہدی جائیں گے اور عیسی علیہ السلام کی امامت کا اتفاق ہوگا جس کی خبر حضرت نے دی ہے؛ کہ ''منا الذی یصلی عیسی خلفہ'' روایت مذکورہ یہ ہے جو مختصر تذکرۂ قرطبی میں مذکور ہے:

اس خیال سے مرزا صاحب اقتدا کیا کرتے ہیں

''روی مسلم عن أبی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لاتقوم الساعۃ حتی ینزل الروم۔ قال: فیفتحون قسطنطنیۃ فبینما ھم یقتسمون الغنائم اذ صاح فیھم

الشیطان ان المسیح قد خلفکم فیخرجون وذلک باطل فاذا جاء وا الشام خرج فبینماھم یعدون للقتال یسوون الصفوف اذا اقیمت الصلوۃ فینزل عیسی بن مریم“۔۔۔ الحدیث یعنی اہل اسلام قسطنطنیہ فتح کر کے تقسیم غنیمت میں مشغول ہوں گے کہ شیطان پکار دے گا کہ دجال نکل آیا اگرچہ وہ بے اصل ہوگا لیکن جب وہ شام کو آئیں گے تب دجال نکلے گا اور وہ صف آرائی میں مشغول ہوں گے اور ادھر نماز کی جماعت قائم ہوگی کہ عیسی علیہ السلام اتر آئیں گے۔ مرزا صاحب انہی احادیث کے لحاظ سے اکثر نماز میں اقتدا کیا کرتے ہیں جیسا کہ الحکم میں لکھا ہے۔ اور کچھ نہیں تو تصور تو اس کا ضرور جماتے ہوں گے کہ میں عیسی ہوں اور یہ امام مہدی ہے۔ کیوں نہ ہو مرزا صاحب کو تصوف میں بھی دعوی ہے فنا و بقا میں خوب گفتگو کیا کرتے ہیں یہ شعر ضرور پیش نظر ہوگا۔

ع ”گر در دل تو گل گزرد گل باشی“۔

مگر حیرت یہ ہے کہ یہ تصور بھی اب تک جما نہیں اس لئے کہ نماز کے بعد بے چارے امام کو مہدویت سے محروم کر کے خود مہدی بن جاتے ہیں۔

احادیث مذکورہ بالا سے ثابت ہے کہ گو امام مہدی عیسی علیہ السلام سے چندروز پیشتر مامور ہوں گے مگر درحقیقت دونوں کا زمانہ ایک ہی ہوگا اور یہ حدیث شریف بھی اسی کی خبر دیتی ہے ”عن معاذ بن جبل قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمران بیت المقدس خراب یثرب وخراب یثرب خروج الملحمۃ‘ وخروج الملحمۃ فتح قسطنطنیۃ‘ وفتح قسطنطنیۃ خروج الدجال۔ رواہ ابوداؤد و کذافی المشکوۃ“

یعنی بیت المقدس کی آبادی مدینہ کی ویرانی ہے اور مدینہ کی ویرانی ایک جنگ عظیم کی ابتداء ہوگی۔ اور اس جنگ عظیم کی ابتداء قسطنطنیہ کی فتح۔ اور فتح قسطنطنیہ خروج دجال ہے۔ یعنی ایک دوسرے سے ایسے متصل ہیں کہ گویا سب ایک ہی ہیں اور ابھی معلوم ہوا کہ امام مہدی قسطنطنیہ کو فتح کرتے ہی شام میں آئیں گے اور عیسی علیہ السلام کا نزول ہوگا۔ اور ابوعمر الدانی نے اپنی سنن میں حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: ”قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یلتفت المھدی

وقد نزل عیسیٰ بن مریم کأنما یقطر من شعرہ الماء فیقول المھدی: تقدم وصلّ بالناس‘ فیقول عیسیٰ: انما اقیمت الصلوۃ لک فیصلی خلف رجل من ولدی الحدیث“

مولوی قاضی عبیداللہ صاحب مدراسی نے فتویٰ میں یہ روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: امام مہدیؓ نماز کے لئے کھڑے ہوں گے کہ یکا یک عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے امام مہدیؓ امامت کے لئے ان سے کہیں گے مگر وہ قبول نہ کریں گے۔ پس عیسیٰ علیہ السلام میری اولاد سے ایک شخص یعنی امام مہدی کے پیچھے اقتدا کریں گے اور اسی میں ہے: ”أخرج أبو نعیم عن کعب الأحبار فاذا بعیسی ابن مریم ویقام الصلوۃ فیرجع امام المسلمین المھدی فیقول عیسی علیه السلام: تقدم فلک اقیمت الصلوۃ فیصلی بھم تلک الصلوۃ ثم یکون عیسی اماماً بعدہ“ اور نیز اس میں ہے: ”أخرج ابن أبی شیبة فی مصنفه قال: المھدی من ھذہ الأمة وھو الذی یؤم عیسی ابن مریم علیه السلام“ ماحصل ان سب روایتوں کا یہی ہے کہ امام مہدی عیسیٰ علیہ السلام کی امامت کریں گے جس سے ظاہر ہے کہ دونوں کا زمانہ ایک ہی ہوگا

ح حدیث لا مھدی الاّ عیسیٰ اور اس کے معنیٰ

اسی وجہ سے حدیث شریف میں وارد ہے کہ ”لا مھدی الاّ عیسی“ یعنی ہر چندان دونو ں حضرات کے حیرت انگیز وقائع جداگانہ ہیں جن کا ذکر مختلف احادیث میں بیان فرمایا گیا لیکن زمانہ دونوں کا ایک ہی ہے۔ جیسے فتح قسطنطنیہ، خروج دجال ہی ہے مگر چونکہ مرزا صاحب قسابو جو ہیں انہوں نے اس حدیث سے یہ کام لیا کہ مہدی کو عیسیٰ بنادیا اور یہ خیال نہیں کیا کہ جہاں مبالغہ مقصود ہوتا ہے اس قسم کا حمل عموماً کیا کرتے ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ جب کسی سے زیادہ محبت ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ: ہم اور آپ ایک ہیں۔ اس سے کوئی یہ نہیں سمجھتا ہے کہ دونوں شخص مل کر ایک ہوگئے کیونکہ ہر عاقل سمجھتا ہے کہ دو ذاتوں کا ایک ہوجانا محال ہے۔ حضرت نے حسب ونسب اور احوال مختصہ ہر ایک کے بارہا بیان فرمائے جس سے تمام صحابہ مطلع اور بخوبی واقف ہوگئے کہ قبل قیامت ان دونوں حضرات کی تشریف فرمائی ضرور ہے کسی موقع میں جہاں اتصال زمانی دونوں

کا بیان کرنا مقصود تھا فرمادیا ''لا مھدی الا عیسی''۔ وہ بھی اس خیال سے کہ کوئی غبی ایسا نہیں ہوسکتا کہ دو شخصوں کو ایک سمجھ لے پھر بھلا صحابہ جو حضرت کی بات بات کو وظیفہ اور حرز جان بنا کر ہمیشہ پیش نظر رکھا کرتے تھے کیونکر اس سے یہ سمجھ سکتے کہ حضرت نے ان دونوں بزرگواروں کو ایک بنادیا۔

ایک حدیث کی تاویل کرتا صدہا حدیثوں کو باطل ٹھہرایا

مرزا صاحب کی کج بحثیوں کی کوئی انتہا بھی ہے صدہا احادیث وآثار امام مہدی کی خصوصیات میں موجود ہیں جن میں چند یہاں لکھے گئے اور صدہا آیات واحادیث وآثار عیسی علیہ السلام کے باب میں وارد ہیں ذرا بھی احتمال نہیں ہوسکتا کہ یہ دونوں نام ایک شخص کے ہیں مگر انہوں نے ایک حدیث کو لے کر سب کو باطل کردیا اس پر اجتہاد کا بھی دعوی ہے۔ اگر اجتہاد اسی کا نام ہے کہ ایک حدیث کو لے کر سب کو باطل کردیا جائے تو اتنی بات کے لئے مجتہد کی کوئی ضرورت نہیں جس عامی سے کہئے فوراً یہ کام کردے گا۔ تقریر سابق سے ظاہر ہے کہ حدیث ''لا مھدی الا عیسی'' میں صرف مضاف محذوف ہے۔ یعنی ''لا زمان مھدی الا زمان عیسی'' جیسے حدیث ''عمران بیت المقدس خراب یثرب'' میں بھی لفظ زمان محذوف ہے۔

چونکہ آبادی بیت المقدس اور ویرانی یثرب اور جنگ عظیم اور فتح قسطنطنیہ اور خروج دجال اور ظہور امام مہدی اور نزول عیسی علیہما السلام میں قرب واتصال زمانی ہے۔ اس لئے حسب محاورہ سامعین کی فہم پر اعتماد کر کے ان وقائع کو ایک دوسرے پر حمل فرمادیا مگر مرزا صاحب اس کو جائز نہیں رکھتے اپنے دعووں میں تو مجاز واستعارات وحذف وغیرہ سے احادیث میں برابر کام لیں مثلاً خود مجازی عیسی، قادیان، دمشق، بااقبال قومیں، دجال اور امام مہدی کے باب میں جو کثرت سے روایتیں وارد ہیں جن کا تواتر محدثین ومحققین کی تصریح سے ثابت ہے ان کی صحت کے لئے مجاز لینے کی اجازت نہ ہو اس سے بڑھ کر احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا ظلم ہوسکتا ہے۔ اس پر دعوی ہے کہ میں عادل ہوں۔ شفاء للناس میں لکھا ہے کہ علامہ شوکانی بعد نقل احادیث کے اپنی کتاب توضیح میں لکھتے ہیں: وجمیع ماسبقناہ بالغ حد التواتر کما لا یخفی علی من لہ فضل

اطلاع فتقرر بجمیع ما سبقناہ فی ھذاالجواب ان الاحادیث الواردۃ فی المھدی المنتظر متواترۃ'' اب حدیث ''لا مھدی الا عیسی'' کا بھی تھوڑا سا حال سن لیجئے جس سے صحیح روایتیں مرزا صاحب باطل کررہے ہیں۔ یہ روایت ابن ماجہ میں ہے:

حدیث لا مھدی الا عیسیٰ ضعیف منکر منقطع مجہول ومخدوش ہے

''کما قال حدثنا یونس بن عبد الأعلی ثنا محمد بن ادریس الشافعی حدثنی محمد بن خالد الجندی عن ابان بن صالح عن الحسن عن انس بن مالک أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لایزداد الامر الا شدۃ ولا الدنیا الا ادبارًا ولا الناس الا شحا ولا تقوم الساعۃ الا علی شرار الناس ولا مھدی الا عیسی ابن مریم'' امام سیوطیؒ نے مصباح الزجاجہ میں اس روایت سے متعلق ایک نہایت مبسوط تقریر لکھی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث میں جملہ ''لا مھدی الا عیسی'' سوائے یونس کے اور کسی نے زیادہ نہیں کیا۔ اور یہ بات ثابت ہوگئی کہ یونس نے امام شافعیؒ سے اس کو نہیں سنا اس وجہ سے یہ حدیث منقطع ہے اور یہ روایت صرف محمد بن خالد سے مروی ہے اور محدثین نے تصریح کردی ہے کہ وہ منکر الحدیث اور مجہول ہیں ان کی عدالت ثابت نہیں۔ اور ابان بن صالح کی نسبت کہا گیا ہے کہ انہوں نے حسن سے کوئی حدیث سنی نہیں۔

ابوالحسن علی بن محمد ابن عبداللہ الواسطی کہتے ہیں کہ: میں نے امام شافعیؒ کو خواب میں دیکھا وہ فرماتے ہیں: ''کہ یونس نے جو مہدی کے باب میں مجھ سے روایت بیان کی ہے وہ جھوٹ ہے نہ میں نے وہ روایت کی نہ اس سے بیان کیا۔ الحاصل روایت ''لا مھدی الا عیسی'' اکابر محدثین کے نزدیک کئی طرح سے مخدوش ہے۔ مگر مرزا صاحب کو اس سے کیا غرض، ان کو کیسی ہی ضعیف، منکر، منقطع، مجہول، مخدوش روایت مل جائے، بشرطیکہ مفید مطلب ہو؛ اس پر بڑی دھوم دھام سے استدلال کرتے ہیں اور جو روایت ان کے حق میں مضر ہوتی ہے اگر بخاری ومسلم میں بھی ہو تو اقسام کے احتمال قائم کرکے ساقط الاعتبار بنادیتے ہیں۔

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام (ص ۵۱۸) میں لکھتے ہیں کہ: یہ خیال بالکل فضول اور مہمل معلوم ہوتا ہے کہ باوجودیکہ ایک ایسی شان کا آدمی ہو جس کو باعتبار باطنی رنگ اور خاصیت اس کے کہ مسیح ابن مریم کہنا چاہئے دنیا میں ظہور کرے اور پھر اس کے ساتھ کسی دوسرے مہدی کا آنا بھی ضرور ہو کیا وہ خود مہدی نہیں؟ کیا وہ خدا کی طرف سے ہدایت پا کر نہیں آیا

امام مہدی کے باب میں احادیث متواتر ہیں

ابن ماجہ نے اپنی صحیح میں لکھا ہے: ''**لا مھدی الا عیسی**'' یعنی بجز عیسی کے اس وقت کوئی مہدی نہ ہوگا۔

مطلب اس کا یہی ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے (کہ مسیح کے رنگ والا شخص یعنی قادیانی موجود ہونے کے بعد پھر مہدی کی کیا ضرورت) کمال زجر سے فرمایا: ''**لا مھدی الا عیسی**'' یعنی مہدی اس وقت کوئی چیز نہیں، وہی قادیانی بس ہے وہی مہدی ہے۔ مگر یہ بات غور طلب ہے کہ صحابہ کا دستور تھا کہ جب کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تو پوچھ کر اس کو صاف کر لیا کرتے تھے اس موقع میں ضرور تھا کہ کمال ادب سے عرض کرتے کہ حضرت مہدی کا ذکر تو نہ قرآن میں ہے نہ توراۃ وانجیل وغیرہ میں نہ ہم نے کسی سے سنا کہ مہدی بھی کوئی آدمی ہوگا پھر یہ جو بطور عتاب ارشاد ہو رہا ہے کہ: مہدی کوئی چیز نہیں اس کا سبب معلوم نہ ہوا کس نے عرض کی کہ مہدی بھی کوئی چیز ہے اور اگر انہوں نے حضرت سے امام مہدی کا ذکر اور ان کا حسب ونسب وحلیہ وغیرہ سنا تھا جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے تو عرض کرتے کہ جس مہدی موعود کا بارہا ذکر فرمایا کیا اب ان کی ضرورت نہ رہی؟ اور جب عیسی ہی مہدی ٹھہرے، تو کیا وہ حضرت ہی کی اولاد میں ہوں گے؟ اب تک تو ہم قرآن اور حضرت کے ارشاد سے عیسی ابن مریم کو نبی بنی اسرائیل سمجھتے تھے۔ اب ان کی نسبت کیا اعتقاد رکھنا چاہئے؟ کیا وہ سچ مچ عیسی ابن مریم ہوں گے یا جس طرح مہدی کی نفی فرمادی گئی ان کی بھی نفی مطلوب ہے۔ مگر کسی حدیث میں اس قسم کے سوال مذکور نہیں۔ اب یہ مضمون کس طرح اس حدیث سے نکالا جائے کہ قادیانی کے وقت میں مہدی کوئی چیز نہ ہوں گے اور قادیانی بھی مہدی ہوں گے۔ اہل وجدان سلیم سمجھ سکتے ہیں کہ مرزا صاحب جو اس حدیث کے معنی بیان فرماتے ہیں کس قدر بدنما ہیں۔



غلط فہمی

مرزا صاحب نے جولکھا کہ بجز عیسی کے اس وقت کوئی مہدی یعنی ہدایت یافتہ نہ ہوگا اس میں بھی ان کو غلطی ہوئی اس لئے کہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ عیسی علیہ السلام کے زمانے میں صرف اسلام ہی اسلام رہ جائیگا جس سے ظاہر ہے کہ کل ہدایت یافتہ ہوں گے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کل مہدی یعنی محمد ابن عبداللہ ہوں کلام اس میں ہے کہ مہدی موعود عیسی علیہ السلام نہیں البتہ معنی لغوی ان پر صادق آئیں گے جس میں ان کی خصوصیت نہیں۔

غلط فہمی

مرزا صاحب نے مہدی کو کلی قرار دیا ہے: چنانچہ ازالۃ الاوہام (ص ۵۱۹) میں لکھتے ہیں: یوں تو ہمیں اس بات کا اقرار ہے کہ پہلے بھی کئی مہدی آئے ہوں، اور ممکن ہے کہ آئندہ بھی آئیں، اور ممکن ہے کہ امام محمد کے نام پر بھی کوئی مہدی ظاہر ہو، لیکن جس طرز سے عوام کے خیال میں ہے؛ اس کا ثبوت پایا نہیں جاتا۔

مقصود یہ کہ مہدی اسلام میں متعدد ہوں گے، مگر جس صورت میں حدیث **"لا مھدی"** ظاہری معنی پر لی جائے جس کے مرزا صاحب قائل ہیں تو اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ محمد بن عبداللہ بھی مہدی یعنی ہدایت یافتہ نہیں۔ جن کا حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بکرات ومرات بیان فرمایا: پھر مرزا صاحب کا اقرار مہدیوں کے تعدد میں کیونکر صحیح ہوگا۔

مرزا صاحب نے مہدی سے پیچھا چھڑانے میں بڑی دقتیں اٹھائیں مگر اس زمانہ میں اس کی کوئی ضرورت نہ تھی کسی کا نام مہدی رکھ دیا جاتا ہے اس نام کا کوئی شخص تلاش کرلیا جاتا تو بھی کام چل جاتا آخر قدماء نے فرشتے بنا لئے تھے اور اسی پر ان کی کامیابی ہوگئی جیسا کہ تومرث کے واقعہ سے ظاہر ہے۔



حدیث سے ان کی عیسویت کا ابطال

مرزا صاحب نے حدیث ”لا مھدی الا عیسی“ کو ابن ماجہ میں تلاش تو کر لی مگر وہیں ایک حدیث اور بھی موجود تھی کاش اس پر بھی ان کی نظر پڑ جاتی اور اس کے معنی بھی بیان فرمادیتے۔ جس سے ناظرین کو دوبالا لطف آتا مگر اس کو انہوں نے اگر دیکھا بھی ہے تو نظر انداز کیا اس لئے کہ وہ تو مھدی کے ساتھ اس زمانہ کے عیسی کو بھی رخصت کر رہی ہے وہ حدیث یہ ہے:

”عن أبی أمامة الباھلی رضی اللہ عنه قال: خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فکان أکثر خطبته حدیثا حدثناہ عن الدجال۔ قال وامامھم رجل صالح فبینما امامھم قد تقدم یصلی لھم الصبح اذ نزل علیھم عیسی ابن مریم الصبح فرجع ذالک الامام یمشی القھقری لیتقدم عیسی یصلی فیضع عیسی یدہ بین کتفیه ثم یقول له: تقدم فصل فانما لک اقیمت فیصلی بھم امامھم فاذاانصرف قال عیسی علیه السلام: افتحوا الباب فیفتح ووراءہ الدجال معه سبعون الف یھودی کلھم ذو سیف محلی وشاح فاذا نظر الیه الدجال ذاب کمایذوب الملح فی الماء وینطلق ھاربا ویقول عیسی علیه السلام أن لی فیک ضربة لن تسبقنی بھا فیدرکه عند باب اللد الشرقی فیقتله فیھزم اللہ الیھود فلا یبقی شئ مما خلق اللہ یتواری به الیھود الا أنطق اللہ ذلک الشئ لا حجر ولا شجر ولا دابة الا الغرقد فانھا من شجرھم لا ینطق الا قال: یا عبداللہ المسلم ھذا یھودی فتعال اقتله۔ رواہ ابن ماجہ“

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز اکثر دجال کا ہی حال بیان فرمایا: اور یہ بھی فرمایا کہ: جو لوگ دجال کے مقابل ہوں گے ان کا امام ایک مرد صالح ہوگا صبح کی نماز پڑھانے کے لئے وہ آگے بڑھے گا کہ عیسی ابن مریم اتر آئیں گے۔ امام پیچھے ہٹے گا تا کہ عیسی علیہ السلام امامت کریں مگر وہ کہیں گے کہ تم ہی نماز پڑھاؤ چنانچہ وہ نماز پڑھائیگا بعد فراغ عیسی علیہ السلام کہیں گے دروازہ کھول دو اس وقت دجال ستر ہزار یہود کے ساتھ وہاں موجود ہوگا جب وہ عیسی علیہ السلام کو دیکھے گا تو کمال اضمحلال کی حالت میں بھاگے گا عیسی علیہ السلام کہیں گے: تو مجھ سے بھاگ نہیں سکتا

ایک وار میرا تجھ میں ضرور ہوگا چنانچہ اسکا پیچھا کر کے لد کے شرقی دروازہ کے پاس اس کو قتل کریں گے اور خدائے تعالی یہودیوں کو ہزیمت دیگا اور کیفیت یہ ہوگی کہ جس چیز کے پیچھے کوئی یہودی چھپے گا، خواہ وہ پتھر ہو، یا جھاڑ، یا دیوار، یا جانور، وہ چیز بآواز بلند کہے گی کہ: اے خدا کے بندے مسلمان یہاں یہودی چھپا ہے آ کر اس کو قتل کر ڈال۔ صرف غرقد کا جھاڑ خبر نہ دیگا کیونکہ وہ انہی کا ہے۔

اب مرزا صاحب ہی بتائیں کہ وہ کون لوگ تھے؛ جو دجال کے مقابل ہو گئے تھے اور ان کا کون امام تھا جس کی توصیف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے اور کون سی صبح کی نماز کے لئے وہ کھڑا تھا؛ جو مرزا صاحب اتر آئے اور اس کے پیچھے نماز پڑھی۔ اور کون سی مسجد کا دروازہ کھولنے کو کہا ؛جس کے پاس دجال ستر ہزار مسلح یہود کو لے کر کھڑا تھا اور کس کے پیچھے دوڑ کر مرزا صاحب نے لد کے دروازہ پر قتل کر ڈالا اور کون سے یہودیوں کو ہزیمت ہوئی اور سب مارے گئے۔ اور کس روز مرزا صاحب اور ان کے ہمراہی سے حجر و شجر نے باتیں کیں

یوں تو مرزا صاحب مسلمانوں کو یہود قرار دے ہی چکے ہیں کہہ دیں گے کہ میں نے ان کو ہزیمت دی مگر وہ خلاف واقع ہے، اس لئے کہ کئی وقائع سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ مرزا صاحب ہی کو ہزیمت ہوا کی اور بجائے اس کے کہ اپنے دجال کو قتل کریں اگر دل سے نہیں تو زبان سے اس کے مدح خواں اور شکر گذار اور دعا گو ہیں کیونکہ دجال انہوں نے بااقبال قوموں کو قرار دیا ہے جن میں ایک اعلی درجہ کی گورنمنٹ برطانیہ ہے۔

اور ازالۃ الاوہام (ص ۵۰۹) میں گورنمنٹ کی کمال درجہ کی شکر گذاری اور دعا گوئی میں اپنی مصروفی اور مشغولی ظاہر کرتے ہیں۔

حدیث کو اپنے پر چسپاں کرنے کے لئے داؤ پیچ

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام (ص ۵۷۲) میں تحریر فرماتے ہیں: ''کہ احادیث نبویہ کا لب لباب یہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: جب تم آخری زمانہ میں یہودیوں کی طرح چال چلن خراب کرو گے؛ تو تمہارے درست کرنے کے لئے عیسی بن مریم آئیگا'' یعنی تم اپنی شرارتوں کی وجہ سے یہودی بن جاؤ گے تو تم میں ہی عیسی ابن مریم کسی کو بنا کر تمہاری طرف بھیجوں گا اور جب تم

اشد سرکشیوں کی وجہ سے سیاست کے لائق ٹھہر جاؤ گے تو محمد بن عبداللہ ظہور کریگا؛ جو مہدی ہے۔ واضح رہے کہ یہ دونوں وعدے کہ محمد بن عبداللہ آئے گا یا عیسیٰ ابن مریم آئے گا دراصل اپنی مراد و مطلب میں ہم شکل ہیں۔ محمد بن عبداللہ کے آنے سے مقصود یہ ہے کہ جب دنیا ایسی حالت میں ہو جائیگی جو اپنی درستی کے لئے سیاست کی محتاج ہوگی تو اس وقت کوئی شخص مثیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہو کر ظاہر ہوگا اور یہ ضرور نہیں کہ درحقیقت اس کا نام محمد بن عبداللہ ہو، بلکہ احادیث کا مطلب یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک اس کا نام محمد بن عبداللہ ہوگا کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مثیل بن کر آئے گا۔

مرزا صاحب نے دیکھا کہ اہل اسلام احادیث کو دیکھ کر اس بات پر اڑیں گے کہ امام مہدیؑ جن کا نام محمد ابن عبداللہ ہوگا اور ان کی وہ علامتیں ہوں گی جو احادیث میں مصرح ہیں۔ ان کا وجود ضروری ہے اس لئے انہوں نے تقریر سابق میں یہ طریقہ اختیار کیا کہ ممکن ہے کہ کئی مہدی آئے ہوں اور امام محمد بھی آجائیں نہ ان کے وجود سے غرض ہے نہ عدم سے مطلب ہمیں اپنی عیسویت سے کام ہے۔ اس میں صرف ابلہ فریبی مقصود تھی ورنہ ان کا مقصود اصلی تو یہ ہے کہ وہ صرف عیسیٰ ہی نہیں بلکہ مہدی بھی ہیں۔ انہوں نے دیکھا کہ جہلا تو سب کچھ مان لیں گے مگر علماء سے پیچھا چھڑانا مشکل ہے اس لئے یہ راہ گریز بنا رکھی کہ ہم نے تو مہدی کے آنے کا بھی اقرار کر لیا ہے پھر اپنی عیسویت کا ثبوت یہ دیتے ہیں کہ جو لوگ یہودی بن گئے تھے ان کی اصلاح کے لئے آئے ہیں اور مہدویت کا یہ ثبوت کہ لوگ سیاست کے قابل ہو گئے تھے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مثیل بن کر آئے ہیں اور مہدی ہیں۔ ہر چند اس مقام میں اس کا ذکر نہیں کیا مگر یہ تو کہہ دیا کہ اس وقت کوئی شخص مثیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو کر ظاہر ہوگا جو مہدی ہے اور یہ ضرور نہیں کہ اس کا نام بھی محمد ابن عبداللہ ہو۔ اور براہین احمدیہ اور ازالۃ الاوہام میں بکرات و مرات لکھ چکے ہیں کہ میں مثیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوں بلکہ دعویٰ یہ ہے کہ بروزی طور پر حضرت ہی تشریف فرما ہوئے ہیں جیسا کہ سابقاً معلوم ہوا اور اس قول سے بھی ظاہر ہے جو ابھی نقل کیا گیا کہ ایسا شخص جس کو مسیح کہنا چاہئے کیا وہ مہدی نہیں۔ لیجئے خود ہی عیسیٰ بھی ہو گئے اور خود ہی مہدی بھی ہیں اور جتنی حدیثیں امام مہدی کے حسب ونسب وغیرہ خصوصیات کی تھیں سب بے کار ہو گئیں اور مرزا صاحب کا قول سب کا ناسخ ان کی امت نے تسلیم کر لیا۔



انہوں نے بہت سے مسلمانوں کو یہودی بنادیا

اب غور کیا جائے کہ مرزا صاحب جن یہودیوں کی اصلاح کے لئے آئے تھے ان کی اصلاح کی یا ان کو یہودی بنادیا۔ یہود جو گمراہ سمجھے گئے تھے آخر اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنے نبی کے ارشادوں کو چھوڑ کر اوروں کی باتوں کو مان لیا تھا جو اپنے دل سے تراش کر ان کو فتوی دیا کرتے تھے مرزا صاحب کا گروہ بھی یہی کر رہا ہے کہ مرزا صاحب کے قول کے مقابلہ میں وہ کسی حدیث کو نہیں مانتے اور جن کو اپنا نبی تسلیم کرتے ہیں ان کی باتوں کو قابل تسلیم نہیں سمجھتے۔ کیا اس سے بڑھ کر کوئی سرکشی اور شرارت ہوسکتی ہے

مرزا صاحب نے نہایت سچ اور بالکل حسب حال؛ فرمایا: ''کہ بہت سے لوگ یہودی بن گئے اور ان کی سیاست کی ضرورت ہے۔ حق تعالی فرماتا ہے: ''وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ '(سورۃ الاعراف: آیت: ۱۴۶) یعنی ان گمراہوں کی یہ حالت ہے کہ ہدایت کی راہ دیکھتے ہیں تو اس کو راستہ نہیں بناتے اور گمراہی کی راہ دیکھتے ہیں تو اس کو راستہ بنالیتے ہیں۔

ح کیف انتم اذا نزل فیکم ابن مریم و امامکم منکم

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام (ص ۲۰۱) میں حدیث: ''**کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم**'' کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

''کیا حال ہوگا جس دن ابن مریم تم میں نازل ہوگا اور تم جانتے ہو کہ ابن مریم کون ہے وہ تمہارا ہی ایک امام ہوگا اور تم میں سے اے امتی لوگو! پیدا ہوگا۔ یہاں تک بخاری کی حدیث کا ترجمہ ہو چکا اور آپ لوگوں نے سمجھ لیا ہوگا کہ امام بخاری صاحب ''**امامکم منکم**'' کے لفظ سے کس طرف اشارہ کر گئے **العاقل یکفیہ الاشارۃ**۔ سبحان اللہ امام بخاری کے فرضی اشارہ پر تو اس قدر توجہ، اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحۃً جو فرمایا ہے: ''کہ عیسی علیہ السلام کی امامت جو شخص کریں گے؛ وہ ہمارے اہل بیت سے ہوں گے اس کا ذکر تک نہیں۔ اگر یہ حدیثیں ضعیف بھی ہوتیں

توجب بھی ان کے ابطال کا کوئی حق نہ تھا اس لئے کہ ان کا موضوع ہونا ثابت نہیں چہ جائیکہ وہ احادیث مسلم اور ابن ماجہ وغیرہ میں موجود ہیں۔ مقصود مرزا صاحب کا یہ ہے کہ **امامکم منکم** کا جملہ علیحدہ ہے اور اس میں لفظ **ھو** محذوف ہے اور ایک مقام میں لکھتے ہیں: ''کہ واؤ **وامامکم** میں حرف تفسیر ہے جیسا کہ **تلک آیات الکتاب و قرآن** میں۔

غرض کہ دو توجیہیں کیں: ایک یہ کہ **وامامکم** جملہ مستانفہ ہے، بحذف **مبتدا**۔ اور دوسری یہ کہ جزء جملہ ہے جو نزل کے فاعل کی تفسیر واقع ہوا ہے مگر امام بخاری نے ان دونوں توجیہوں سے ایک کی طرف بھی اشارہ نہیں کیا۔

امام بخاری پر افترا۔ غلط بیانی

مرزا صاحب کو ضرور تھا کہ کس لفظ سے امام بخاری نے واؤ کے اس معنی کی طرف اشارہ کیا ہے بیان کرتے مگر چونکہ امام بخاری پر یہ افترا ہے اس لئے بیان نہ کر سکے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں خدا ورسول پر ان کا افترا کرنا ثابت ہے؛ پھر بخاری کیا چیز ہے محدثین کے نزدیک مسلم ہے ''**الحدیث تفسیر الحدیث**'' یعنی کسی حدیث کے معنی میں تردد ہو تو دوسری حدیثیں جو اس باب میں وارد ہیں دیکھی جائیں اور اس کے وہی معنی لئے جائیں جو دوسری حدیثوں سے مستفاد ہوں۔ جب ہم صحیح مسلم وغیرہ کی حدیثوں کو دیکھتے ہیں کہ ان میں مصرح ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جب اتریں گے؛ تو مسلمانوں کا امام ان سے درخواست امامت کریگا، اور وہ قبول نہ کریں گے؛ جس سے ظاہر ہے کہ وہ امام اور عیسیٰ علیہما السلام دو شخص ہوں گے۔ تو ان احادیث کے لحاظ سے ہمیں ضرور ہوا کہ اس حدیث بخاری کے وہی معنی لیں جو ان صحیح حدیثوں سے مستفاد ہیں اس لئے ''**وامامکم منکم**'' میں واؤ حالیہ لیا گیا جس پر تمام علماء کا اجماع ہے اور اس کی صدہا نظیریں قرآن وحدیث میں موجود ہیں جن کو ہر طالب علم جانتا ہے۔

مرزا صاحب نے اس واؤ کے جو معنی لئے ہیں اب تک کسی عالم نے نہیں لکھا صرف مرزا صاحب خود غرضی سے یہ معنی تراش رہے ہیں اور یہ خیال نہیں کرتے کہ اگر تکلف کر کے یہ معنی لئے

جائیں تو دوسری احادیث میں عیسی علیہ السلام اور امام میں مغائرت بالتصریح ثابت ہے وہ حدیثیں جھوٹی ثابت ہوں گی اور کتب صحاح ساقط الاعتبار ہو جائیں گی۔ ع بدوز وطمع دیدۂ ہوشمند۔

اب دیکھئے کہ اس حدیث کے معنی جو وہ بتلاتے ہیں: ''کہ عیسی ابن مریم تمہیں میں سے ایک شخص ہوگا'' ظاہر ہے کہ غلط ہیں اس لئے کہ ہر مسلمان جانتا ہے اور صحابہ ہمیشہ قرآن وحدیث میں سنتے تھے کہ وہ بنی اسرائیل میں سے تھے۔ اگر ذرا بھی احتمال اس معنی کا ہوتا تو صحابہ پوچھ لیتے کہ حضرت عیسی ابن مریم تو نبی بنی اسرائیل ہیں؛ ان کی نسبت منکم کا ارشاد کیسا؟ ہم اطمینان دلاتے ہیں کہ مرزا صاحب کسی ضعیف بلکہ موضوع روایت سے بھی ثابت نہیں کر سکتے کہ عیسی ابن مریم جو حضرت نے فرمایا اس سے مراد وہ شخص ہے جو اس امت سے ہوگا۔

یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ مسلم شریف میں روایت ہے: ''فاذا جاؤا الشام خرج فبینما یعدون القتال یسوون الصفوف اذ اقیمت الصلوۃ فینزل عیسی ابن مریم صلی اللہ علیہ وسلم فأمّھم فاذا رآہ عدو اللہ ذاب کما یذوب الملح فی الماء'' اس سے ظاہرا معلوم ہوتا ہے کہ عیسی علیہ السلام جب اتریں گے تو امامت کریں گے۔ مگر جب دوسری متعدد حدیثوں سے ثابت ہے کہ عیسی علیہ السلام امامت نہ کریں گے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا تو ہمیں یقین ہوتا ہے کہ اس حدیث کا وہ مطلب نہ ہوگا جو ظاہرا سمجھا جاتا ہے۔ البتہ لفظ امھم سے وہ شبہ پیدا ہوتا ہے۔ مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لفظ نماز ہی کی امامت کے واسطے موضوع نہیں بلکہ پیش روئی کے معنی میں بھی مستعمل ہے تو وہ شبہ رفع ہو جاتا ہے۔ لسان العرب میں لکھا ہے: ''والامام بمعنی المقدم وفلان یؤم القوم یقدمھم وقال ابوبکر: معنی قولھم یؤم القوم ای یتقدمھم أخذ من الامام یقال: فلان امام القوم معناہ ھو المتقدم لھم ویکون الامام رئیسا کقولک امام المسلمین'' اور منتہی الادب میں لکھا ہے ''وامھم امامۃ وامبھم'' ''امام وپیش رو ایشان شد''

اس صورت میں مطلب حدیث کا یہ ہوا کہ عیسی علیہ السلام اتریں گے اور دجال کے مقابلہ کے واسطے پیش رو ہوں گے۔ اور اس پر قرینہ بھی یہ ہے کہ فامھم کے ساتھ ''فاذا رآہ عدو اللہ ذاب'' متصل ہے۔ یعنی جب مسلمانوں کے ساتھ مقدمۃ الجیش میں سب سے آگے عیسی علیہ السلام

کو دجال اپنے مقابلہ میں دیکھے گا تو گل (گھل) جائیگا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان کو پیش رو لشکر دیکھے گا ورنہ مسجد میں دیکھنے کا اس کو کوئی موقع نہیں کیونکہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ مسجد کا دروازہ نماز کے وقت بند ہوگا یہاں مرزا صاحب یہ اعتراض ضرور کریں گے کہ **فینزل عیسی علیہ السلام فامھم** سے ظاہرا امامت نماز معلوم ہوتی ہے۔ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں یہ بھی ایک احتمال ہے اور جو مذکورہ ہوا وہ بھی احتمال ہے جس پر قرینہ بھی موجود اور لفظ بھی مساعد ہے اور دوسری احادیث بھی اسی کی موید ہیں۔ بہت ہوگا تو تعارض کی وجہ سے دونوں احتمال ساقط ہوں گے مگر اس سے ہماری مقصود میں کوئی نقصان نہیں آتا کیونکہ دوسری حدیثیں صحیح صحیح بجائے خود؛ بحال ہیں، جن سے صاف ظاہر ہے کہ عیسی علیہ السلام امیر المومنین کی اقتدا کریں گے۔

اس توجیہ پر اتنی بات باقی رہ جائیگی کہ اس حدیث سے یہ معلوم نہ ہوگا کہ اس وقت امامت کون کریں گے۔ مگر یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ اہل علم پر پوشیدہ نہیں کہ قرآن شریف میں کس قدر محذوفات ہیں۔ مثلاً "وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ﴿۳﴾ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ﴿۴﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ" (سورۃ الانشقاق: آیت: ۳ تا ۶) میں جزاء محذوف ہے؛ جس کی نظیریں بکثرت موجود ہیں۔ اسی طرح قصص میں کہیں پورا قصہ ذکر کیا گیا اور کہیں اختصار کیا گیا جس کی نظیریں بکثرت موجود ہیں اسی طرح قولہ تعالی "يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا" (سورۃ الحج: آیت: ۵) اور دوسری جگہ ارشاد ہے: قولہ تعالی "هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا" (سورۃ المؤمن: آیت: ۶۷) دیکھئے آیت سابقہ میں ارشاد ہے کہ نطفہ سے علقہ اور علقہ سے مضغہ اور مضغہ سے طفل بنایا جاتا ہے۔ اور دوسری آیت میں ہے کہ علقہ سے طفل بنایا جاتا ہے۔ یعنی اس آیت میں مضغہ مخلقہ وغیر مخلقہ ترک کردیا گیا۔

اسی طور پر احادیث میں بھی کہیں پورا واقعہ مذکور ہوتا ہے اور کہیں بالاختصار۔ اور عقل و تجربہ بھی اس پر گواہ ہے کہ جب آدمی متعدد مجلسوں میں کسی واقعہ کو ذکر کرتا ہے تو اس کا التزام نہیں کرتا کہ من اولہ الی آخرہ پورا واقعہ بیان کر دے، بلکہ بحسب ضرورت مقام اور اقتضائے حال کمی و زیادتی ہو جاتی ہے۔

اسی طور پر اس حدیث شریف میں نماز کی امامت کا ذکر ترک کر دیا جو بارہا مختلف حدیثوں میں بیان فرمادیا ہے۔ اس موقع میں مقصود اسی قدر تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اس لشکر کے آگے رہیں گے، جن کو دیکھ کر دجال مضمحل ہوگا۔ مرزا صاحب اس حدیث کو اپنے پر چسپاں کرنا چاہتے ہیں معلوم نہیں وہ کیونکر ہو سکے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں ''اے مسلمانو! اس روز تمہاری کیا حالت ہوگی جب عیسیٰ ابن مریم آسمان سے اتریں گے اور تمہارا امام تم ہی میں سے ہوگا۔ اس قسم کی بات ایسے موقع میں کہی جائے تو زیبا ہے کہ کوئی بڑی بات کا وقوع ہو۔ مثلاً عیسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم نبی جن کی جگہ جگہ قرآن شریف میں تعریف و توصیف ہے آسمان سے اتریں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کہلائیں۔ اور خود امامت بھی نہ کریں۔ بلکہ ایک امتی کی اقتدا کریں۔

البتہ یہ کمال افتخار اور خوشی کی بات ہوگی اور یہ اس وجہ سے کہ آدمی کا مقتضائے طبع ہے کہ جب کوئی جلیل القدر شخص اپنے کسی بزرگ مثلاً باپ یا مرشد کا تابع ہو کر اپنے حلقہ میں شریک ہوتا ہے تو ایسی خوشی ہوتی ہے کہ جس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ اسی بنا پر حضرت فرماتے ہیں کہو اس روز کیا حالت ہوگی جب تمہارے ساتھ باں جلالت شان عیسیٰ علیہ السلام شریک حال ہوں گے۔

فی الواقع جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال درجہ کی محبت ہے ان کی اس وقت عجیب حالت ہوگی۔ اسی وجہ سے ارشاد ہے: ''کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم''

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ

اگر اس حدیث کا یہ مطلب سمجھا جائے کہ اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی جب ایک پنجابی تم میں اتریگا اور تمہاری امامت کرے گا؟ اس میں تو کوئی خوشی کی بات معلوم نہیں ہوتی۔ اس میں شک نہیں کے یہ بات اس قابل ہے کہ عرب اس کو بہت برا سمجھیں۔ مگر اس لحاظ سے کہ وہ ایک مہمان ہوگا

جو (اذانزل) سے سمجھا گیا ہے چنداں ملال کے قابل بھی نہیں۔ بہر حال ایک پنجابی شخص کا کسی نماز میں امامت کرنا نہ کوئی خوشی کی بات ہے نہ غمی کی۔ پھر کیف انتم سے اس واقعہ کی عظمت بیان کرنا کس قدر شان بلاغت وفصاحت سے دور ہے۔ درباطن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک حملہ ہے کہ ایسے خفیف، خفیف امور کو حضرت عظیم الشان سمجھتے تھے۔ اور اگر یہ خیال کیا جائے کہ اس شخص میں عیسی علیہ السلام کے کمالات ہوں گے جب بھی بقول مرزا صاحب وہ کمال ہی کیا دارومداران کے معجزوں کا مسمریزم تھا جس کو خود مرزا صاحب قابل نفرت سمجھتے ہیں؛ ایسے قابل نفرت شخص کی امامت کوئی وقعت کی بات نہیں ہوسکتی۔

اب رہا یہ کہ احیائے اموات وغیرہ سے ہدایت مراد لی جائے تو وہ بھی کوئی نئی بات نہیں؛ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل فرما کر حضرت نے ہر ایک عالم متدین کو انبیائے بنی اسرائیل کا مثیل قرار دیا۔ جن میں موسی اور عیسی وغیرہ انبیاء علیہم السلام داخل ہیں۔

امام مہدی کا خاندانِ اہلِ بیت سے ہونا

(33) امام مہدی جو عیسی علیہ السلام کے زمانے میں ہوں گے وہ خاندان اہل بیت کرام سے ہوں گے؛ جن کا حلیہ بھی بتلا دیا گیا جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔

(34) اٹھارہ سال کی عمر میں امام مہدی رضی اللہ عنہ دمشق میں جا کر خطبہ پڑھیں گے جیسا کہ معلوم ہوا۔

(35) امام مہدی رضی اللہ عنہ قسطنطنیہ فتح کریں گے اور ساتھ ہی دجال نکلے گا۔ کمامر۔

(36) امیر المومنین رضی اللہ عنہ عیسی علیہ السلام کو امامت کے لئے کہیں گے مگر وہ اس پر راضی نہ ہوں گے۔

(37) عیسی علیہ السلام نماز کے بعد مسجد کا دروازہ کھلوادیں گے اور اس وقت دجال وہاں موجود ہوگا۔ کمامر

(38) دجال کے ساتھ ستر ہزار یہود ہوں گے اور سب بھاگیں گے۔ کمامر

(39) پتھر جھاڑ وغیرہ یہودیوں کی نشاندہی کریں گے تاکہ اہل اسلام ان کو قتل کرڈالیں۔ کمامر

(40) امام مہدی کی تائید کے لئے حارث کا خراسان کی طرف سے نکلنا۔ جیسا کہ اس



حدیث شریف سے ظاہر ہے:

"قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: یخرج رجل من وراء النہر یقال لہ: الحارث حراث علی مقدمۃ رجل یقال لہ: منصور یوطن أو یمکن لآل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کما مکنت قریش لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجب علی کل مؤمن نصرہ- أو قال: اجابتہ۔ رواہ ابوداؤد"

یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماوراء النہر سے ایک شخص نکلے گا جس کا نام حارث ہوگا جس کے مقدمۃ الجیش پر ایک شخص منصور نام ہوگا۔ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ ایسی مدد دے گا جیسے قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مدد دی تھی۔ ہر مسلمان پر اس کی مدد واجب ہے۔ اور ایک روایت یہ ہے:

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رأیتم الرایات السود جاء ت من قبل خراسان فاتوھا فان فیھا خلیفۃ اللہ المھدی۔ رواہ احمد والبیہقی فی دلائل النبوۃ" از شرح رسالہ قیامت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی مؤلفہ مولانا کرامت علی صاحب محدث دہلوی۔

یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے: "کہ جب تم دیکھو کہ سیاہ نشان خراسان کی طرف سے آرہے ہیں تو ان لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ اس لئے کہ ان میں مہدی خلیفۃ اللہ ہوں گے۔

ان روایات سے ثابت ہے کہ حارث امام مہدی کی مدد کے لئے خراسان کی طرف سے فوج لے کر نکلے گا اور امام مہدی بھی اس کے ساتھ ہوں گے ان روایتوں میں کئی امور مذکور ہیں:

(1) حارث کا خروج۔

(2) اس کا مقام خروج ماوراء النہر ہوگا۔

(3) اس کی فوج کے مقدمۃ الجیش پر ایک شخص ہوگا جس کا نام منصور ہوگا۔

(4) غرض اس کی آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید ہوگی۔

(5) امام مہدی بھی اس فوج میں موجود ہوں گے۔

(6) ہر شخص پر واجب ہوگا کہ ان کی مدد کرے۔



حارث میں ہوں ان کی دھوکہ دہی

امراول کی نسبت مرزا صاحب کہتے ہیں کہ وہ حارث میں ہوں۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام (ص ۱۳۲) میں لکھتے ہیں: انگریزی سلطنت میں تین گاؤں تعلق داری اور ملکیت قادیان کا حصہ جدی والد مرحوم کو ملے؛ جواب تک ہیں۔ اور حارث کے لفظ کے مصداق کے لئے کافی ہیں۔ مرزا صاحب اپنی زمین داری سے یہاں یہ کام لینا چاہتے ہیں کہ اس حدیث کے مصداق بنیں اور اس کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اس حدیث میں لفظ حارث مذکور ہے اور حارث زمین دار کو کہتے ہیں اور میں زمین دار ہوں۔

حارث کے معنی جو زمین دار کے بتلا رہے ہیں اس سے مسلمانوں کو دھوکہ دینا انہیں مقصود ہے۔ کیونکہ کتب لغت میں مصرح ہے کہ حارث کسان کو کہتے ہیں۔ اور اگر بالفرض وہ کسان بھی قرار دیئے جائیں؛ جب بھی اس حدیث کے مصداق نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا: "یخرج رجل حارث" بلکہ یہ فرمایا: "رجل یقال له الحارث" جس سے ظاہر ہے کہ اس شخص کا نام حارث ہوگا۔ کیونکہ یقال له أعلام کے مقام میں کہا جاتا ہے، جیسا کہ یہ حدیث اس پر شہادت دے رہی ہے: "قال النبی صلی اللہ علیه وسلم لا یذهب اللیل و النهار حتی یملک رجل من الموالی یقال له الجهجاه" رواہ الترمذی۔

غیاث اللغات میں لکھا ہے: "حارث، اسد وشیر درندہ بمعنی زراعت کنندہ ومزارع ونام ابن ہشام کہ از صنادید عرب بود" ظاہر ہے کہ یہ تینوں معنی مرزا صاحب پر صادق نہیں۔ اگر حارث زمین دار کو کہنا صحیح ہو تو بادشاہ پر بطریق اولی یہ لفظ صادق آئے گا حالانکہ کسی کتاب میں وہ اس کی تصریح نہیں بتا سکتے۔ بہر حال لفظ حارث کے مصداق وہ کسی طرح بن نہیں سکتے۔

حدیث أبی داؤد سے ان کا استدلال

مرزا صاحب نے اس حدیث میں ایک اور تصرف کیا ہے کہ (یقال له الحارث حراث علی مقدمتہ رجل) کا مطلب، یہ بتایا کہ ایک شخص حارث نام یعنی حراث ماوراء النہر سے نکلے گا۔ جیسا کہ

ازلۃ الاوہام (ص۶۷۹) میں فرماتے ہیں: "کہ اب وہ حدیث جو ابوداؤد نے اپنی صحیح میں لکھی ہے، ناظرین کے سامنے پیش کرکے میں اس کے مصداق کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔

"سو واضح ہو کہ یہ پیش گوئی جو ابوداؤد کی صحیح میں ہے" کہ ایک شخص حارث نام یعنی حراث ماوراء النھر سے یعنی سمرقند کی طرف سے نکلے گا، اور آل رسول کو تقویت دے گا، جس کی امداد و نصرت ہر ایک مومن پر واجب ہوگی؛ الہامی طور پر مجھ پر ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ پیش گوئی اور مسیح کی پیشگوئی جو مسلمانوں کا امام اور مسلمانوں میں سے ہوگا دراصل یہ دونوں پیش گوئیاں متحد المضمون ہیں اور دونوں کا مصداق یہی عاجز ہے۔

اب دیکھئے کہ ان کا یہ قول کہ ایک شخص حارث نام یعنی حراث ماوراء النہر سے نکلے گا کس طرح صحیح ہوگا۔

نحوی غلطی

اگر تفسیر کے لحاظ سے دیکھا جائے تو حارث مفرد ہے اور حراث جمع ہے مفرد کی تفسیر جمع کے ساتھ صحیح نہیں۔ اور اگر جمع کا لحاظ کیا جائے تو "مِن" تبعیضیہ کی ضرورت ہے مگر مضاف الیہ حراث کا جو ماوراء النہر کو بتا رہے ہیں وہ خود مضاف سے بھی کئی درجے اوپر ہے مضاف الیہ کے تحت میں کیونکر آسکے۔ البتہ اس لحاظ سے کہ مرزا صاحب کے کئی درجہ کے اوپر کے جد بزرگوار ماوراء النہر سے نکلے اور حارث مرزا صاحب بن رہے ہیں تو یہ توجیہ بن سکتی ہے۔ مگر کلام یہاں عبارت حدیث میں ہے کہ آیا نحو کی ترکیب بھی اس کو اجازت دیتی ہے یا نہیں؟ سوادنیٰ درجہ کا طالب علم بھی سمجھتا ہے کہ وہ درست نہیں کیونکہ (یخرج رجل من وراء النھر یقال له الحارث حراث علی مقدمة رجل) کے معنی (یخرج رجل یقال له الحارث ای من حراث ماور اء النھر) سمجھنا کسی نجومی کا کام نہیں۔ مرزا صاحب کی امت تو خوش ہوتی ہوگی کہ مرزا صاحب نے حدیثوں کے ساتھ نحو کو بھی باطل کردیا۔ مگر اہل علم کو اس کا صدمہ ہوتا ہے کہ اس دورہ میں علوم کی تباہی ہو رہی ہے۔



چندہ کی غرض سے حدیث کو بگاڑا

اس کی ضرورت ان کو اس وجہ سے ہوئی کہ حدیث شریف میں حارث کی مدد کرنے کا حکم ہے انہوں نے دیکھا کہ کسی طرح حارث بن جائیں تو ہر طرف سے مال آنے لگ جائے گا؛ جو لوگ علم سے ناواقف تھے؛ ان کو ترکیب نحوی سے کیا غرض، انہوں نے مرزا صاحب کے اعتبار پر ایک حارث ہی کیا مہدی مسیح موعود نبی رسول اور خدا کی اولاد کے برابر بھی مان لیا۔ اور مرزا صاحب نے فوراً چندوں کی فہرست پیش کر دی۔

چنانچہ اسی تقریر کے ضمن میں (ص ۱۰۰) میں لکھتے ہیں: ''یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایک عظیم الشان سلسلہ اس حارث کے سپرد کیا جائیگا جس میں قوم کے امداد کی ضرورت ہوگی جیسا کہ ہم فتح اسلام میں اس سلسلہ کی پانچوں شاخوں کا مفصل ذکر کر آئے ہیں۔ اور نیز اس جگہ بھی یہی اشارۃً سمجھا گیا ہے کہ وہ حارث بادشاہوں یا امیروں میں سے نہیں ہوگا۔ تا ایسے مصارف کا اپنی ذات سے متحمل ہو سکے۔ اور اس تاکید شدید کرنے سے اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اس حارث کے ظہور کے وقت جو مثیل مسیح ہونے کا دعوی کریگا لوگ امتحان میں پڑ جائیں گے اور بہتر ے ان میں سے مخالفت پر کھڑے ہوں گے اور مدد دینے سے رکیں گے کہ اس کی جماعت متفرق ہو جائے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سے تاکید کرتے ہیں کہ اے مومنو! تم پر اس حارث کی مدد واجب ہے، ایسا نہ ہو کہ کسی کے بہکانے سے اس سعادت سے محروم رہ جاؤ۔

اہل وجدان سلیم سمجھ سکتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ سب اشارات مرزا صاحب کے مفید مدعا کس صفائی سے نکالے جا رہے ہیں۔ مرزا صاحب کا خیال ایک اعتبار سے درست بھی ہے اس لئے کہ جب تک ایسی تدابیر نہ کی جائیں کوئی روپیہ دیتا بھی تو نہیں اور ایسا کون آدمی ہے جس کو روپیہ کی ضرورت نہ ہو؟ خصوصاً زمین داری بلکہ موروثی شاہی خیال والوں کو تو بہت سی ضرورتیں لاحق رہتی ہیں۔ اب اس حدیث پر اور بھی غور کیجئے۔ ابو داؤد کے نسخوں میں یہ عبارت :''الحارث الحراث'' دو طور پر ہے۔ بعض نسخوں میں ''حارث ابن حراث'' ہے۔ جس کا مطلب ظاہر ہے کہ

حارث کے باپ کا نام حراث ہوگا۔ اور بعض نسخوں میں "حارث حراث علی مقدمۃ رجل" ہے۔یعنی حارث ایسی حالت میں نکلے گا کہ اس کے مقدمۃ الجیش پر ایک شخص ہوگا؛جس کا نام منصور ہوگا۔ اس نسخہ کی شرح میں محدثین لکھتے ہیں: " حراث کعلام ای امیر وعامل للحارث" یعنی حراث کے معنی کارگزار اور کاسب کے ہیں۔ چنانچہ لسان العرب میں لکھا ہے: "وفی الحدیث اصدق الاسماء الحارث لان الحارث الکاسب' واحترث المال أی کسبه والانسان لایخلو من الکسب طبعا واختیاراً"۔

امر دوم یعنی حارث کا مقام خروج ماوراء النہر ہونا؛ جو حدیث شریف میں ہے،اس کی نسبت مرزا صاحب ازالۃ الاوہام (ص ۱۲۱) میں فرماتے ہیں:"کہ بابر بادشاہ کے وقت میں اجداد اس نیازمند کے خاص سمرقند سے ایک جماعت کثیر کے ساتھ کسی سبب سے ہجرت اختیار کرکے دہلی میں پہونچے۔انہیں شاہی خاندان سے ایسا تعلق خاص تھا جس کی وجہ سے وہ اس گورنمنٹ کی نظر میں معزز تھے۔ چنانچہ بادشاہ وقت سے پنجاب میں بہت سے دیہات جاگیر کے انہیں ملے۔اور ایک بڑی زمین داری کے وہ تعلق دار ٹھرائے گئے۔

بابر بادشاہ کے زمانہ کو چارسو برس گذرتے ہیں۔اس عرصہ میں تخمیناً دس پندرہ پشت مرزا صاحب کے گذر گئے ہوں گے۔اور جداعلی جو دہلی تشریف لائے تھے؛مقصود اس سے سمرقند سے ہجرت کرکے اس غرض سے نکلنا تھا کہ بادشاہ سے کوئی دنیوی نفع حاصل کریں چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جاگیرات وغیرہ ملیں۔اب مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ:سمرقند سے یعنی ماوراء النہر سے کوئی بھی نکلے مگر حارث تو میں ہی ہوں کیونکہ الہام سے ایسا ہی معلوم ہوا ہے۔

ان کا الہام شیطانی ثابت ہوا

مرزا صاحب نے اس موقع میں حسن ظن سے بہت کام لیا ورنہ ملہم سے پوچھ لیتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صاف فرمادیا ہے کہ حارث وراء النہر سے نکلے گا۔اور میں تو وراء النہر کہاں پنجاب سے بھی باہر نہیں نکلا۔پھر حارث ہونے کا کیونکر دعوے کروں؟

ح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر افترا کرنے والا دوزخی ہے

اور اگر اس حدیث کے معنی خلاف واقعہ بیان کردوں تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا ہوگا۔ جس کے بارے میں سخت وعید وارد ہے: ''قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من کذب علیّ متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار'' متفق علیہ۔ یعنی جو بات حضرت نے نہیں کہی وہ بات حضرت کی طرف منسوب کرنا دوزخ میں ٹھکانا بنالینا ہے۔ اس سوال کے بعد جب ملہم کوئی تشفی بخش جواب نہ دیتا۔ اور یقینا نہ دے سکتا۔ تو اس پر لاحول پڑھ کر سمجھ جاتے کہ یہ شیطانی الہام ہے؛ جو مخالف حدیث ہے۔

بات یہ ہے کہ مرزا صاحب کو چندوں کی ضرورت ہے اور صبح وشام اسی کا خیال لگا رہتا ہے۔ اس لئے جس طرح مرزا صاحب نے اپنی ذاتی تحقیق سے قاعدہ قرار دیا ہے شیطان نے موقع پا کر الہام کردیا اور مرزا صاحب کو ضرورت کے لحاظ سے اس کے رد کرنے کا موقع نہ ملا۔

منصور کے باب میں دھوکہ دیا

تیسرا امر یعنی حارث کے مقدمۃ الجیش پر منصور نام سردار ہونا جو حدیث میں مذکور ہے اس کی نسبت ازالۃ الاوہام (ص ۹۶) میں تحریر فرماتے ہیں: ''کہ پھر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے لشکر یعنی اس کی جماعت کا سردار و سرگروہ ایک توفیق یافتہ شخص ہوگا۔ جس کو آسمان پر منصور نام سے پکارا جائیگا۔ کیونکہ اس کے خادمانہ ارادوں کا جو اس کے دل میں ہوں گے آپ ناصر ہوگا۔ اس جگہ اگرچہ اس منصور کو سپہ سالار کے طور پر بیان کیا ہے مگر اس مقام میں درحقیقت کوئی ظاہری جنگ وجدل مراد نہیں۔ بلکہ ایک روحانی فوج ہوگی کہ اس حارث کو دی جائیگی۔ جیسا کہ کشفی حالت میں اس عاجز نے دیکھا''

حدیث شریف میں ''علی مقدمۃ رجل یقال لہ منصور'' مذکور ہے۔ اور مقدمہ لغت میں اس حصے کو کہتے ہیں جو تمام لشکر کے آگے رہتا ہے؛ جس سے ظاہر ہے کہ حارث معمولی آدمی نہ ہوگا۔ بلکہ لشکر جرار لے کر امام مہدی کی مدد کو نکلے گا۔ اور ایک نامی سردار اس کے مقدمۃ الجیش پر ہوگا۔

اور دوسری روایت میں جو اسی کی تائید میں ہے صراحۃً یہ بھی مذکور ہے کہ اس فوج کے نشان سیاہ ہوں گے جس کا حال ابھی معلوم ہوا۔ مرزا صاحب سب کی نفی کر کے فرماتے ہیں کہ وہ ایک معمولی پنجابی آدمی ہوگا جس کے ساتھ نہ فوج ہے نہ حشم البتہ اس کے مریدوں میں ایک شخص ہوگا جس کو آسمان پر منصور پکارا جائیگا۔

مال تقسیم کرنے کے باب میں دھوکہ دیا

مرزا صاحب کی تحریر سے ابھی معلوم ہوا کہ اس حدیث سے اشارۃً سمجھا گیا کہ ''وہ حارث بادشاہ یا امیروں میں سے نہیں ہوگا تا ایسے مصارف کا اپنی ذات سے متحمل ہو سکے'' غالباً اشارہ اسی سے نکالا ہوگا کہ حارث کی نصرت کا حکم ہے انہوں نے نصرت کو چندہ میں منحصر کر دیا حالانکہ چندہ دینے کا نام نصرت نہیں۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے: ''**وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ**'' (التوبۃ:۲۵) کیا مرزا صاحب اس آیت کی تفسیر میں بھی یہ فرمادیں گے؟ کہ خدائے تعالیٰ نے چندہ دیا تھا۔ مرزا صاحب لفظ ''وجب نصرہ'' سے اشارۃً یہ نکالتے ہیں کہ وہ بادشاہ اور امیر نہ ہوگا اور جو صراحۃً لشکر و آیات وغیرہ مذکور ہے اس سے انکار ہے۔ تو مرث کے زمانہ کے مسلمانوں کو آفرین کہنا چاہئے کہ باوجودیکہ انہیں حدیثوں پر استدلال کر کے اپنی مہدویت کے ثبوت پر ایک لشکر جرار پیش کرتا ہوگا۔ مگر جو خالص ایماندار تھے وہ نور ایمان سے اس کی کارروائیوں پر نظر کر کے اس کے دام میں نہ آئے۔ برخلاف اس کے ہمارے زمانہ کے مسلمان دیکھ رہے ہیں کہ ایک علامت بھی پائی نہیں جاتی مگر مرزا صاحب کے تصنیفات و تالیفات پر ایمان لا کر انہی کا کلمہ پڑھ رہے ہیں اور جو لوگ ان کو مکائد پر ان کے مطلع کرتے ہیں انہی کو دشمن سمجھتے ہیں۔

یہاں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ مرزا صاحب کا لشکر تو روحانی ہے نہ جسمانی فوج ہے نہ جنگ وجدل پھر چندوں کی کیا ضرورت؟

ایسے لطیف لشکر کی نصرت کثیف چیز سے طلب کرنا، اور مال جس کا فتنہ ہونا مسلم ہے، اس کے لئے ہاتھ پھیلانا کس قدر نامناسب اور بدنما ہے۔ ازالۃ الاوہام (ص ۶۵۶) میں خود فرماتے ہیں کہ:

مسیح دنیا میں آ کر مال اس قدر تقسیم کریگا کہ لوگ لیتے لیتے تھک جائیں گے۔ یہ نہیں کہ مسیح درہم ودینار کو جو بمصداق آیت ''اِنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَةٌ'' ہے جمع کریگا اور دانستہ ہر ایک کو مال کثیر دے کر فتنہ میں ڈالے گا۔

لینے میں موقع میں مال کی تعریف اور دینے کے موقع میں شکایت کہ وہ فتنہ ہے

مرزا صاحب کا حزم واحتیاط بھی قابل دید ہے کہ مال میں دو جہتیں ہیں محمود ومذموم جب دینے کی کوئی روایت آجاتی ہے کہ عیسی علیہ السلام جب بہت مال دیں گے تو مال نہایت مذموم اور فتنہ ہوجاتا ہے کہ اگر دیا جائے تو لوگ فتنہ میں پڑیں گے۔ اور لینے کا موقع آتا ہے تو نہایت محمود اور اس قابل ہوجاتا ہے کہ اس کے لئے دست سوال دراز کیا جائے۔ اور اس کے دینے کی حدیثوں میں فرماتے ہیں کہ ان سے مراد باتیں کرنا ہے۔ اور لینے کے وقت وہی خاص جسم قرار دیا جاتا ہے جس میں استعارہ اور کنایہ کو دخل نہیں۔

تاویل مخالف حدیث

امر چہارم یعنی حارث کی غرض آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید ہوگی اس کی نسبت ازالۃ الاوہام (ص ۹۴) میں لکھتے ہیں: ''کہ حارث ایسے وقت میں ظاہر ہوگا کہ جس وقت میں آل محمد یعنی اتقیاء مسلمین جو سادات قوم وشرفائے ملت ہیں؛ کسی حامی دین اور مبارز میدان کے محتاج ہوں گے۔ آل محمد کے لفظ میں ایک افضل اور طیب چیز کو ذکر کر کے کل افراد جو پاکیزگی اور طہارت میں اس چیز سے مناسبت رکھتے ہیں اس کے اندر داخل کئے گئے ہیں، جیسا کہ عام طریقہ متکلمین ہے کہ بعض اوقات ایک جز کو ذکر کر کے کل اس سے مراد لیتے ہیں۔

ابھی معلوم ہوا کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد امام مہدی ہیں جیسا کہ دوسری حدیث سے ظاہر ہے۔ مرزا صاحب نے اس روایت سے اغماض کر کے صرف آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم والی حدیث کو لے لیا۔ اور اس میں یہ تصرف کیا کہ اس سے مراد تمام مسلمان ہیں؛ جن کی تائید کے لئے وہ خراسان یعنی سمرقند سے نکلے ہیں۔ اور تائید یہ کی کہ تمام روئے زمین کے مسلمانوں کو بلکہ صحابہ سے لے کر آج تک کے مسلمانوں کو مشرک بنادیا جس کا حال مذکور ہوا۔



تاویل کی ضرورت کب ہوتی ہے

یہ بات اہل علم جانتے ہیں کہ مجازی معنی وہیں لئے جاتے ہیں جہاں حقیقی معنی نہ بنیں۔اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس پیشگوئی کے حقیقی معنی چھوڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے کہ فلاں سنہ میں یہ واقعہ ہوگا۔ پھر اگر وہ سنہ قریب الختم ہوتا تو اس وقت اس حدیث کی تصحیح کے لئے مجازی معنی لے سکتے تھے۔امام مہدی حارث اور عیسی علیہ السلام اور دجال وغیرہ کا نکلنا تو قیامت کی علامات کبری سے ہیں جن کے متصل قیامت ہوگی۔اور یہ علم کسی کو نہیں دیا گیا کہ قیامت کس سنہ میں ہوگی۔ یہاں تک کہ کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اکثر پوچھا کرتے تھے کہ قیامت کب ہوگی؟حق تعالی نے فرمادیا: ''کہ ان سے صاف کہہ دو کہ اس کا علم خدا ہی کو ہے۔ جب چاہے گا قائم کردے گا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

''یسئلونک عن الساعة ایان مرسھا- قل انما علمھا عند ربی لا یجلیھا لوقتھا الاھو'' (سورۃ الاعراف: آیت: ۱۸۷) اور ابھی معلوم ہوا کہ عیسی علیہ السلام نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شب معراج کہا تھا کہ قیامت کب ہوگی یہ تو سوائے خدائے تعالی کے کسی کو معلوم نہیں۔البتہ دجال کا قتل میرے ذمہ ہے جو وقت پر عمل میں آجائے گا۔

حقیقت ومجاز ان کی غرض کے تابع ہیں

جہاں چاہا حقیقت کہہ دیا اور جہاں چاہا مجاز کہہ دیا

جب قیامت کا علم کسی کو نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ اس زمانہ میں اگر ان احادیث کے معنی مجازی نہ لئے جائیں؛تو وقت منقضی ہوجائیگا اور وہ حدیثیں نعوذ باللہ جھوٹی ثابت ہوں گی۔تو پھر کیا ضرورت ہے کہ حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی لئے جائیں؟ اگر مجازی معنی ہر موقع میں لینے کی اجازت شرعاًاور لغۃً ہوجائے تو ہر شخص قرآن وحدیث میں خودغرضی سے مجازی معنی لیکر اپنا مطلب نکالے گا۔ اور جتنے مفتری اور کذاب ہیں اپنا اپنا دین علیحدہ بنالیں گے۔جس طرح مرزا صاحب بنارہے ہیں

”کہ عیسی مجازی، دجال مجازی، قتل مجازی، مہدی مجازی، آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجازی، حارث مجازی، منصور مجازی، جنگ وغیرہ سب مجازی؛ جس کا مطلب ظاہر ہے کہ یہ کل کارخانہ جو جمایا گیا ہے محض بے اصل و بے حقیقت ہے۔

امر پنجم و ششم یعنی امام مہدی کا اس لشکر میں ہونا اور ان کی مدد کی ضرورت۔

اس مقام میں ان کو صرف حارث بننا منظور تھا ان حدیثوں سے اگر اپنی مہدویت ثابت کرتے تو کوئی دوسرا شخص حارث بن کر چندوں کا مستحق ہوتا۔ چونکہ اس حدیث سے چندوں کی کارروائی کو تائید پہنچتی ہے؛ اس لئے اس حدیث میں بڑا ہی زور لگایا اور چار جزء تک اس میں خامہ فرسائی کی۔ مگر یہ ثابت نہ کر سکے کہ حارث قادیان سے نکلے گا۔ اگر مرزا صاحب چاہتے تو چند روز میں اپنے خاص خاص مریدوں کے ساتھ ماوراء النہر تک جا کر چلے آتے جس سے ماوراء النہر یا خراسان سے نکلنا صادق آجاتا اور کسی کو یہ کہنے کی گنجائش نہ ملتی کہ مرزا صاحب ماوراء النہر سے نہیں نکلے۔ مگر وہ ان سے نہ ہوسکا۔ اور کیونکر ہوسکتا؛ وہ تو مخبر صادق کا کلام ہے۔ جو سوائے اپنے مصداق کے کسی دوسرے پر صادق آہی نہیں سکتا۔ باطن میں فی الحقیقت یہی وجہ تھی مگر ظاہرا افغانستان کا خوف سدراہ ہوا ہوگا۔ جب یہود سے کہا گیا کہ اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو۔ جیسا کہ حق تعالی فرماتا ہے: ”فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ“ (سورۃ البقرۃ: آیت: ۹۴) مگر خدا جانے ان پر کس قسم کا خوف طاری ہوگیا تھا کہ ان کے منھ سے کوئی تمنا کا کلمہ نکل ہی نہ سکا۔ آخر ان کا جھوٹا ہونا خود ان کی طرز عمل سے مسلم ہوگیا۔

مرزا صاحب کی تدبیریں

یہ چند علامتیں عیسی علیہ السلام کے زمانہ کی ہیں اگر چہ اور بہت سی علامات احادیث سے ثابت ہیں مگر طالبین حق کے لئے یہ چالیس علامتیں بھی کم نہیں۔ اگر در دہ کس است یک حرف بس است۔“

آپ نے دیکھ لیا کہ ان علامتوں سے ایک بھی مرزا صاحب پر صادق نہیں آتی اب وہ اس فکر میں ہوئے کہ کسی طرح ان علامات کو اپنے پر چسپاں کرلیں ورنہ عیسویت سے دست بردار ہونا

پڑتا ہے اس لئے اقسام کی تدبیریں کیں: مثلا: ناموں میں تحریف کردی، اپنا نام عیسی ،مہدی، حارث، وغیرہ رکھ لیا اور قادیان کو دمشق ۔اور پادریوں اور ابن صیاد کو دجال، اور نصاری کو یاجوج و ماجوج قرار دیا۔اور کہیں معنوں میں تحریف کی: مثلا: قتل دجال اور کسر صلیب سے؛ مراد رد مذہب اور معمولی سوال و جواب۔اور بے حساب مال تقسیم کرنے سے مراد؛ علمی باتیں بیان کرنا۔ اور کسی حدیث کی نسبت کہہ دیا کہ وہ حضرت کا خواب تعبیر طلب تھا اس کے وہ معنی نہیں جو ظاہر میں سمجھے جاتے ہیں۔اور کبھی عقل سے حدیث کو رد کر دیا جیسا کہ لکھا ہے: ''کیا عیسی ،مہدی اور ہدایت یافتہ نہیں؟ پھر مہدی کی کیا ضرورت؟ اور جہاں کچھ نہ بنا تو کہہ دیا: ''کہ وہ بھی ایک استعارہ ہے'' جیسا کہ دجال کے شام و عراق کے درمیان سے نکلنے کے باب میں لکھا ہے۔اور سردار لشکر کا نام جو حدیث میں منصور مذکور ہے کہا: ''کہ خدا کے نزدیک اس کا نام منصور ہوگا۔ بلکہ کہیں تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ وہ حدیث ہی غلط ہے۔جیسا کہ نواسؓ کی حدیث کی نسبت معلوم ہوا۔ بلکہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلطی کی نسبت کردی۔اور کہیں اغماض ہی کر گئے: مثلاً: حدیث شریف میں مذکور ہے: ''کہ عیسی علیہ السلام کے زمانہ میں کل اسلام ہی اسلام ہوجائیگا اور درندے اور گزندے کسی کو ضرر نہ پہنچا سکیں گے'' وہاں کہہ تو دیا ''کہ شیر اور بکری کو ایک جگہ بٹھائے گا'' مگر اس میں کچھ گفتگو نہ کی کہ عیسی ہیں تو ان میں پیش گوئیوں کا وقوع کیوں نہ ہوا؟ غرض کہ اقسام کی بدنما تدبیریں کیں کہ کوئی سمجھ دار آدمی اس کو رضا مندی کی نگاہ سے دیکھ نہیں سکتا۔

افسوس ہے ایک زمانہ وہ تھا جس میں ''**العاقل یکفیه الاشارة**'' کے مصداق بکثرت موجود تھے اور اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ اشارہ تو درکنار سخن سازیاں بآواز بلند کہتی ہیں کہ: **کل تصنع ہی تصنع** ہے، مگر کسی کو جنبش نہیں ہوتی کہ مرزا صاحب کیا کر رہے ہیں۔معتقدین اتنا تو خیال کر لیتے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کشف میں غلطی ٹھہری تو اس کی تصدیق کیوں کی جائے کہ ایک نقلی عیسی ، پنجابی شخص ہونا ضروری ہے۔ آخر وہ بھی کشفی بات ہے۔ '' **اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال** '' اور کشف جب تعبیر طلب ہو تو کسی شخص کے مثیل مسیح ہونے کی کیا ضرورت؟ ممکن ہے

کہ اس کی تعبیر یہ ہو کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں امت مرحومہ من جانب اللہ راہ راست پر آجائے گی۔ کیونکہ عیسیٰ کلمۃ اللہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کلمۂ کن سے سب کچھ کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: ”وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا کُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا“ اس تعبیر میں جیسے عیسیٰ کی ضرورت نہیں ویسا ہی مثیل عیسیٰ کی ضرورت نہیں۔

اور ازالۃ الاوہام (ص ۱۹۹) میں انہوں نے قاعدہ بیان کیا ہے کہ ”لکل دجال عیسی“ تو جس طرح پادریوں کی قوم دجال بتائی گئی؛ اسی طرح ان کی رد کرنے والی قوم عیسیٰ ہوگی۔ اور اگر وہاں افراد قوم دجال ہیں؛ تو ادھر بھی افراد قوم عیسیٰ ہوں گے۔ اس کا کیا ثبوت کہ ادھر تو دجال قوم ہو اور ادھر ایک ہی شخص ہو۔

الحاصل بیسوں قرینے شاہد حال ہیں کہ نہ ان کو حدیث سے کام ہے، نہ قرآن سے مطلب ،صرف اپنی عیسویت مقصود بالذات ہے؛ جس سے بوضاحت ثابت ہے کہ جتنے الہام انہوں نے اپنی عیسویت وغیرہ سے متعلق لکھے ہیں؛ وہ سب دل سے بنائے ہوئے ہیں۔ کیونکہ جب آیات واحادیث میں تصرفات کر کے ایسے معنی بیان کرتے ہیں جن کا احتمال بھی نہیں اور اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتے کہ دیکھنے والے کیا کہیں گے؛ تو الہام بنالینا کون سی بڑی بات ہے۔ اس پر تو دوسرا کوئی مطلع ہی نہیں ہوسکتا۔ آخر قرآن وحدیث کے خلاف مراد معنی بیان کرنا بھی تو افترا ہی ہے۔

جس نے ”حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةُ“ کے معنی یہ لئے تھے ”کہ میتہ کسی بزرگ کا نام تھا جس کی تعظیم کی گئی تھی اس کو مردار سے کوئی تعلق نہیں“ کیا یہ افترا علی اللہ نہیں؟ مرزا صاحب بھی تو اسی قسم کے تصرفات کر رہے ہیں پھر ان کے افترا کرنے میں کیا تامل؟ اور جب یہ افترا انہوں نے جائز رکھا تو الہام بنالینے میں کون مانع ہے؟ پھر جو دلائل انہوں نے اپنی عیسویت پر پیش کئے؛ ان میں سے ایک بھی ایسی نہیں جو قابل توجہ ہو جس کا حال اوپر معلوم ہوا۔ اس سے یقینا ثابت ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر انہوں نے اسی وجہ سے زور دیا کہ ان کی حیات میں خدشے پیدا کر کے خود مسیح موعود بن جائیں۔ کیونکہ جب تک ان کی موت ثابت نہ ہو وہ مسیح موعود نہیں ہو سکتے۔ مشاہدہ سے

ثابت ہے کہ کیسی ہی یقینی بات ہو جب آدمی اس میں خدشے ڈالنے کے درپے ہوتا ہے؛ تو سخن سازیوں سے دل پر کچھ نہ کچھ اثر ہو ہی جاتا ہے۔ دیکھ لیجئے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت میں تیرا سو سال سے آج تک کسی کو اختلاف نہیں شیعہ، سنی، ہندو، عیسائی وغیرہ سب کے نزدیک وہ مسلم ہے اور تمام تاریخی کتابیں اس پر گواہی دے رہے ہیں؛ مگر مرزا حیرت صاحب نے اس میں خدشے ڈال ہی دیئے۔ چنانچہ جاہلوں میں ہر طرف چرچے ہو رہے ہیں کہ مرزا حیرت صاحب نے خوب ہی دلائل قائم کئے آج کل کے مباحثوں کا حال بعینہ اس مباحثہ کا سا ہے کسی مجلس میں ایک مولوی صاحب نے کوئی واقعہ بیان کیا جو ظاہرا غیر مربوط سا تھا۔ اس پر ایک شاعر صاحب نے ہنس کر یہ شعر پڑھا۔

چہ خوش گفت است سعدی در زلیخا الا یا ایہا الساقی ادر کأسًا و ناولہا

مولوی صاحب نے بگڑ کر کہا کیسا غلط پڑھتے ہو اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ ایک مصرعہ چھوٹا ایک بڑا ہے اس پر شاعر کا دعوی۔

شاعر: حضرت مجھے تو ایسا ہی یاد ہے صحیح آپ ارشاد فرمائیں۔

مولوی صاحب: خیر ہم ہی صحیح بتائے دیتے ہیں

چہ خوش گفت است سعدی در زلیخا الا یا ایہا الساقی اَدِرْ کا

شاعر: ادرکا چہ معنی دارد؟

مولوی صاحب: عربی پڑھیں تو معلوم ہو کہ (ادر) امر کا صیغہ ہے اور کاف خطاب کا جو اشباع کی وجہ سے (ادرکا) پڑھا جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اے ساقی پیالہ کے دور کرانے میں کیا لگا ہے اپنے کو پھیر اور ادھر متوجہ کر۔

شاعر: دیوان حافظ میں تو اس مصرعہ میں یہ ہے ادر کأسًا و ناولہا۔

مولوی صاحب: سبحان اللہ ترجمہ کا بھی آپ کو خوب سلیقہ ہے کیا سعدی کے معنی حافظ اور زلیخا کے معنی دیوان ہیں؟ جو دیوان حافظ کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ شاعر تو یہ خبر دے رہا ہے کہ سعدی نے زلیخا میں یہ مصرعہ لکھا ہے اور آپ کہتے ہیں کہ دیوان حافظ میں ایسا نہیں ہے، نہ ہوا کرے۔

شاعر: کیا سعدی نے زلیخا بھی لکھی ہے؟

مولوی صاحب: کیا سعدی کو زلیخا لکھنا منع تھا۔

شاعر: اگر لکھی ہے تو وہ زلیخا کہاں ہے۔

مولوی صاحب: کیا ساری دنیا کی کتابیں آپ کے شہر میں موجود ہیں؟ یا آپ نے سب کا مطالعہ کرلیا ہے؟ اور صرف وہی ایک باقی رہ گئی۔

شاعر: حضرت آپ یہ خیال نہیں فرماتے کہ یہ شعر کس موقع میں پڑھا جاتا ہے۔ جب کوئی بے ربط بات کہی جائے تو مضحکہ کے طور پر پڑھتے ہیں، جس سے یہ بتلایا جاتا ہے کہ وہ بات ایسی ہے جیسے اس شعر کا مضمون۔

مولوی صاحب: یہ آپ کا خیال ہے مضحکہ سے کیا تعلق جب کوئی دل چسپ بات سنتے ہیں تو بے اختیار ہنس کر اس کی داد دیتے ہیں کہ ادھر متوجہ ہو کر پھر فرمائے۔

جناب اتنا تو خیال کرلیجئے کہ یہ شعر حد تواتر کو پہنچ گیا ہے۔ ہزاروں ذی علم اس کو پڑھتے ہیں اور یہ خبر دیتے ہیں کہ یہ مصرعہ سعدی نے اپنی زلیخا میں لکھا ہے۔ کیا وہ سب جھوٹے ہیں؟ کیا ان میں سے کسی نے بھی سعدی کی زلیخا کو نہ دیکھا ہوگا؟ آپ کی عقل پر افسوس ہے۔

الغرض شاعر صاحب سے کچھ نہ بن پڑی اپنا سا منھ لیکر رہ گئے اور آخر یہی کہنا پڑا کہ شاید ایسا ہی ہوگا۔

کلام اس میں تھا کہ تیرہ سو برس سے جو بات بلا خلاف ہم تک پہنچی اور جس پر ہر ملک وملت کے لوگ گواہی دے رہے ہیں اور کسی کو اس میں ذرا بھی شک نہ تھا؛ مرزا حیرت صاحب نے باتیں بنا کر جاہلوں کو چوکنے تو کردیا۔ اور بعض متزلزل بھی ہوگئے۔ اور تعجب نہیں کہ رفتہ رفتہ ایک جماعت بھی قائم ہوجائے۔

اسی طرح مرزا صاحب اور ان کے امتی ہمہ تن متوجہ ہو کر اپنی پوری ذکاوتیں مسئلہ ''وفات مسیح''، میں صرف کررہے ہیں؛ جس سے جاہلوں کے اعتقاد متزلزل ہوگئے اور یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ

مرزا صاحب منصب عیسویت اپنے لئے تجویز کر رہے ہیں۔ اور اس کا مدار انہی خدشات پر ہے۔ تو ان کی غرض اس سے متعلق ہوئی اور خود غرضی کارروائی عقلاً قابل التفات ہوسکتی ہے یا نہیں؟

پھر جب ان کا مقصود یعنی ان کی عیسویت کسی دلیل سے ثابت نہ ہوسکی؛ تو عیسی علیہ السلام کی موت وحیات میں گفتگو سے کیا فائدہ؟ ان کو ضرور ہے کہ اپنی عیسویت بدلائل ثابت کر دیں۔ اور جب وہ بدلائل ثابت ہوجائے تو عیسی علیہ السلام کی موت خود بالضرور ثابت ہوجائے گی۔ کیونکہ مسیح موعود تو ایک ہی ہے۔ اور یہ ممکن نہیں کہ ان کی موت ثابت ہونے سے مرزا صاحب کی عیسویت ثابت ہوجائے۔ اس لئے کہ یہ ضرور نہیں کہ عیسی علیہ السلام مرتے ہی مرزا صاحب ہی عیسی بن جائیں۔ آخر مرزا صاحب بھی اس کے قائل نہیں کہ عیسی علیہ السلام کی وفات ۱۳۰۰ھ ہجری میں ہوئی اور وہ ان کے جانشین ہوئے۔ اور یہ بات بھی کسی دلیل سے ثابت نہیں ہوسکتی کہ ایک عیسی کے مرنے کے بعد دوسرے عیسی کے نکلنے کی اس قدر مدت مقرر ہے۔

الحاصل مرزا صاحب مدعی عیسویت ہیں اپنا دعوی مع شرائط ولوازم ثابت کرنا ان کے ذمہ ہے ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ ہمارے دین میں طئے شدہ اجماعی مسئلہ حیات مسیح علیہ السلام کو از سرنو ثابت کریں۔ البتہ بحسب قواعد مناظرہ ہمارا کام ہوگا کہ مدعی کے دلائل میں غور کر کے بحسب موقع وضرورت جرح کریں۔

مرزا صاحب کو عیسی علیہ السلام کی موت ثابت کرنے اور آپ مسیح موعود ہونے میں بڑے بڑے معرکے پیش آئے۔ پہلے یہ ثابت کرنا انہوں نے ضروری سمجھا کہ کوئی شخص زندہ آسمان پر جا ہی نہیں سکتا۔ اس میں یہ دقت پیش آئی کہ قرآن واحادیث صحیحہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج ثابت ہے اگر قرآن وحدیث کی رعایت کرتے ہیں تو اپنی بات بگڑتی ہے اور اگر بات کی رعایت کرتے ہیں تو ان آیات واحادیث سے ایمان رخصت ہوتا ہے آخر بحکم ”**حبک الشیٔ یعمی ویصم**“ طبیعت نے یہی حکم کیا کہ بات بگڑنے نہ پائے۔ چنانچہ معراج جسمانی کا انکار ہی کر دیا اور اس بات کے قائل ہوگئے کہ حضرت شب معراج مکہ سے باہر نہیں گئے بستر پر ہی بیت المقدس وغیرہ کا کشف ہوگیا۔ اور سبحان الذی اسری بعبدہ وغیرہ آیات کو تاویل کر کے ٹال دیا۔

اس کے بعد یہ خیال کیا کہ شاید کوئی یہ کہہ دے کہ عیسیٰ علیہ السلام مر تو گئے مگر ممکن ہے کہ قیامت کے قریب زندہ ہوکر آ جائیں۔ اس کی پیش بندی یوں کی کہ کوئی شخص مرنے کے بعد اس عالم میں زندہ ہو ہی نہیں سکتا اور قرآن شریف میں جو ہزارہا مردوں کا زندہ ہونا مذکور ہے اس کا عقل سے ایسا مقابلہ کیا کہ انہی کا کام تھا کسی واقعہ میں کہا کہ مسمریزم سے صرف حرکت ہوگئی تھی اور کبھی معنی بدل دیئے: مثلاً: "فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ" میں کہا ہے کہ: اس سے موت مراد نہیں بلکہ نیند ہے کہ سو برس تک سوتے رہے۔ اس کے بعد یہ سوچا کہ ایسی تدبیر کی جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت میں بھی زمین پر نہ آنے پائیں اس لئے حشر اجساد ہی کا انکار کر دیا۔ اس دلیل سے کے مرنے کے بعد قبر میں ایک سوراخ ہوجاتا ہے جس کی راہ سے جنتی آدمی جنت میں چلا جاتا ہے اور پھر وہاں سے نکل ہی نہیں سکتا۔

اب صدہا آیات واحادیث جو حشر اجساد اور قبر سے مردے نکلنے کے باب میں وارد ہیں وہ سب اپنی اپنی جگہ رکھی رہیں۔ اور سب پر ایمان بھی ہے مگر ان کے معنی سے کوئی تعلق نہیں اور ان کا وہ بھی قول صحیح ہوگیا کہ قرآن کے ایک نقطہ کی کمی وزیادتی نہیں ہوسکتی کیونکہ مسلمانوں کو بتلانے کے لئے الفاظ پر پورا پورا ایمان ہے جو کچھ تصرف اور حکومت ہے سو معنی پر ہے۔

الغرض ان مقامات میں اور ان کے سوا جو جو آیات واحادیث ان کو مقصود کے مخالف نظر آئیں سب کے معنی میں تحریف کر ڈالی اور جن آیات واحادیث کو دیکھا کہ تغیر معنی سے اپنا مطلب نکل سکتا ہے ان میں نئے معنی پیدا کر کے استدلال میں پیش کر دیا۔

مرزا صاحب سید احمد خان صاحب کے مقلد ہیں

یوں تو مرزا صاحب کی طبیعت خود جدت پسند اور موجد مضامین تازہ ہے مگر ظاہر اتقدم کی وجہ سے سر سید احمد خان صاحب کو مقتدا ہونے کا فخر حاصل ہے کیونکہ انہوں نے ایسے طریقہ بتلا دیئے کہ کہنے کو قرآن پر ایمان بھی مسلم رہے اور اپنی مطلب برآری میں قرآن خلل انداز بھی نہ ہو مثلاً: انہوں نے دیکھا کہ جب تک گورنمنٹ کے ہم خیال نہ ہوں مقصود حاصل نہیں ہوسکتا اس لئے قرآن

کو حکمت جدیدہ کے تابع کر دیا اور جتنی آیتوں سے آسمانوں کا وجود ثابت ہوتا ہے سب میں تاویلیں کر کے آسمانوں کی جگہ موہوم دوائر قائم کر دیئے اور جنت ودوزخ کے باب میں جتنی آیات وارد ہیں سب کو عالم خیال میں پہونچا دیا۔ قرآن میں فرشتوں کا ذکر بہت جگہ ہے اس کی تصدیق یوں کی کہ: آدمی وغیرہ میں جو قوتیں ہیں وہی ملائکہ ہیں مگر یہ ممکن نہیں کہ آسمان پر بھی کوئی فرشتہ ہو۔

بہر حال خان صاحب اور مرزا صاحب الفاظ قرآن کی جہاں تک حد ہے اس میں مسلمانوں کے ساتھ ہیں اور جہاں معنی کا موقع آیا علیحدہ ہوجاتے ہیں اور اس وقت سوائے اپنی خواہش کے مسلمان تو کیا اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرمادیں تو نہیں سنتے یہی وجہ ہے کہ ان دونوں صاحبوں کے نزدیک احادیث ساقط الاعتبار ہیں البتہ وہ حدیثیں تو استدلال میں پیش کرتے ہیں جن کو اپنے مفید مدعا سمجھتے ہیں۔ مگر یہ بات یادر ہے کہ ان حضرات نے جو ایمان کا طریقہ نکالا ہے وہ شرعاً ایمان نہیں ہوسکتا اس لئے کہ جو قرآن نازل ہوا ہے اس سے یہ مقصود نہیں کہ فقط الفاظ ہی پر ایمان لایا جائے۔ دیکھ لیجئے اگر کوئی شخص عمر بھر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھا کرے اور اس کے معنی یعنی توحید کا قائل نہ ہو تو وہ شرعاً ہرگز مسلمان نہیں سمجھا جاسکتا اگر معنی میں تعمیم کر دی جائے کہ حسب مرضی جو جی چاہے سمجھ لینا کافی ہے تو اس قسم کی تاویلوں میں تعجب نہیں کہ کفار کے اعتقاد بھی داخل ہوجائیں۔

منصور نے "حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ" (سورۃ المائدۃ: آیت: ۳) میں تاویل کر کے مردار خنزیر وغیرہ حلال کر دیا تھا حالانکہ اس آیت کو وہ کلام الٰہی کہتا تھا کیا اس قسم کے ایمان سے سمجھا جاسکتا ہے اس کو اس آیت پر ایمان تھا۔

اب ہم خیر خواہانہ اہل اسلام سے عرض کرتے ہیں کہ ایمان بڑی نعمت عظمٰی ہے آخرت کی نجات اور راحت ابدی کا مدار اسی پر ہے اس کی حفاظت اور احتیاط کی بڑی ضرورت ہے ہرکس وناکس کو اپنے ایمان پر تصرف دینا نہایت خلاف عقل ہے مولانا روم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شعر

اے بسا ابلیس آدم روے است　　پس بہر دستے نباید داد دست



مسئلۂ معراج

معراج کا مسئلہ اسلام میں ایک عظیم الشان ہے جس سے امتیوں کو کمال درجہ کا افتخار حاصل ہے کہ سوائے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی نبی کو یہ فضیلت حاصل نہیں ہوئی۔ مگر مرزا صاحب خودغرضی سے اس میں کلام کرتے ہیں کہ اگر معراج جسمانی ثابت ہوجائے تو عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر زندہ جانا ثابت ہوجاتا ہے۔ اگرچہ ظاہر میں وہ اس کی تصریح نہیں کرتے مگر قرائن ودلائل واضحہ اس کی خبر دے رہے ہیں۔

م معراج جسم کثیف کے ساتھ نہیں ہوا بلکہ وہ کشف تھا

بہر حال ازالۃ الاوہام (ص ۴۷) میں لکھتے ہیں: ''کہ یہ معراج اس جسم کثیف کے ساتھ نہیں تھا بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کا کشف تھا اس کثیف بیداری سے یہ حالت زیادہ اصفی واجلی ہوتی ہے اور اس قسم کے کشفوں میں مولف خود صاحب تجربہ ہے''۔

مرزا صاحب کے کشف وتجربہ کا کیا کہنا اسی کتاب میں آپ کے کشفوں کا حال بخوبی معلوم ہوگیا ہے اگر ناظرین ان کا تذکّر فرمالیں تو مرزا صاحب کی اس تقریر کا لطف دوبالا ہوجائیگا۔

قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعویٰ ان کا غالباً پیشتر کا ہوگا ورنہ انہوں نے تو اپنے باب میں قطعی فیصلہ کرلیا ہے کہ خود بدولت مردود ہیں ملعون ہیں بے دین ہیں خائن ہیں اور اس فیصلہ کو خدائے تعالیٰ نے بھی منظور فرمالیا ہے جس کا حال معلوم ہوا اس کے بعد اب وہ کسی عامی مسلمان کی بھی مساوات کا دعویٰ نہیں کرسکتے چہ جائیکہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسری۔ اگرچہ مسئلہ معراج نہایت وسیع اور طویل الذیل ہے جس کی گنجائش اس مختصر میں دشوار ہے مگر **''ما لا یدرک کله لا یترک کله''** کے لحاظ سے تھوڑی سی بحث اس میں بھی کی جاتی ہے انشاء اللہ تعالیٰ بشرط انصاف اہل ایمان پر منکشف ہوجائے گا کہ اہل سنت کا مذہب اس مسئلہ میں کیسا قوی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ کئی امور اس مسئلہ میں ایسے ہیں کہ معمولی عقول پر ان کا تسلیم کرنا شاق ہوتا ہے۔ مثلاً سینۂ مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شب معراج شق کیا جانا



اور حکمت وایمان سے اس کو بھرنا

پھر بسواری براق بیت المقدس اور وہاں سے آسمانوں پر جانا

اور یہ سب معاملات ایک ہی شب میں طئے ہوجانا وغیرہ ایسے ہیں کہ ان کی نظیر مل نہیں سکتی اور خلاف عادت ہونے کی وجہ سے عقل کے خلاف ہیں۔

غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس عالم میں بہت سے بلکہ تقریباً کل کام ایسے ہیں کہ ان کا ادراک عقل سے ممکن نہیں مگر عادت کی وجہ سے ان میں غور وتدبر کی نوبت آتی ہے نہ خلاف عقل معلوم ہوتے ہیں اس کا بیان ہم نے کتاب العقل میں بشرح وبسط لکھا ہے اس کے ملاحظہ سے منکشف ہوسکتا ہے کہ جو معمولی امور ہیں ان کے بھی ادراک میں حکماء کی عقلیں حیران ہیں اور جن چیزوں کو ہم بدیہی سمجھتے ہیں ان کی حقیقتیں ایسی نظری ہیں کہ ان کا ادراک اب تک نہ ہوسکا۔ پھر جیسے وہ عادت کی وجہ سے مطابق عقل معلوم ہوتے ہیں۔اسی طرح اگر بالفرض آسمانوں پر آنا جانا بھی عادی ہوتا تو ان میں بھی عقل کو استبعاد کا موقع نہ ملتا۔

یہاں بطور مثال ایک نور ہی کو دیکھ لیجئے کہ وہ کس قدر ظاہر بلکہ مظہر ہے اور ہمیشہ دیکھنے کی وجہ سے ہر شخص اس کو بدیہی سمجھتا ہے۔مگر اس کی حقیقت ایسی نظری ہے کہ تمام حکماء اس کے ادراک میں حیران ہیں یہی وجہ ہے کہ کوئی اس کو جوہر بلکہ جسم کہتا ہے اور کوئی عرض۔حالانکہ جوہر وعرض میں جس قدر فرق اور تباین ہے ظاہر ہے ایسی روشن چیز میں جب یہ اندھیر ہو تو اور چیزوں کا کیا حال ہوگا اگر ایسے شخص سے جس نے نور کبھی نہ دیکھا ہو یعنی مادرزاد نابینا سے اس کا حال بیان کیا جائے تو یہی کہے گا کہ ایسی چیز کا وجود محال ہے۔اہل حکمت جدیدہ نے نور کو جوہر بلکہ جسم مان لیا ہے اور کمال تحقیق سے تصریح کرتے ہیں کہ وہ ایک منٹ میں ایک کروڑ بیس لاکھ میل کی مسافت طئے کرتا ہے جیسا کہ ریوری رنٹ چارلس صاحب نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ اور پیسہ اخبار مورخہ ۹ جمادی الثانی ۱۳۲۰ھ میں تحقیق جدید کو بیان کیا ہے کہ بجلی ایک منٹ میں پانچ سو (500) مرتبہ زمین کے گرد گھوم سکتی ہے اور ستہ شمسیہ میں جو چارلس صاحب مذکور کی کتاب کا ترجمہ لکھا ہے ''کہ بعض دم دار ستارے

اتنے بڑے ہیں کہ فقط ان کی دم تین کروڑ تیس لاکھ (3,3000000) میل کی ہے اور ان کی رفتار ایک ساعت میں آٹھ لاکھ اسی ہزار (8,80000) میل تک ثابت ہوئی ہے۔

اور محققین ہیئت قدیمہ نے تصریح کی ہے کہ: فلک تاسع کے مقعر کا ہر نقطہ ایک ساعت میں دس کروڑ اکہتر لاکھ (107100000) میل حرکت کرتا ہے۔ اور لکھا ہے کہ آدمی جس عرصہ میں ایک لفظ کا تلفظ کرے مثلاً: (ا) یا (ب) کہے وہ پانچ ہزار ایک سو چھیانوے میل طئے کرتی ہے۔

اب دیکھئے کہ کیسے بڑے بڑے اجسام کی حرکت ایک ساعت میں لاکھوں بلکہ کروڑوں میل تسلیم کر لی جاتی ہے اس وجہ سے کہ وہ حکماء کا قول ہے۔

ح معراج کو مستبعد سمجھ کر لوگ مرتد ہو گئے

اور معراج کی خبر خود خدائے تعالی دیتا ہے اس میں اقسام کے احتمالات پیدا کر کے تاویلیں کی جاتی ہیں کہ جسم کثیف اس مدت قلیل میں اتنی مسافت کیونکر طئے کر سکتا ہے اس لئے برائے نام اس پر ایمان لانے کی یہ تدبیر نکالی گئی کہ وہ ایک کشفی واقعہ ہے۔ اب اگر کوئی ایماندار جس کو خدا کی قدرت پر پورا ایمان ہو اور یقین سمجھتا ہو کہ حق تعالی صرف کن سے جو چاہتا ہے کر سکتا ہے یہ اعتقاد رکھے کہ وہ قادر مطلق جو بعض اجسام کثیفہ کو ایک منٹ میں ایک کروڑ بیس لاکھ میل چلا جاتا ہے۔ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم جن کا جسم مبارک ہماری جان سے بھی زیادہ تر لطیف تھا ان کو تھوڑے عرصہ میں آسمانوں کی سیر کرا لائے تو کونسی بڑی بات ہوگئی کیا ان مسلمانوں کے نزدیک خدا کی اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کی اتنی بھی وقعت نہ ہونی چاہئے جو اہل یورپ کی بات کی آج کل ہو رہی ہے؟

مقتضائے ایمان تو یہ تھا کہ اگر کوئی ضعیف حدیث بھی اس باب میں وارد ہوتی تو اس خیال سے مان لی جاتی کہ آخر حدیث تو ہے کسی کی بنائی ہوئی بات نہیں۔ چہ جائیکہ قرآن کی آیتوں اور صحیح صحیح حدیثوں سے ثابت ہے مگر ہر کسی کو یہ گراں بہا دولت ایمانی کہاں نصیب ہو سکتی ہے۔ ہزارہا معجزات دیکھنے پر بھی تو اشقیاء اس دولت سے محروم ہی رہے۔ دراصل خود حق تعالی کو منظور نہیں کہ یہ دولت عام اور بے قدر ہو جائے اسی وجہ سے خود کتاب ہدایت یعنی قرآن شریف کی خاصیت

"يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا"(البقرۃ:۲۶)رکھی گئی۔اور معراج شریف کی نسبت بھی اس قسم کا ارشاد ہے: قولہ تعالی "وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ"(بنی اسرائیل:۶۰) یعنی جو تم کو شب معراج ہم نے دکھلایا اس سے لوگوں کی آزمائش مقصود ہے

احادیث وآثار سے ثابت ہے کہ یہ آیت معراج ہی کے باب میں نازل ہوئی۔

یہ بات ظاہر ہے کہ ہر کسی کا کام نہیں کہ خدائے تعالی کے امتحان میں پورا اترے۔اس موقع میں تو ایمانداروں کا ایمان ہی سلامت رہ جائے تو غنیمت ہے۔کافروں کے ایمان کی کیا توقع۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ باوجودیکہ حضرت نے بیت المقدس کی پوری نشانیاں بتلادیں اور کفار اس کا انکار بھی نہ کر سکے مگر ایمان کسی نے نہ لایا اور صحابہ جو ہمیشہ معجزات دیکھتے تھے باوجود اس فیضان معنوی کے وہ بھی متزلزل ہو گئے اور بعض تو نعوذ باللہ مرتد ہی ہو گئے۔اور اسی واقعہ کی عمدہ طور پر تصدیق کرنے کی بدولت ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق کہلائے۔ان مضامین کی تصدیق روایات ذیل سے ہوتی ہے:

"أخرج ابن جرير عن قتادة رضی اللہ عنہ وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ يقول: أراه من الآيات والعير في مسيره الى بيت المقدس وذكر لنا ان ناسا ارتد وابعد اسلامهم حين حدثهم رسول الله صلى الله عليه وسلم بمسيره أنكروا ذلك وكذبوا به وعجبوا منه وقالوا: أتحدثنا أنك سرت مسيرة شهرين في ليلة واحدة۔ كذافي الدرالمنثور" یعنی قتادہ کہتے ہیں کہ آیت شریفہ: "وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ" سے وہ نشانیاں مراد ہیں جو بیت المقدس کے جانے میں حضرت کو دکھلائی گئیں جب حضرت نے وہ حالات بیان کئے تو بہت سے لوگوں نے تکذیب کر کے براہ انکار کہا: "کہ اب ایسی باتیں کرنے لگے کہ ایک رات میں دو مہینے کی راہ طئے کی" غرض باوجودیکہ وہ لوگ اسلام لا چکے تھے مگر واقعہ معراج سن کر مرتد ہو گئے۔

"وأخرج أحمد وأبو يعلي وابن مردويه وابو نعيم عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال أسرى بالنبي صلى الله عليه وسلم الى بيت المقدس في ليلة فحدثهم بمسيره وبعلامة بيت المقدس وبعيرهم فقال ناس: لانصدق محمدا (صلى الله عليه وسلم) بما يقول فارتدوا كفارا فضرب الله اعناقهم مع ابي جهل كذافي الدرالمنثور۔

یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب حضرت بیت المقدس جا کر اسی شب واپس تشریف لائے اور واقعہ جانے کا اور علامت بیت المقدس کی اور کفار کے قافلہ کا حال بیان فرمایا تو بہت سے لوگوں نے کہا'' کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق ان امور میں نہیں کر سکتے'' چنانچہ وہ مرتد ہو گئے اور آخر ابوجہل کے ساتھ ان کی گردنیں ماری گئیں۔انتہی

ان روایات سے ظاہر ہے کہ یہ واقعہ ظاہراً خلاف عقل ہونے کی وجہ سے وہ لوگ اس کی تصدیق نہ کر سکے جس سے ان کا ایمان سلب کر لیا گیا۔

ح ابوبکر رضی اللہ عنہ کا لقب معراج ہی کی تصدیق سے صدیق ہوا' معراج بیداری میں ہوا

یہاں غور کیا جائے کہ کیا خواب میں بیت المقدس کو جانا اس قدر خلاف عقل تھا کہ اس کے سننے سے مسلمانوں کا ایمان جاتے رہے عقل سلیم اس کو ہرگز قبول نہیں کر سکتی یہ واقعہ خلاف عقل اسی وقت ہو سکتا ہے کہ عالم بیداری میں ہوا ہو جس کی تصدیق ابوبکرؓ نے کر کے مستحق لقب صدیق ہوئے۔جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہے:

''وأخرج ابو یعلی و ابن عساکر عن أم ھانی رضی اللہ عنھا قالت: دخل علیّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی أن قالت: قال مطعم: کل امرک قبل الیوم کان أمماً غیر قولک الیوم أنا اشھد انک کاذب نحن نضرب اکباد الابل الی بیت المقدس مصعداً شھراً و منحدرا شھراً تزعم أنک أتیتہ فی لیلۃ واللات العزی لاأصدقک فقال أبو بکر: یامطعم بئس ما قلت لابن أخیک؟ جبھتہ و کذبتہ أنا اشھد انہ صادق فقالوا: یامحمد صف لنا بیت المقدس قال: دخلتہ لیلا و خرجت منہ لیلا فأتاہ جبرئیل علیہ السلام فصورہ فی جناحہ فجعل یقول باب منہ کذا فی موضع کذا و باب منہ کذا فی موضع کذا وأبو بکر رضی اللہ عنہ یقول: صدقت' فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یومئذ: یا ابا بکر ان اللہ قد سماک الصدیق الحدیث کذا فی الدر المنثور''

یعنی ام ہانی رضی اللہ عنہ نے معراج کا واقعہ بیان کر کے کہا کہ جب یہ واقعہ حضرت نے کفار سے بیان کیا تو مطعم نے کہا: ''کہ اب تک آپ کا معاملہ ٹھیک تھا سوائے اس بات کے جواب کہہ رہے ہو میں گواہی دیتا ہوں'' کہ تم جھوٹے ہو ہم تو اونٹوں کو مار مار کے دو مہینے میں بیت المقدس کو جا کر آتے ہیں اور تم کہتے ہو کہ ایک ہی رات میں جا کر آ گئے لات وعزی کی قسم ہے کہ یہ تو میں ہرگز نہیں مانوں گا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے مطعم! تو نے بری بات کہی اپنے بھتیجے کو شرمندہ کیا۔ اوران کی تکذیب کی میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ سچے ہیں۔ پھر کفار نے حضرت سے کہا کہ بیت المقدس کا حال تو بیان کیجئے

آپ نے فرمایا: ''کہ میں رات کے وقت اس میں داخل ہوا تھا اور رات میں ہی اس سے نکلا'' یہ فرما ہی رہے تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور اپنی بازو میں بیت المقدس کا نقشہ پیش نظر کر دیا۔ جس کو دیکھ دیکھ کر آپ علامتیں فرماتے کہ فلاں دروازہ فلاں مقام میں ہے اور فلاں دروازہ فلاں مقام میں ہے اور ابوبکرؓ اس کی تصدیق کرتے جاتے تھے اس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ سے فرمایا: کہ اے ابوبکر اللہ نے تمہارا نام صدیق رکھا۔ انتہی

اس سے ظاہر ہے کہ معراج جسمانی کی تصدیق کی وجہ سے حق تعالی نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لقب صدیق عطا فرمایا اگر یہ واقعہ خواب کا ہوتا تو کفار کو بھی اس میں کلام نہ ہوتا کیونکہ خواب میں اکثر دور دور کے شہروں کا سفر کیا ہی کرتے ہیں۔

الحاصل اسلام میں معراج کا واقعہ گویا محک امتحان ہے۔ جس نے اس کا انکار کیا اس کی شقاوت ازلی کا حال کھل گیا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا شقاوت ہوگی کہ سب جانتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بیت المقدس کو نہیں دیکھا تھا۔ باوجود اس کے جو جو نشانیاں پوچھتے گئے سب بتلادیں اور راستہ کے قافلے کا حال پوچھا وہ بھی بیان کر دیا۔ جس کی تصدیق بھی ہوگئی پھر بھی تصدیق نہ کی۔ اور مثل دوسرے معجزات کے اس کو بھی سحر ہی قرار دیا۔ جیسا کہ ان روایات سے ظاہر ہے:

''وأخرج مسلم والنسائی وابن مردویه عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: لقد رأیتنی فی الحجر وقریش تسألنی عن مسرائی فسألونی عن

أشياء من بيت المقدس لم أثبتها فكربت كربا ما كربت مثله قط فرفعه الله لي أنظر اليه ماسألوني عن شيء الا انبأهم به۔ كذافي الدر المنثور"

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب قریش مجھ سے بیت المقدس کے جانے کا حال دریافت کرنے لگے میں حطیم میں تھا۔ بہت سی چیزیں بیت المقدس کی انہوں نے ایسی پوچھیں جو مجھے بخوبی یاد نہ تھیں۔ اس وقت مجھ کو ایسی فکر ہوئی کہ کبھی ہوئی نہ تھی۔ تب حق تعالی نے اس کو میرے پیش نظر کر دیا۔ پھر تو وہ جو سوال کرتے میں دیکھ کر فوراً جواب دے دیتا۔

"وأخرج أبو يعلي وابن عساكر عن ام هانی رضی اللہ عنہا: ثم انتهيت الى عير بني فلان في التنعيم يقدمها جمل اورق وهاهي ذه تطلع عليكم من الثنيه فقال الوليد بن المغيرة: ساحر فانطلقوا فوجدوا كما قال فرموه بالسحر وقالوا: صدق الوليد فانزل الله وما جعلنا الرؤيا التي اريناك الا فتنة للناس۔ كذافي الدر المنثور"

یعنی سفر بیت المقدس کے واقعہ کے اخیر میں حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ: واپسی کے وقت تنعیم میں مجھے ایک قافلہ ملا؛ جس کے آگے آگے ایک اونٹ ہے، جس کا رنگ خاکستری ہے، اور وہ یہیں قریب میں ہے، ابھی ثنیہ پر تمہیں نظر آئے گا۔ یہ سن کر ولید نے کہا کہ یہ ساحر ہیں اور لوگ قافلہ کی خبر لانے کو گئے، چنانچہ جس طور پر حضرت نے فرمایا تھا سب باتوں کی تصدیق ہوگئی، اس پر سب نے کہا: ولید نے جو حضرت کو ساحر کہا تھا وہ سچ ہے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی: "وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ" (بنی اسرائیل::۶۰)

اب یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ نیند کی حالت میں ہوا تھا کیا وہ اعلی درجہ کا کشف تھا جس کے مرزا صاحب قائل ہیں ان کو کتنے واقعات کا انکار کرنا پڑتا ہے یہ بات تو ظاہر ہے کہ خواب کیسا ہی عجیب وغریب ہو اس کے بیان کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا اور نہ سننے والا اس کا انکار کرتا ہے، حالانکہ احادیث سے ثابت ہے کہ اس واقعہ کا بیان کرنا بخوف تکذیب قرین مصلحت نہیں سمجھا گیا تھا۔ جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے:

وأخرج الطبرانی وابن مریم عن ام ھانی رضی اللہ عنہا قالت: فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وأنا أرید أن أخرج الی قریش فأخبرھم ما رأیت فأخذت بثوبه فقلت: انی أذکر ک اللہ أنک تأتی قوماً یکذبونک وینکرون مقالتک فأخاف أن یسطوا بک قالت: فضرب ثوبه من یدی ثم خرج الیھم وأتی وھم جلوس فأخبرھم - الحدیث۔ کذا فی الدر المنثور والحدیث مذکور فیه بطوله"

یہ حدیث بہت طویل ہے یہاں مقصود اسی حصہ سے متعلق ہے جو لکھا گیا۔ ما حصل اس کا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام ہانی رضی اللہ عنہا سے سفر بیت المقدس کا واقعہ بیان کر کے فرمایا : کہ میں چاہتا ہوں کہ جو کچھ میں نے رات دیکھا ہے سب قریش سے بیان کردوں میں نے حضرت کا دامن پکڑلیا اور کہا کہ خدا کے لئے آپ یہ کیا کرتے ہو۔ لوگ تو پہلے ہی سے آپ کی تکذیب اور آپ کی باتوں کا انکار کرتے ہیں۔ مجھے خوف ہے کہ یہ واقعہ سن کر کہیں حملہ نہ کر بیٹھیں۔ حضرت نے جھٹکا مار کر دامن چھڑالیا اور ان کے مجمع میں جا کر سب واقعہ بیان فرمایا۔ انتہی

ظاہر ہے کہ اگر یہ واقعہ خواب کا ہوتا تو اس کے تکذیب کی کوئی وجہ نہ تھی۔ پھر ام ہانی رضی اللہ عنہا کو اس کے بیان نہ کرنے پر اس قدر اصرار کیوں تھا؟ اور احادیث سے ثابت ہے کہ جب کفار نے یہ واقعہ سنا تو بہت کچھ خوشیاں منائیں اور یہ سمجھ لیا کہ اب حضرت کی کسی بات کو فروغ نہ ہوگا۔ چنانچہ اس روایت سے ظاہر ہے:

وأخرج ابن أبی شیبة وأحمد والنسائی والبزاز والطبرانی وابن مردویه أبو نعیم فی الدلائل والضیافی المختارہ وابن عساکر بسند صحیح عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم "لما کان لیلة أسری بی فأصبحت فی مکة قطعت وعرفت ان الناس یکذبونی فقعدت معزلاً حزینا فمر بی عدو اللہ أبو جھل فجاء حتی جلس الیه فقال له کالمستھزی: ھل کان من شئ قال: نعم قال: وما ھو؟ قال: انی أسری بی اللیلة قال: الی این؟ قال: الی بیت المقدس قال: ثم أصبحت بین ظھرانینا قال: نعم فلم یر دان یکذبه مخافة أن یجحدہ الحدیث' ان دعا قومه الیه قال: أرأیت أن دعوت قومک

أتحدثهم بماحدثتني؟ قال: نعم' قال: هيّا معشر بني كعب بن لوی فانقضت اليه المجالس و جاءوا حتى جلسوا اليهما قال: حدث قومک بما حدثتني فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: انی أسری بی الليلة قالوا: الی أين قال: الی بيت المقدس قالوا: ايليا قال: نعم قالوا: ثم أصبحت ظهر انينا قال: نعم قال: فمن بين مصفق و بين واضع يده على رأسه متعجبا قالوا: وتسطيع أن تنعت المسجد وفي القوم من سافر اليه؟ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فذهبت أنعت فمازلت أنعت حتى التبس عليّ بعض النعت فجيء بالمسجد وانا انظر اليه حتى وضع دون دار عقيل أو عقال وأنا أنظر اليه فقال القوم: اما النعت فو الله لقد أصاب۔ كذا في الدر المنثور''

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کہ جس رات میں بیت المقدس جا کر صبح مکہ میں آ گیا۔ مجھے یقین ہوا کہ اس واقعہ میں لوگ میری تکذیب ضرور کریں گے۔ اسی خیال میں میں ایک طرف غمگین بیٹھا تھا کہ دشمن خدا ابوجہل آ کر میرے پاس بیٹھ گیا۔ اور بطور استہزاء پوچھا کیوں کیا کوئی نئی بات ہے؟ فرمایا: ہاں! کہا: کیا ہے؟ فرمایا: آج رات مجھے یہاں سے لے گئے تھے۔ کہا: کہاں؟ فرمایا: بیت المقدس۔ کہا: پھر صبح ہم لوگوں میں موجود ہو گئے؟ فرمایا: ہاں جب یہ سنا تو اس خیال سے کہ کہیں لوگوں کے روبرو انکار نہ کر جائیں تکذیب نہیں کی اور کہا: کیا یہ بات آپ لوگوں کے روبرو بیان کرو گے؟ فرمایا: ہاں۔ یہ سنتے ہی باآواز بلند پکارا اے گروہ بنی کعب بن لوی! اور فوراً جوق جوق لوگ وہاں ٹوٹ پڑے۔ پھر حضرت سے کہا: جو آپ نے مجھ سے کہا تھا وہ ان لوگوں سے بھی کہیے۔ فرمایا: آج رات مجھے یہاں سے لے گئے تھے۔ لوگوں نے پوچھا: کہاں؟ فرمایا: بیت المقدس۔ کہا: کیا ایلیا؟ فرمایا: ہاں۔ کہا: پھر صبح آپ ہم لوگوں میں موجود ہو گئے؟

فرمایا: ہاں۔ یہ سنتے ہی لوگوں کی یہ کیفیت ہوئی کہ کوئی تو تالیاں بجانے لگا۔ کوئی تعجب سے سر پر ہاتھ رکھ لیا۔ پھر انہوں نے کہا: کیا آپ مسجد کا حال بیان کر سکتے ہیں؟ اور ان میں وہ لوگ بھی تھے؛ جو بیت المقدس کا سفر کر چکے تھے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ: مسجد کا حال بیان کرنے لگا۔ یہاں تک کہ بعض علامتوں میں کچھ اشتباہ سا ہو گیا۔ ساتھ ہی مسجد میرے سامنے دار عقیل کے ورے رکھی

گئی۔ جس کو میں دیکھ دیکھ کر بیان کرنے لگا اور ان لوگوں نے جب پوری علامتیں سن (یا دار عقال) لیں تو بے ساختہ کہہ اٹھے کہ: واللہ سب علامتیں برابر بتلائیں۔ انتہی

یہاں چند امور قابل یاد رکھنے کے ہیں:

(1) یہ حدیث صحاح اور مسند امام احمد اور مختارہ (ضیاء مقدسی) میں ہے اور بحسب تصریح محدثین ثابت ہے کہ ان کتابوں کی صحت میں کوئی کلام نہیں۔

(2) حضرت کا یقین کرنا کہ لوگ اس واقعہ کی تکذیب کریں گے؛ دلیل ہے اس بات پر کہ یہ واقعہ خواب کا نہیں۔ کیونکہ خواب میں اکثر عجیب وغریب خلاف عقل واقعات دیکھے جاتے ہیں۔ مگر کسی کو یہ فکر نہیں ہوتی ہے کہ لوگ سن کر اس کی تکذیب کریں گے۔

(3) حضرت بجائے اسکے کہ اس واقعہ معراج شریف سے شادان وفرحان رہتے، بیان کرنے کے پہلے نہایت غمگین رہے، اس وجہ سے کہ کفار اس خلاف عقل واقعہ کی ضرور تکذیب کریں گے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے جب یہی خیال تھا تو بیان کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اور اگر ضرور بھی تھا تو صرف راسخ الاعتقاد چند مسلمانوں سے بطور راز کہا جاتا۔ بخلاف اس کے ام ہانی رضی اللہ عنہا نے کفار کے روبرو بیان کرنے سے بہت روکا اور خود حضرت کو بھی کمال درجہ کی فکر دامن گیر تھی۔ یہاں تک کہ حزین وغمگین بہت دیر بیٹھے رہے۔ مگر آخر بیان کرنا پڑا۔

معراج کا مسئلہ واجب الایمان اور ضروریات دین سے ہے

ان امور میں غور کرنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت اس واقعہ کے بیان کرنے پر من جانب اللہ مامور اور مکلف تھے۔ اگرچہ اصل مقصود عجائب قدرت حضرت کو دکھلانا تھا۔ مگر اس کے بعد اس مسئلہ کی حیثیت ہی کچھ دوسری ہوگئی۔ اور ایک دینی مسئلہ ٹھہر گیا۔

پہلے حضرت مامور ہوئے کہ کفار اور مسلمانوں میں اس کا اعلان کردیں۔ پھر قرآن شریف میں اس کا ذکر فرما کر قیامت تک کے آنے والوں کو اس کی اطلاع دی گئی۔ اور من جملہ ان مسائل کے ٹھہرایا گیا جن پر ایمان لانا ضروری ہے۔ گو خلاف عقل ہوں۔ جیسے مسائل بعث ونشر ومقدورات الٰہی وغیرہ۔ چنانچہ ارشاد ہے: قولہ تعالی ”سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ

الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ط " (بنی اسرائیل:۱) یعنی وہ خدا پاک ہے جو اپنے بندے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو راتوں رات مسجد حرام یعنی خانۂ کعبہ سے مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس لے گیا جس کے اردگرد ہم نے برکتیں دیں اور اس لے جانے سے مقصود یہ تھا کہ ہم ان کو اپنی قدرت کے چند نمونہ معائنہ کرائیں۔ انتہی

اور اس واقعہ کے بعض اغراض اس طرح بیان کئے **قولہ تعالی "وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْیَا الَّتِیْ أَرَیْنَاكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ"** (بنی اسرائیل:۶۰) یعنی یہ جو تم کو دکھایا گیا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس واسطے تھا کہ لوگوں کی آزمائش ہو جائے۔ چنانچہ آزمائش اور فتنے کا حال بھی ابھی معلوم ہو گیا کہ بعض مسلمان کافر و مرتد ہو گئے اور کافروں کا کفر و انکار اور بڑھ گیا۔

(4) کفار نے جب پوچھا کہ کیا آپ رات بیت المقدس کو جا کر صبح ہم میں موجود ہو گئے؛ تو آپ نے اس کی تصدیق کی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جسم کے ساتھ حالت بیداری میں تشریف لے گئے تھے۔ ورنہ جواب میں فرماتے کہ: یہ واقعہ تو خواب کا تھا میں جسم کے ساتھ یہاں سے گیا ہی کب تھا جو پوچھا جاتا ہے کہ "**ثم اصبحت بین ظھر انینا**" یعنی صبح یہاں موجود ہو گئے۔

(5) ایسے موقع میں تالیاں بجانا اپنی کامیابی اور خصم کی ذلت کی علامت ہے۔ اور کامیابی اپنی وہ اسی میں سمجھتے تھے کہ جھوٹ ثابت کریں۔ اور ظاہر ہے کہ خلاف عقل خواب سننے سے یہ جوش طبائع میں ہرگز پیدا نہیں ہوتا۔ اس میں تو توہین مقصود ہو۔ تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاتا ہے کہ: یہ اضغاث احلام یعنی پریشان خواب ہیں جو قابل اعتبار نہیں ہو سکتے۔ حالانکہ کسی روایت سے یہ ثابت نہ کیا جائے گا کہ کسی مخالف نے اس واقعہ کو سن کر پریشان خواب کہا ہو۔

(6) مقامی علامتیں بطور امتحان دریافت کرنا خواب کے واقعہ میں نہیں ہوا کرتا۔ اس لئے کہ خواب کے بیان کرنے والے کو یہ دعویٰ ہی نہیں ہوتا کہ جو دیکھا ہے وہ واقع کے مطابق ہے۔ اسی وجہ سے اس میں تعبیر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر یہ واقعہ خواب میں دیکھا گیا ہے تو نہ ان کو علامات پوچھنے کا موقع ملتا۔ نہ حضرت کو جواب دینے کی ضرورت ہوتی اور نہ فکر و کرب طبع غیور کو لاحق ہوتی۔

(7) امتحان کے وقت نقشہ مسجد کا پیش نظر ہونے سے ظاہر ہے کہ کشف اس موقع میں ہوا تھا جس کی تصریح فرمادی۔ اگر پورا واقعہ کشفی ہوتا تو اسی طرح صراحۃً فرمادیتے کہ رات بیت المقدس وغیرہ میرے پیش نظر ہو گئے تھے۔

الحاصل حدیث موصوف میں غور کرنے سے یہ بات یقینی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ یہ واقعہ حالت بیداری میں ہوا ہے۔ کفار نے جب حضرت سے یہ واقعہ سنا تو ان کو یقین ہو گیا کہ یہ خبر ایسی کھلی جھوٹ ہے کہ جو سنے گا عقل میں نہ آنے کی وجہ سے اس کی تکذیب کردے گا۔ اس لئے انہوں نے پہلے یہ خیال کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فتنہ میں ڈالیں۔ جب نعوذ باللہ وہ حضرت سے پھر جائیں گے تو پھر کوئی حضرت کی رفاقت نہ دیگا۔ اس لئے فوراً وہ صدیق اکبرؓ کے مکان پر پہونچے۔ اور کہا کہ: لیجئے اب آپ کے رفیق یہ دعوی کرتے ہیں کہ: آج رات بیت المقدس جا کر آ گئے۔ کیا اس کی بھی تصدیق کی جائے گی؟ مگر وہاں شان صدیقی جلوہ گر تھی ایسے بادہوائی شبہات سے کب جنبش ہوسکتی تھی۔ آپ نے فرمایا: کہ ''اس کی بھی تصدیق میں کوئی تامل نہیں بشرطیکہ حضرت نے فرمایا ہو۔

عائشہ رضی اللہ عنہا بھی معراج جسمانی کی قائل ہیں

جیسا کہ اس حدیث شریف سے ظاہر ہے:

''وأخرج الحاكم وصححه وابن مردويه والبيهقي في الدلائل عن عائشة رضي الله عنها قالت: لما أسري بالنبي صلى الله عليه وسلم الى المسجد الأقصى أصبح يحدث الناس بذلك فارتدناس ممن كانوا آمنوا به وصدقوه وسعوا بذلك الى أبي بكر رضي الله عنه فقالوا: هل لك في صاحبك يزعم أنه أسري به الليلة الى بيت المقدس؟ قال او قال: ذلك قالوا: نعم قال: لئن قال ذلك لقد صدق قالوا: فتصدقه أنه ذهب الليله الى بيت المقدس وجاء قبل الصبح قال: نعم اني لأصدقه بما هو أبعد من ذلك أصدقه بخبر السماء في غدوة او روحة فلذلك سمى ابا بكر الصديق'' كذا في الدر المنثور ''يعني

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''کہ جس رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس جا کر واپس تشریف لائے اس کی صبح وہ واقعہ لوگوں سے بیان فرمایا۔ جس سے بہت لوگ جو حضرت پر ایمان لا کر ہر طرح کی تصدیق کر چکے تھے، مرتد ہو گئے۔ پھر کفار ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہنے لگے: ''کیا اب بھی آپ اپنے رفیق یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرو گے؟ لیجئے وہ تو یہ کہہ رہے ہیں: ''کہ آج رات وہ بیت المقدس جا کر آ گئے'' کہا: کیا حضرت نے یہ فرمایا ہے؟ کہا: ہاں۔ کہا: اگر فرمایا ہے تو یقیناً سچ ہے۔ کہا: کیا تم اس کی تصدیق کرتے ہو کہ وہ رات بیت المقدس تک گئے اور صبح سے پہلے واپس آ گئے؟ فرمایا: ہاں۔ میں تو بیت المقدس سے دور کی باتوں کی تصدیق کرتا ہوں۔ یعنی جو صبح شام آسمان کی خبریں بیان فرماتے ہیں ان کو صحیح جانتا ہوں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اسی وجہ سے ان کا نام صدیق رکھا گیا۔ انتہی

اس روایت سے ظاہر ہے کہ کفار کے ذہن نشین یہی کرایا گیا تھا کہ حضرت حالت بیداری میں بیت المقدس جا کر تشریف لائے۔ اور اسی کی تصدیق پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بلقب صدیق ملقب ہوئے۔ اگر کفار نے سمجھا نہ تھا یا بہتان کیا تھا۔ تو عائشہؓ اس کی تصریح فرما دیتیں کہ: یہ کفار نے بہتان کیا تھا۔ درحقیقت وہ خواب تھا۔

اب اس روایت کی قوت کو دیکھئے کہ باوجودیکہ حاکمؒ کا میلان تشیع کی طرف تھا جیسا کہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ بستان المحدثین میں لکھے ہیں۔ اور اس حدیث سے صدیق اکبرؓ کی فضیلت صدیقیت ثابت ہوتی ہے، مگر قوت اسناد کے لحاظ سے مستدرک میں اس کو لکھ کر تصریح کر دی کہ: یہ حدیث صحیح ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی معراج جسمانی کے قائل ہیں۔ پھر یہ جو کہا جاتا ہے کہ: وہ معراج جسمانی کے قائل نہیں ہیں کیونکر صحیح ہوگا۔

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بہت سے مسلمانوں نے مرتد ہونے اور دین اسلام کو چھوڑ دینے کو گوارا کیا۔ مگر معراج جسمانی کو نہ مان سکے۔ جیسا کہ دوسری احادیث سے ابھی معلوم ہوا۔ واضح رہے کہ ایسے لوگوں کو مسلمان کہنا مجازی طور پر ہے۔ حقیقت میں تو وہ کفار ازلی تھے۔ اور تعجب نہیں کہ برائے نام مسلمان کہلاتے ہوں۔ کیونکہ مسلمانوں کے ایسے بودے اعتقاد نہیں ہوا کرتے۔

"وأخرج البزاز وابن أبی حاتم والطبرانی وابن مردویه والبیهقی فی الدلائل وصححه عن شداد بن أوس قال: قلنا: یارسول الله کیف اسری بک؟ فقال: قد صلیت لأصحابی العتمة فأتانی جبرئیل بدابة بیضاء لی ان قال: ثم انصرف بی فمررنا بعیر قریش بمکان کذا و کذا وقد ضلوا بعیر الهم قد جمعه فلان فسلمت علیهم فقال بعضهم: هذا صوت محمد (صلی الله علیه وسلم) ثم أتیت اصحابی قبل الصبح بمکة فأتانی أبو بکر فقال: یارسول الله صلی الله علیه وسلم أین کنت اللیلة قد التمسک فی مکانک فقلت: أعلمت أنی أتیت بیت المقدس اللیلة فقال: یارسول الله انه میسرة شهر فصفه لی قال: ففتح لی صراط کأنی أنظر الیه لا تسالونی عن شیء الا أنباتکم عنه فقال ابو بکر رضی اللہ عنہ: اشهد انک رسول الله وقال المشرکون: انظروا الی ابن ابی کبشة زعم انه أتی بیت المقدس اللیلة فقال: ان من آیة ما اقول لکم انی مررت بعیر لکم بمکان کذاو کذا وقد اضلوا ابعیرا الهم فجمعه فلان وان میسرهم ینزلون بکذا ثم کذا ویأتونکم یوم کذا و کذا یقدمهم جمل آدم علیه شیخ أسود وغرارتان سوداوتان فلما کان ذلک الیوم أشرف القوم ینظرون حتی کان قریبا من نصف النهار قدمت العیر یقدمهم ذلک الجمل الذی وصفه رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ ذکره الامام السیوطی بطوله فی الدر المنثور"

یعنی شداد بن اوس کہتے ہیں:

''ہم نے عرض کی یارسول اللہ آپ کو بیت المقدس کس طرح لے گئے؟

فرمایا: میں جب صحابہ کے ساتھ عشاء پڑھ چکا؛ تو جبرئیل میرے لئے سواری لائے، پھر تمام واقعہ بیان کر کے فرمایا: ''کہ جب ہم بیت المقدس سے لوٹے تو فلاں مقام میں ایک قافلہ پر ہمارا گذر ہوا؛ جو مکہ کو جارہا تھا۔ ان کا ایک اونٹ گم ہوگیا تھا۔ جس کو فلاں شخص نے گھیر لایا۔ اس حالت میں میں ان پر سلام کیا۔ بعضوں نے کہا یہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز ہے۔ غرض کہ صبح سے پہلے میں مکہ کو اپنے صحابہ میں پہونچ گیا۔

پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے اور کہا: ''یا رسول اللہ آپ رات کہاں تھے؟ میں آپ کو آپ کے مقام پر تلاش کیا۔ میں نے کہا تم جانتے ہو؛ میں رات بیت المقدس گیا تھا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ وہ تو ایک مہینے کی راہ ہے، اس کا کچھ حال بیان کیجئے۔ فرمایا: وہ دور تو ہے لیکن خدائے تعالی نے ایک رستہ میرے لئے نزدیک کا ایسا کھول دیا کہ وہ میرے پیش نظر ہو گیا۔ وہاں کی جو بات تم پوچھو میں بتادوں گا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہو۔ اور مشرکوں نے کہا: دیکھو ابن ابی کبشۃ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ آج رات بیت المقدس جا کر آ گئے۔ حضرت نے فرمایا: ''میں ایک نشانی اس کی تمہیں بتلاتا ہوں کہ میرا گذر فلاں مقام میں تمہارے قافلہ پر ایسے وقت ہوا کہ ان کا اونٹ گم ہو گیا تھا؛ جس کو فلاں شخص نے گھیر لایا۔ اور ان کی رفتار ایسی تھی کہ فلاں مقام میں اتریں گے۔ اس کے بعد فلاں مقام میں اتریں گے۔ اور فلاں روز وہ یہاں پہنچ جائیں گے۔ قافلہ کے آگے ایک سفید اونٹ ہے، جس کی پیٹ پر دو کالے گون اور اس پر ایک بوڑھا سیاہ رنگ سوار ہے۔ جب وہ دن آیا تو لوگ اس قافلہ کو دیکھنے نکلے چنانچہ دوپہر کے قریب وہ قافلہ آ پہونچا اور جس طرح حضرت نے فرمایا تھا وہی اونٹ اس کے آگے تھا۔ انتہی

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ حضرت نے طے مکان کو اشارۃً بیان فرمایا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے رسالت کی شہادت دے کر، اس کی تصدیق کر لی۔ کیونکہ جب رسالت مان لی جائے تو اس کے سب لوازم مان لئے جاتے ہیں۔

دیکھئے لفظ **انصرفت** اور **ثم أتيت قبل الصبح بمكة** سے ظاہر ہے کہ اس رات حضرت مکہ میں تشریف نہیں رکھتے تھے اور اس پر قوی دلیل یہ ہے کہ صدیق اکبرؓ نے حضرت کو اس رات تلاش کیا اور نہ پایا۔ اگر حضرت وہاں ہوتے تو فرمادیتے کہ: میں تو وہیں تھا یا فلاں مقام میں تھا۔ بجائے اس کے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس سوال کے جواب میں کہ آپ رات کہاں تھے؟ یہ فرمانا: ''کہ میں بیت المقدس گیا تھا بآواز بلند کہہ رہا ہے کہ حضرت مع جسم تشریف لے گئے تھے۔ پھر ظاہر ہے کہ اس قافلہ والوں پر ایسی جلدی کی حالت میں کہ سرعت سیر برق سے کم نہ تھی، سلام کرنا؛ اسی غرض سے تھا کہ خبر معراج سن کر ان کے دل اس کی صحت پر گواہی دیں۔ کیونکہ اپنے کانوں سے انہوں نے حضرت کی آواز سن لی تھی۔

اور نیز جب کافروں نے کہا: ''کہ حضرت بیت المقدس کے جانے کا دعوی کرتے ہیں۔تو ان کے جواب میں یہ ارشاد کہ جانے کی نشانی میں تمہیں بتلاتا ہوں۔علانیہ ثابت کررہا ہے کہ ان کے قول کی تسلیم کی گئی کہ بے شک ہم گئے تھے۔اور اس کی نشانیاں سن لو۔اگر خواب وغیرہ میں گئے ہوتے تو فرمادیتے کہ یہ میرا دعوی ہی نہیں۔

اور جس طرح اس حدیث سے ثابت ہے کہ معراج حالت بیداری میں جسم کے ساتھ ہوئی۔ ان احادیث سے بھی ثابت ہے:

''أخرج ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و ابن مردویه و البیهقی فی الدلائل و ابن عساکر عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنه قال: حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیه و آله و سلم بالمدینة عن لیلة أسری به من مکة الی المسجد الأقصی قال: بیننا أنا نائم بالمسجد اذ أتانی آت فأیقظنی فاستقیظت۔ کذا فی الدر المنثور''

یعنی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ہم لوگوں سے واقعہ معراج کا جو بیان فرمایا، اس میں یہ بھی ارشاد فرمایا تھا'' کہ اس رات میں مسجد میں سوتا تھا، کہ یکا یک کوئی شخص آ کر مجھے بیدار کیا۔اس کے بعد پورا واقعہ اس حدیث میں مذکور ہے۔

اور ایک روایت یہ بھی ہے: ''عن أبی اسحق و ابن جریر و ابن المنذر عن الحسن بن الحسین رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم: بیننا انا نائم فی الحجر جاء نی جبرئیل فهمزنی بر جله فجلست فلم ار شیئاً فعدت لمضجعی فجاء نی الثانیة فهمزنی بقدمه فجلست فلم أر شیئًا فعدت لمضجعی فجاء نی فهمزنی بقدمه فجلست فاخذ بعضدی فقمت معه۔ الحدیث ذکره فی الدر المنثور''

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: میں حطیم میں سو رہا تھا، جو مسجد الحرام میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے مجھے جگایا، مگر کوئی نظر نہ آیا۔اس لئے پھر سو رہا، پھر جگایا، پھر بھی کوئی نظر نہ آیا۔اور پھر سو رہا۔تیسرے بار کے جگانے میں میں اٹھ بیٹھا۔اور انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا، اور میں ان کے ساتھ چلا۔اس کے بعد براق وغیرہ کا قصہ مذکور ہے۔

اب اہل انصاف غور فرمائیں کہ حق تعالی فرماتا ہے: ”سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا“ (بنی اسرائیل)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: میں بیت المقدس اس رات میں جا کر آیا اور قرآن و حدیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس سے خواب پر دلالت ہو۔

اور مرزا صاحب بھی ازالۃ الاوہام ص ۵۴۰ میں لکھتے ہیں یہ مسلم ہے کہ:

”النصوص یحمل علی ظواھرھا“ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تصریح فرمارہے ہیں ”کہ یہ واقعہ حالت بیداری میں ہوا۔ اور اس پر اتنے قرائن موجود ہیں، جو مذکور ہوئے۔ پھر کسی ایماندار کو اس کے ماننے میں کیونکر تامل ہوسکتا ہے؟ اسی وجہ سے صحابہ کو اس مسئلہ میں ذرا بھی شبہ نہ تھا۔ چنانچہ اس حدیث سے ظاہر ہے جو تفسیر درمنثور میں ہے:

”أخرج عبد الرزاق و سعید بن منصور و أحمد و البخاری و الترمذی و النسائی و ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و الطبرانی و الحاکم و ابن مردویه و البیهقی فی الدلائل عن ابن عباس رضی اللہ عنهما فی قوله: وما جعلنا الرویا التی اریناک الا فتنة للناس - قال: هی رؤیا عین اریها رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم لیلة أسری به الی بیت المقدس و لیست برؤیا منام“

یعنی آیت شریفہ ”وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰکَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ“ کی تفسیر میں ابن عباسؓ کہتے ہیں: ”کہ رؤیا سے مراد یہاں رویت چشم ہے۔ خواب میں دیکھنا مراد نہیں۔ یعنی شب معراج جو نشانیاں حضرت کو بیت المقدس وغیرہ میں دکھلائی گئی تھیں؛ وہ خواب نہ تھا۔

اب دیکھئے کہ باوجودیکہ رؤیا خواب کے معنی میں کثیر الاستعمال ہے۔ مگر چونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خواہ تواتر کی وجہ سے یا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن لیا تھا؛ معراج جسمانی کا یقین تھا۔ اس لئے رؤیا کی تفسیر رؤیت چشم کے ساتھ کی جو لازمہ معراج جسمانی ہے۔ اگر ان کو اس بات میں ذرا بھی تامل ہوتا تو قرآن کی تفسیر اس جزم کے ساتھ ہرگز نہ کرتے اور نہ اس کو جائز رکھتے۔ کیونکہ تفسیر بالرائے کو یہ حضرات کفر سمجھتے تھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ''انی متوفیک'' کے معنی ''ممیتک'' جو مروی ہیں اس کو مرزا صاحب ازالۃ الاوہام میں بار بار ذکر کرتے ہیں۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فضائل بیان کر کر کے لکھتے ہیں؛ ''کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے علم قرآن ان کے حق میں قبول ہوئی۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما جس آیت کی تفسیر کرتے ہیں؛ وہ صحیح اور قابل وثوق ہے۔ اس صورت میں ضرور تھا کہ مرزا صاحب ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس تفسیر پر اعتماد کر کے معراج جسمانی کے قائل ہوتے۔ مگر افسوس ہے کہ اس کو قابل اعتبار نہ سمجھا اور اس پر توجہ تک نہ کی۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان احادیث فضیلت پر ایمان زبانی تھا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت مذکورہ میں رؤیت کو دو قسموں میں منحصر کیا۔ رؤیت عینی اور رؤیت منامی۔ اگر رؤیت کشفی جو مرزا صاحب کہتے ہیں کوئی علیحدہ چیز ہوتی تو اس کو بھی بیان کر دیتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رؤیت کشفی کو انہوں نے انہیں دو سے کسی ایک میں داخل کر دیا ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ اگرچہ منام میں دیکھنے والا یہی سمجھتا ہے کہ میں آنکھ سے دیکھ رہا ہوں۔ مگر فی الواقع وہ چشم سر سے نہیں دیکھتا۔ یہی حال کشفی رویت کا بھی ہے۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کشف سے قیامت تک کے حالات کو بیان فرمایا ہے۔ حالانکہ ان چیزوں کا وجود ہی اس زمانہ میں نہ تھا۔ پھر کیونکر کہا جائے کہ حضرت نے آنکھوں سے ان چیزوں کو دیکھا تھا۔ حالانکہ ابصار کی شرط جو تقابل رائی و مرئی ہے ،فوت ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ رؤیت کشفی رؤیت عینی نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ابن عباسؓ نے رؤیت کشفی کو رؤیت منامی میں داخل کر کے اس کی بھی نفی کر دی اور رؤیت عینی کو ثابت کیا۔

اس موقع میں تعجب نہیں کہ مرزا صاحب اس کو بھی قبول کر لیں گے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں بیٹھے ہوئے آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لیا۔ جیسا کہ ازالۃ الاوہام (ص ۳۵۴) میں ہے۔ کیونکہ مرزا صاحب کو انکار یا تاویل یا ردّ و قدح کی ضرورت ،صرف وہاں ہوتی ہے جہاں ان کی عیسویت وغیرہ پر کوئی اثر پڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ مثلاً اگر معراج جسمانی ثابت ہوجائے تو عیسی علیہ السلام کا زندہ آسمان پر جانا ثابت ہوجاتا ہے۔ پھر جب وہ زندہ آسمان پر موجود ہوں تو احادیث کی رو سے لوگ انہیں کے انتظار میں لگ جائیں گے۔ اور مرزا صاحب کو کون پوچھے گا۔ اس وجہ سے معراج کا انکار ہی کر دیا۔ اور شق القمر کے معجزہ کا کوئی اثر ان کے مباحث پر نہ تھا اس لئے اس کو مان لیا۔

چنانچہ ازالۃ الاوہام (ص ۳۰۱) میں لکھتے ہیں کہ: معجزات دو قسم کے ہوتے ہیں:

ایک وہ جو محض سماوی امور ہوتے ہیں، جن میں انسان کی تدبیر اور عقل کو کچھ دخل نہیں ہوتا۔ جیسے شق القمر جو ہمارے سید و مولے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔ اور خدائے تعالیٰ کی غیر محدود قدرت نے ایک راست باز اور کامل نبی کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے اس کو دکھایا تھا۔ انتہی

مرزا صاحب کا قول قابل تضحیکِ فلاسفہ

اور اس کے بہت سے نظائر ان کی کتابوں میں موجود ہیں۔ یہاں کلام اس میں تھا کہ تعجب نہیں مرزا صاحب رؤیت عینی کو بھی مان لیں کیونکہ اس سے کوئی ان کا حرج نہیں۔ البتہ حرکت جسمانی کو وہ اس خیال سے محال سمجھتے ہیں کہ کہیں معراج کے ضمن میں عیسی بھی آسمان پر نہ چڑھ جائیں۔ مگر رؤیت عینی کو اگر مان لیں تو کہا جائے گا کہ علم، مناظر و مرایا میں ثابت کیا گیا ہے کہ مرئی رائی سے اس قدر دور ہو کہ اس کی نسبت اس بعد کی طرف ایسی ہو؛ جیسے ایک کی نسبت پانچ ہزار تین سو کی طرف ہے تو وہ شی نظر نہ آئے گی۔ اس صورت میں مرزا صاحب کے اس قول پر بھی حکماء ہنسیں گے جس کا ان کو بہت خوف ہے۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام (ص ۱۴۶) میں لکھتے ہیں:

''کہ مسیح کے بارے میں یہ بھی سوچنا چاہئے کہ کیا طبعی اور فلسفی لوگ اس خیال پر نہیں ہنسیں گے کہ جب کہ تیس یا چالیس ہزار فٹ تک زمین سے اوپر کی طرف جانا موت کا موجب ہے تو حضرت مسیح اس جسم عنصری کے ساتھ آسمان تک کیونکر پہونچ گئے۔ انتہی

میری رائے میں اس فکر کی ضرورت نہیں۔ اگر طبعی اور فلسفی لوگ یہ سن لیں گے کہ مہینوں کی راہ سے چھوٹی چھوٹی چیزوں کا آنکھوں سے دیکھ لینا اور انگشت کے اشارہ سے آسمان پر چاند کے دو ٹکڑے کر دینا وقوع میں آ گیا ہے تو ایسی حیرت اور پریشانی میں پڑ جائیں گے کہ عیسی علیہ السلام کے عروج پر ہنسنے کی نوبت ہی نہ آئے گی۔

غرض عجائب قدرت کو شب معراج اپنے مقام میں بیٹھے ہوئے دیکھنا نہ عقلاً ثابت ہوسکتا ہے نہ نقلاً اور اگر معجزہ کے طور پر تسلیم بھی کر لیا جائے تو قرآن کے خلاف ہوتا ہے۔

کیونکہ حق تعالی فرماتا ہے: "سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ" اس سے تو صراحۃً حضرت کو لے جانا ثابت ہے۔ پھر اگر لے جانا روحانی اور رؤیت جسمانی ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت کی روح مبارک بیت المقدس بلکہ آسمانوں پر گئی اور جسمانی آنکھیں بغیر روح کے مکہ میں پڑی دیکھ رہی تھیں۔ اور نیز اس تقدیر پر لفظ "اَسۡرٰی" بے معنی ہوئے جاتا ہے۔ وہاں تو "توفی" کے معنی پورے صادق آجاتے ہیں۔ کیونکہ حق تعالی فرماتا ہے: "اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الۡاَنۡفُسَ حِیۡنَ مَوۡتِہَا وَالَّتِیۡ لَمۡ تَمُتۡ فِیۡ مَنَامِہَا ۚ فَیُمۡسِکُ الَّتِیۡ قَضٰی عَلَیۡہَا الۡمَوۡتَ وَیُرۡسِلُ الۡاُخۡرٰۤی" (الزمر ۴۲) جس کا مطلب یہ کہ نیند بھی ایک قسم کی وفات ہے جس میں روح قبض کی جاتی ہے اور پھر چھوڑ دی جاتی ہے۔ پھر یہ بھی ثابت کرنے کی ضرورت ہوگی کہ بغیر روح کے بھی آنکھوں کو ادراک ہوسکتا ہے جو اس معراج میں مقصود بالذات تھا۔ **کما قال تعالی: "لنریہ من ایاتنا"**

شاید یہاں یہ کہا جائے گا کہ آیت شریفہ "وَمَا جَعَلۡنَا الرُّءۡیَا" کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ محققین، محدثین، مفسرین نے تصریح کی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ترجمان القرآن ہونا مسلم ہے۔ اس لئے بہ نسبت اور تفسیروں کے ان کی تفسیر زیادہ تر قابل قبول ہے۔ اور مرزا صاحب کی تقریر سابق سے بھی یہی امر مستفاد ہے۔ پھر وہ روایت بھی کوئی ضعیف نہیں بلکہ بخاری وغیرہ کتب صحاح میں موجود ہے۔ اور مرزا صاحب بھی بخاری اور مسلم کی صحت اور قابل استدلال ہونے کے قائل ہیں۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام (ص ۸۸۴) میں لکھتے ہیں:

"کہ اگر بخاری اور مسلم کی صحت کا قائل نہ ہوتا، تو میں اپنی تائید دعوی میں کیوں بار باران کو پیش کرتا؟" انتہی

غرض کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر اور بخاری شریف کی روایت دونوں مرزا صاحب کے مسلمات سے ہیں اور ان سے معراج جسمانی ثابت ہوگئی۔ **وھو المقصود۔**

معراج کے مسئلہ پر مرزا صاحب کے اعتراض اور اس کے جواب

کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی قدر اعتراض کیا تھا کہ اگر آپ بیت المقدس جا کر آئے ہیں تو وہاں کی نشانیاں بتلائیے۔ پھر جب نشانیاں بتلائی گئیں تو اور کوئی اعتراض ان کو نہ سوجھا۔

سوائے اس کے کہ عناد کی راہ سے ساحر کہد یا۔مگر مرزا صاحب چونکہ پڑے ہوئے اورفہم وذکا میں ان سے بھی بڑے ہوئے ہیں اس لئے انہوں نے اس مسئلہ میں ضرورت سے زیادہ موشگافیاں کرکے ایسے اعتراضات قائم کئے کہ اب تک کسی کو سوجھے نہ تھے۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام (ص ۹۳۲) میں لکھتے ہیں:

''کہ معراج کی حدیثوں میں سخت تعارض ہے۔کسی حدیث میں ہے کہ چھت کو کھول کر جبرئیل آئے، اور میرے سینہ کو کھولا، پھر ایک سونے کا طشت لایا گیا؛ جس میں حکمت اور ایمان بھرا ہوا تھا۔سو وہ میرے سینے میں ڈالا گیا۔ پھر میرا ہاتھ پکڑ کر آسمان کی طرف لے گیا۔مگر اس میں یہ نہیں لکھا کہ وہ طشت طلائی جو عین بیداری میں ملا تھا کیا ہوا؟ اور کس کے حوالے کیا گیا؟

اور کسی حدیث میں' میں بیت اللہ کے پاس خواب اور بیداری کے درمیان میں تھا اور تین فرشتے آئے اور ایک جانور بھی لایا گیا۔اور کسی میں براق کا کوئی ذکر نہیں۔اور کسی میں ہے کہ میں حطیم میں تھا یا حجرہ میں لیٹا ہوا تھا۔اور کسی میں ہے بعثت کے پہلے یہ واقعہ ہوا۔اور بغیر براق کے آسمان پر گئے۔اور آخر میں آنکھ کھل گئی۔

اور ان پانچوں واقعوں میں لکھا ہے کہ معراج کے وقت پہلے پچاس نمازیں مقرر ہوئیں اور بعد تخفیف پانچ منظور کرائیں۔اور ترتیب رؤیت انبیا میں بڑا اختلاف ہے۔انتہی ملخصاً

یہ جتنی باتیں مرزا صاحب نے لکھی ہیں بے شک بخاری کی احادیث میں موجود ہیں۔باوجود اس کے کسی مسلمان کا ذہن ان کے ابطال کی طرف منتقل نہ ہوا۔اور صحابہ کے زمانہ سے آج تک باوجو ان روایات متعارضہ کے وجود معراج پر اجماع ہی رہا۔اس لئے کہ جب یقینی طور پر کوئی چیز ثابت ہوجاتی ہے۔تو اس کے عوارض میں اختلاف ہونے سے اس یقین پر کوئی اثر پڑ نہیں سکتا۔مگر چونکہ مرزا صاحب کو اپنی عیسویت ثابت کرنے کی غرض سے اس کے ابطال کی ضرورت ہے؛ اس لئے جن امور میں اغماض ہورہا تھا، ان کو ظاہر کردیا۔تا کہ ضعیف الایمان لوگوں کو اصل معراج ہی میں شک پڑ جائے۔ بہت خیر گذری کہ مرزا صاحب احادیث ہی میں تعارض پیدا کرنے کے درپے ہوئے۔ اگر قرآن کی طرف توجہ کرتے؛ تو اس قسم کے بہت سارے اعتراض اس میں بھی پیدا کردیتے۔

ایک موسی علیہ السلام ہی کا قصہ دیکھ لیجئے کہ حق تعالی کہیں فرماتا ہے کہ: موسی کو فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا۔ کما قال تعالی: "ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ" (الاعراف: ۱۰۳) اور کہیں فرماتا ہے کہ صرف قوم فرعون کی طرف بھیجا: "کما قال وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَوْمَ فِرْعَوْنَ" (الشعراء)

اور کہیں فرماتا ہے کہ: انہیں کی قوم کی ہدایت کو بھیجا: کما قال تعالی: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (ابراھیم: ۵)

کہیں فرماتا ہے کہ موسی اور ہارون کو بھیجا: کما قال تعالی "فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝" (الشعراء)

اور کہیں فرماتا ہے صرف موسی کو بھیجا: "کما قال وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝" (الشعراء) کہیں فرماتا ہے کہ: موسی نے ساحروں سے ابتدأ فرمایا کہ جو تم کو ڈالنا منظور ہو ڈال دو:

کما قال تعالی "قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ۝" (سورۃ الشعرائ: آیت: ۴۳) اور کہیں فرماتا ہے کہ پہلے ساحروں نے اس بات میں تحریک کی: کما قال تعالی "قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ۝" (الاعراف) کہیں فرماتا ہے کہ فرعون کی قوم کو ڈبو دیا: کما قال تعالی "ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝" (الصّٰفّٰت) اور کہیں فرماتا ہے کہ فرعون اور اس کے لشکر کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا: کما قال "فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ" (الذاریت: ۴۰)

اور اس کے نظائر قرآن میں بکثرت ہیں ہر چند یہ ظاہر میں اختلاف معلوم ہوتا ہے، مگر کیا کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ موسی علیہ السلام کا واقعہ تعارض کی وجہ سے قابل اعتبار نہیں۔ نعوذ باللہ من ذلک ممکن نہیں کہ اہل ایمان کے دل میں اس تعارض کا ذرا بھی اثر ہو، یا اس کو تعارض سمجھیں۔ ادنی تامل سے یہ بات معلوم ہوسکتی ہے کہ شارع کو واقعات بیان کرنے سے کہانی مقصود نہیں ہوتی کہ جب بیان کی جائے، پوری بیان کی جائے۔ بلکہ وہاں ہر بیان میں ایک مقصود خاص پیش نظر ہوا کرتا ہے۔ پھر متعدد بیانوں سے پورا قصہ بھی معلوم ہوجاتا ہے۔

اب معراج کے قصہ میں غور کیجئے جس کو خدائے تعالیٰ کی قدرت پر ایمان ہو؛ کیا اس کو ان امور میں جو اس میں مذکور ہیں کچھ تامل ہوگا؟ یا جیسے موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں متفرق امور مربوط ومرتب کئے جاتے ہیں یہاں ممکن نہیں؟ کیا یہ تصدیق ممکن نہیں کہ خدائے تعالیٰ نے کسی مصلحت سے چھت کھول کر فرشتوں کو حضرت کے مکان میں اتارا ہو، اور پھر چھت کو ملا دیا ہو؟ جس میں ظاہرا ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ اجسام کی خرق والتیام کا پہلے ہی سے حضرت کو مشاہدہ ہو جائے اور شق صدر کے وقت کسی قسم کا تردد نہ ہو۔ اور آسمانوں کے خرق والتیام کا استبعاد بھی جاتا رہے۔ کیا یہ محال ہے کہ فرشتوں نے حضرت کو گھر سے مسجد میں اس غرض سے لایا ہو کہ معراج اس متبرک مقام سے ہو، اور تھوڑی دیر آپ آرام فرمانے کے بعد وقت مقرر پر جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو جگایا ہو؟

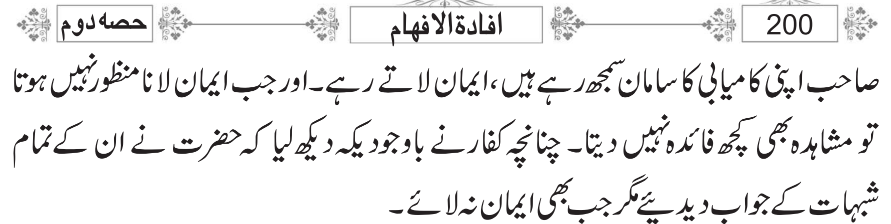
اور کیا جبرئیل علیہ السلام کو سونے کا طشت ملنا محال تھا یا یہ محال سمجھا گیا کہ اتنا بوجا اٹھا کر وہ یا ان کے ساتھ کے فرشتے آسمان پر کیسے چڑھ گئے؟ اور یہ تو کسی حدیث میں نہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے حضرت کو وہ طشت ہبہ کر دیا تھا، پھر مرزا صاحب جو اس سونے کے طشت کی تلاش کرتے ہیں؛ کہ جو بیداری میں ملا تھا کیا ہوا؟ اور کس کے حوالہ کیا گیا؟

معلوم نہیں کس خیال پر مبنی ہے۔ جب طشت کا آسمان پر اٹھایا جانا مرزا صاحب کی سمجھ سے باہر ہے؛ تو فی الواقع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں پر جانا ہرگز ان کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔

سچ تو یہ ہے کہ ایسی خلاف عادت اور خلاف عقل باتوں پر ایمان لانا ہر کسی کا کام نہیں جب تک فضل الٰہی شامل حال نہ ہو ممکن نہیں کہ آدمی خدا اور رسول کے ارشادات پر ایمان لا سکے۔

چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: ”بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾“ (الحجرات) یعنی بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان کا راستہ دکھایا، بشرطیکہ تم دعوئے اسلام میں سچے ہو۔

اگر آدمی کو ایمان لانا منظور ہو تو قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کو پیش نظر رکھ کر اور اپنے قصور فہم کا اعتراف کر کے ایمان لا سکتا ہے۔ جیسے کروڑ ہا مسلمان باوجود ان تمام مضامین مذکورہ کے جن کو مرزا



صاحب اپنی کامیابی کا سامان سمجھ رہے ہیں، ایمان لاتے رہے۔اور جب ایمان لانا منظور نہیں ہوتا تو مشاہدہ بھی کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ چنانچہ کفار نے باوجودیکہ دیکھ لیا کہ حضرت نے ان کے تمام شبہات کے جواب دیدیئے مگر جب بھی ایمان نہ لائے۔

تقریر بالا میں اگرغور کیا جائے تو مرزا صاحب کے اکثر شبہات کے جواب ہو گئے۔ مثلاً :بعض احادیث معراج میں براق کا نام چھوٹ گیا اور بعضوں میں ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں پہلے آرام فرمانا۔اور بعضوں میں حطیم کا ذکر۔اور بعضوں میں جبرئیل علیہ السلام کا حضرت کو جگانا ترک ہو گیا۔اس کی مثال ایسی ہے جیسے موسی علیہ السلام کے واقعات کی ہر آیت میں بعض بعض امور فروگذاشت کئے گئے۔ باوجود اس کے تعارض کا احتمال بھی نہیں ہوسکتا۔البتہ بعض روایات میں جو وارد ہے کہ معراج قبل بعثت ہوئی ،وہ خلاف واقع ہے۔ بجائے قبل ہجرت قبل بعثت کہا گیا ہے۔ جیسے متعدد احادیث سے اور اجماع سے ثابت ہے۔مگر اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ مرزا صاحب کی بعض تحقیقات سے مستفاد ہے کہ کبھی موخر چیز مقدم بھی کہی جاتی ہے۔ چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ ”انی متوفیک و رافعک“میں تقدیم وتاخیر ممکن نہیں جس ترتیب سے حق تعالی نے بیان فرمایا ہے وہی واقعی ہے اور جو لوگ کہتے ہیں کہ پہلے رفع ہوا اور وفات بعد ہو گی وہ اپنے لئے خدا کی استادی کا منصب تجویز کرتے ہیں۔نعوذ باللہ من ذلک اس کا مطلب ظاہر ہے کہ جو ترتیب لفظی واؤ کے ساتھ ہوتی ہے مرزا صاحب کے نزدیک وہ واقع کے مطابق ہوتی ہے۔یعنی واؤ بھی ترتیب کے لئے ہے اس قاعدہ کے بنا پر ثابت ہوتا ہے کہ عیسی علیہ السلام پہلے تھے اور ان کے بعد ایوبؑ یونسؑ ہارونؑ اور سلیمان علیہم السلام وجود میں آئے۔ کیونکہ حق تعالی فرماتا ہے:”وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ“(سورۃ النساء:۱۶۳)

جب بحسب تحقیق مرزا صاحب اس آیت شریفہ میں اشارۃ النص سے یہ ثابت ہوا کہ گویا حق تعالی فرماتا ہے کہ عیسی پہلے تھے اور ایوب وغیرہ بعد۔ حالانکہ توریت وانجیل واحادیث وغیرہ سے عیسی علیہ السلام کی بعدیت یقینا ثابت ہے اس بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ راوی نے اسی طرح

معراج کو بعثت پر مقدم بیان کیا۔ جیسے عیسیٰ علیہ السلام ایوب و یونس و ہارون علیہم السلام پر مقدم بیان کئے گئے۔ جس سے نہ کذب لازم آتا ہے نہ خلاف واقع خبر دینے کا الزام۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اسلام میں معراج ایک ایسا مشہور واقعہ ہے کہ ابتدا سے آج تک ہر کسی کے زبان زد ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ جس واقعہ کی کیفیت طولانی ہو اور اس کے بیان کرنے والے بکثرت ہوں تو بعض امور میں ضرور اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ مگر اس اختلاف جزئی سے اصل واقعہ کے ثبوت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ بلکہ ہر فریق اس واقعہ کے وجود پر گواہ سمجھا جائے گا۔ دیکھئے جو لوگ قائل ہیں کہ معراج قبل بعثت ہوا وہ بھی معراج کے ایسے ہی مثبت ہیں جیسے بعد بعثت کے قائلین۔ ہاں یہ کہا جائے گا کہ کسی نے تاریخ میں غلطی کی ہے جو اصل واقعہ سے خارج ہے۔ پھر وہ غلطی بھی دوسرے قرائن سے نکل سکتی ہے۔

جیسا کہ خفاجی رحمہ اللہ نے شرح شفاء قاضی عیاض رحمہ اللہ میں لکھا ہے کہ: بہت سی روایتوں اور اتفاق جمہور اور اجماع سے ثابت ہے کہ معراج بعد بعثت اور قبل ہجرت ہوا ہے۔ اس لئے قبل بعثت کی روایت قابل تاویل ہے۔

اصل منشا اس قسم کے اختلافوں کا یہ ہے کہ اوائل اسلام میں ہر امر میں مقصود بالذات پیش نظر رہا کرتا۔ اور اسی کا پورا پورا اہتمام ہوا کرتا تھا۔ اور جن امور کو مقصود میں چنداں دخل نہیں ان کے یاد رکھنے میں بھی چنداں اہتمام نہ ہوتا۔ اس بات کا ثبوت اس سے ہوسکتا ہے کہ فی زماننا ادنی ادنی شیوخ ومشائخین کی تواریخ وفات وغیرہ میں کس قدر اہتمام ہوتا ہے کہ روز تو کیا وقت تک محفوظ (وملحوظ) رکھا جاتا ہے۔ بخلاف اس کے وہاں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف میں اختلاف پڑا ہوا ہے۔ کسی روایت میں دوسری ربیع الاول کی ہے اور کسی میں تیرہویں اور کسی میں چودھویں۔ اسی طرح بعثت کے وقت میں بھی بڑا ہی اختلاف ہے کسی روایت میں ہے کہ: اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف برابر چالیس سال کی تھی۔ کسی میں ہے کہ: ایک روز زیادہ ہوا تھا۔ اور کسی میں زیادتی دس روز کی۔ اور کسی میں دو مہینے کی۔ کسی میں تین برس کی۔ اور کسی میں پانچ سال کی لکھی ہے۔

اور سال ہجرت میں بھی بڑا اختلاف ہے بخاری میں ہے کہ: نبوت سے تیرہ برس کے بعد ہجرت ہوئی۔ اور مسلم میں: پندرہ برس کے بعد۔ اور مسند امام احمد اور نیز بخاری میں: دس برس کے بعد۔ جیسا کہ مواہب اللدنیہ اور زرقانی میں لکھا ہے۔

الحاصل واقعات کی تاریخ اس زمانہ میں چنداں ضروری نہیں سمجھی جاتی تھی اسی وجہ سے صحابہ اور تابعین نے تاریخ معراج کی تحقیق میں کوشش نہ کی۔ اور یہ سمجھ لیا کہ مقصود بالذات معراج ہے۔ خواہ قبل بعثت ہو یا بعد بعثت اس کا وقوع ضرور ہوا۔

مرزا صاحب کے جرحی سوالوں کے لحاظ سے ایک معراج ہی کیا، نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ثابت ہوگی، نہ ہجرت وغیرہ۔ سیرۃ حلبیہ میں امام عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چونتیس بار معراج ہوئی۔ ایک حالت بیداری میں جسم کے ساتھ اور باقی روحانی۔ اور تفسیر روح البیان میں لکھا ہے: "قال الشیخ الاکبر: الأظهر ان معراجه علیه السلام أربع و ثلاثون مرة: واحدة بجسده و الباقی بروحه" یعنی شیخ محی الدین عربی رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے کہ معراج چونتیس بار ہوئی۔ ایک بار بیداری میں، باقی روحانی۔ اس صورت میں جو معراج قبل بعثت ہوئی تھی اور جن معراجوں کا خواب میں ہونا معلوم ہوتا ہے وہ سب روحانی معراجوں میں داخل ہیں۔ اور اس پر یہ قرینہ بھی ہے کہ قبل بعثت معراج ہونے کی حدیث جو بخاری کے (صفحہ ۱۱۲) میں ہے اس میں یہ الفاظ موجود ہیں: "انه جاءه ثلاثة نفر قبل ان یوحی الیه و هو نائم فی المسجد"

اور اسی کے آخر میں "فاستیقظ و هو فی المسجد الحرام" موجود ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ: حضرت مسجد میں آرام فرماتے تھے اس وقت تین فرشتے خواب میں آئے اور سب واقعہ دیکھنے کے بعد حضرت بیدار ہو گئے اور یہ واقعہ قبل نزول وحی ہوا۔ انتہی

اس حدیث کے سوا ان پانچوں حدیثوں میں جن کو مرزا صاحب نے ذکر کیا ہے اس صراحت سے کسی میں خواب مذکور نہیں۔ البتہ صفحہ ۴۵۵ کی حدیث میں "بین النوم و الیقظة" مذکور ہے۔ مگر اس کے آخر میں "فاستیقظ" یا اس کا مرادف کوئی لفظ نہیں۔ جس سے معلوم ہو کہ وہ حالت آخر تک

مستمر رہی۔ کیونکہ اس میں تو صرف ابتدائے حالت کا ذکر ہے کہ غنودگی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ بیدار مغز ادنی حرکت سے چونک پڑتے ہیں۔

یہاں مرزا صاحب یہ اعتراض ضرور کریں گے کہ خواب کی حدیث میں بھی وہی مضمون ہے جو بیداری میں معراج ہونے کی حدیثوں میں ہے اور اس میں بھی پچاس وقت کی نمازیں ابتداءً فرض ہونا اور بعد کمی کے پانچ مقرر ہونا موجود ہے جس سے یہ لازم آتا ہے کہ نمازیں دو وقت فرض ہوئیں۔ مگر اس کا جواب ادنی تامل سے معلوم ہوسکتا ہے کہ جب قبل بعثت نبوت ملی ہی نہ تھی تو اس کے لوازم اور کسی چیز کا فرض ہونا کیسا؟ وہ خواب تو صرف تمہیداً دکھایا گیا تھا کہ آئندہ ایسی خصوصیات اور وہ وہ فضائل حاصل ہونے والے ہیں جو کسی کو نصیب نہ ہوئے۔ جس کے دیکھنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خاص توقع اور اشتیاق پیدا ہوگیا۔ اور یہ تو کتب تاریخ سے بھی واضح ہے کہ سلاطین وغیرہم جن کو معمولی مدارج حاصل ہونے والے ہوتے ہیں ان کو عالم رؤیا میں اکثر اطلاع ہوجاتی ہے۔ چنانچہ اس قسم کے خواب رسالہ (عجیب وغریب خواب) میں بہت سے مذکور ہیں۔ اور اس خواب سے بہت بڑا نفع یہ بھی ہوا کہ جب بیداری میں حضرت تشریف لے گئے تو کسی مقام سے اجنبیت اور ناآشنائی نہ رہے، جو باعث توحش ہو۔ پھر خواب فقط معراج ہی کے پہلے نہیں بلکہ ہجرت وغیرہ کے پہلے بھی ہوا تھا۔

حدیث ذھب و ھلی کے اعتراض کا جواب

جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے: ”عن ابی موسی رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: رأیت فی المنام أنی أهاجر من مكة الى أرض بها نخل فذهب وهلی الى أنها اليمامة أو هجر فاذاهی المدينة يثرب۔ متفق عليه“ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: میں نے خواب دیکھا تھا کہ مکہ سے ہجرت کرکے اس طرف جارہا ہوں جہاں نخلستان ہے۔ اس وقت میرا خیال یمامہ اور ہجر کی طرف گیا۔ پھر یکا یک جو دیکھا تو وہ مدینہ یثرب تھا۔ مقصود یہ کہ ہجرت کا واقعہ قبل ہجرت معلوم کرایا گیا۔ اور مقام ہجرت بھی دکھلایا گیا۔ مگر چونکہ حضرت نے پیشتر مدینہ طیبہ کو غالباً دیکھا نہ تھا۔ اور یمامہ اور ہجر کا نخلستان مشہور تھا۔ اس سبب سے خیال ان شہروں کی طرف منتقل ہوا۔ مگر ساتھ ہی معلوم ہوگیا کہ وہ مدینہ ہے۔

الحاصل جس طرح ہجرت سے پہلے ہجرت خواب میں ہوئی اسی طرح معراج سے پہلے معراج خواب میں ہوئی۔ اب اہل اسلام اس بات پر بھی غور کرلیں کہ کیا اس حدیث ہجرت میں کوئی ایسی بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلطی پکڑی جائے؟ مگر چونکہ مرزا صاحب اسی فکر اور تلاش میں رہتے ہیں کہ حضرت کی غلطیاں پکڑیں۔ ان کو یہاں اتنا موقع مل گیا کہ حضرت نے (ذھب وھلی) فرمایا: جس کے معنی وہم وخلاف واقع ہیں۔ پھر کیا تھا جھٹ سے غلطی ثابت ہی کردی۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام (ص ۶۸۹) میں لکھتے ہیں: وہ حدیث جس کے یہ الفاظ ہیں ”فذھب وھلی الی أنہ الیمامۃ أو ھجر فاذا ھی المدینۃ یثرب“ صاف صاف ظاہر کررہی ہے کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اجتہاد سے پیشگوئی کا محل ومصداق سمجھا تھا وہ غلط نکلا۔ انتہی

غور کیجئے کہ حضرت نے کب پیش گوئی کا دعوی کیا تھا کہ میں مکہ چھوڑ کر یمامہ یا ہجر جاؤں گا۔ بلکہ وہ تو برسبیل حکایت فرمایا کہ خواب میں نخلستان دیکھ کر ہجر کا خیال تو ہوا تھا مگر اسی وقت وہ مدینہ ثابت ہوا جو ”فاذا ھی المدینۃ“ سے ظاہر ہے۔ اس سے تو کمال درجہ کا صدق ثابت ہورہا ہے کہ خدائے تعالی نے اس خیال کو جو خواب میں پیدا ہوا تھا خواب ہی میں فوراً بدل دیا، تاکہ وہ خواب اگر پیش گوئی کے لباس میں سمجھا جائے تو بھی اس غلطی کا احتمال باقی نہ رہے۔ مگر افسوس ہے کہ مرزا صاحب کو حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلطی پکڑنے کی خوشی میں اپنی غلط فہمی پر نظر نہ پڑی اور مصرعہ: ”عیب نماید ہنرش درنظر“ کا مضمون صادق کر بتایا۔

یہ ضمنی بحث تھی کلام اس میں تھا کہ قبل وقوع واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں اطلاع ہوجاتی تھی اس پر یہ حدیث بھی دلیل ہے: ”عن عائشۃ رضی اللہ عنھا قالت: اول مابدئ بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرؤیا الصالحۃ فی النوم وکان لا یری رؤیا الا جائتہ مثل فلق الصبح۔ رواہ البخاری“ یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”کہ ابتدا وحی کی رؤیائے صالحہ سے ہوئی۔ جو کچھ حضرت خواب میں دیکھتے اس کا ظہور روشن طور پر ہوتا۔ جس میں کوئی اشتباہ نہ رہتا۔ چنانچہ معراج کے واقعہ میں بھی ایسا ہی ہوا کہ جو واقعات خواب میں دیکھے تھے؛ بلاکم وکاست بیداری میں بھی ملاحظہ فرمالیا۔



ارواح متعدد مقامات میں رہ سکتی ہیں

مرزا صاحب جو لکھتے ہیں کہ مقامات انبیاء میں بڑا ہی اختلاف ہے؛ اس کا جواب تقریر بالا سے واضح ہے کہ نفس معراج میں ان امور کو کوئی دخل نہیں، بلکہ یہ کل روایات مثبت معراج ہیں۔ البتہ اس اختلاف کا اثر نفس مقامات پر پڑے گا۔ جس سے یقینی طور پر یہ ثابت نہ ہوگا کہ کس نبی کا کون سا مقام ہے۔ اور وہ کوئی ضروری بات بھی نہیں۔ اسی وجہ سے راویوں نے اس کے یاد رکھنے میں اہتمام نہ کیا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ مقامات انبیاء کا مسئلہ من جملہ اسرار اور ایک لا یدرک بھید ہے اسی وجہ سے بعض متکلمین نے اس میں کلام کرنے کو مناسب نہیں سمجھا۔ جیسا کہ شہاب خفاجی رحمہ اللہ نے شرح شفا میں لکھا ہے۔ امام شعرانی رحمہ اللہ نے کتاب الیواقیت والجواہر میں لکھا ہے: ''کہ معراج کے کئی فوائد ہیں ایک یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جسم کو آن واحد میں دو مکانوں میں دیکھ لیا۔ چنانچہ حضرت جب پہلے آسمان پر گئے آدم علیہ السلام کو دیکھا کہ ان کے داہنے طرف ان کی نیک بخت جنتی اولاد ہے۔ اور بائیں طرف بد بخت دوزخی ہیں۔ حضرت نے اپنی صورت نیک بخت جماعت میں دیکھ کر شکر کیا۔ اور نیز موسی علیہ السلام کو دیکھا کہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں پھر انہیں کو دیکھا کہ آسمان پر بھی موجود ہیں اور یہ نہیں فرمایا کہ: ان کی روح کو دیکھا۔ انتہی ملحضاً

اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ جو اختلاف انبیاء علیہم السلام کے مقامات میں وارد ہے؛ وہ راویوں کی غلطی نہ تھی، بلکہ فی الواقع متعدد مقامات ہی میں دیکھے گئے تھے۔ اور یہ کوئی مستبعد بات نہیں۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے ایک مستقل رسالہ جس کا نام ''**المنجلی فی تطور الولی**'' ہے، صرف اس مسئلہ میں لکھا ہے کہ اولیاء اللہ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ آن واحد میں متعدد مقامات میں ظاہر ہو سکتے ہیں۔ اور سبب تالیف یہ لکھا ہے کہ شیخ عبد القادر طحطوطی رحمہ اللہ ایک شب کسی شخص کے مکان میں رہے اس نے ایک مجلس میں شیخ کی شب باشی کا ذکر کیا، مجلس سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ وہ تو تمام رات میرے گھر میں تھے۔ ان دونوں میں ردوقدح کی نوبت یہاں تک پہونچی کہ ہر

ایک نے قسم کھائی کہ اگر وہ بزرگ میرے گھر میں رات بھر نہ رہے ہوں، تو میری زوجہ پر طلاق ہے۔ جب شیخ سے پوچھا گیا تو انھوں نے دونوں کی تصدیق کی۔ اور کہا کہ اگر: چار شخص کہیں کہ میں ان کے ساتھ مختلف مقامات میں وقت واحد میں رہا، جب بھی تصدیق کرلو۔

امام سیوطی رحمہ اللہ کے پاس جب یہ مسئلہ پیش ہوا تو انھوں نے یہ فتوی دیا کہ کسی کی زوجہ پر طلاق نہیں پڑی اور کئی وقائع اور متقدمین علماء کے فتوی استدلال میں پیش کئے، جن سے ظاہر ہے کہ اولیاء اللہ کو یہ قدرت دی جاتی ہے کہ جب چاہیں وقت واحد میں متعدد مقامات میں ظاہر ہوسکیں۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ مسند امام احمد اور نسائی وغیرہ میں یہ روایت ہے کہ جب کفار نے بطور امتحان مسجد کی نشانیاں حضرت سے پوچھیں تو مسجد وہاں موجود ہوگئی۔ جس کو دیکھ دیکھ کر حضرت ان کے جواب دیتے گئے۔ کما ذکروا: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: **فذھبت أنعت حتی التبس علیّ بعض النعت فجیء بالمسجد و انا انظر حتی وضع دون دار عقیل او عقال**" یہ حدیث پوری اوپر مذکور ہے۔

امام سیوطی رحمہ اللہ اس حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ یہ بھی اسی قسم کی بات ہے۔ کیونکہ اصل مسجد اپنی جگہ سے ہٹی نہ تھی۔ اور یہاں بھی موجود تھی۔ جس کو حضرت ان الفاظ سے تعبیر فرماتے ہیں:

"**فجیء بالمسجد حتی وضع دون دار عقیل**" اور تفسیر روح البیان میں امام شعرانی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ شیخ محمد خضری رحمہ اللہ نے ایک ہی روز پچاس شہروں میں جمعہ کا خطبہ پڑھا، اور امامت کی۔ روض الریاحین اور کتب طبقات اولیاء اللہ سے ظاہر ہے کہ اس مسئلہ پر اولیاء اللہ کا اجماع ہے۔

غور کیا جائے کہ جب اولیاء اللہ کو اس عالم کثیف میں یہ قدرت حاصل ہو کہ وقت واحد میں متعدد جگہ موجود ہوسکتے ہیں۔ اور مسجد دو جگہ آن واحد میں موجود ہوگئی، تو انبیاء علیہم السلام کو اس عالم لطیف میں وہ قدرت حاصل ہونا کون سی بڑی بات ہے۔

غرض کہ انبیاء علیہم السلام کا مختلف مقامات میں حضرت سے ملنا گو بظاہر تعارض کی شکل میں نمایاں ہے، لیکن واقع میں وہ تعارض نہیں۔ البتہ متوسط عقول اس کے سمجھنے میں قاصر ہیں، مگر غنیمت یہ

ہے کہ مرزا صاحب اس قسم کے اسرار کے قائل ہیں۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام (ص ۴۴۰) میں لکھتے ہیں:

''کہ درحقیقت تمام ارواح کلمات اللہ ہی ہیں، جو ایک لا یدرک بھید کے طور پر ہے جس کی تہ تک انسان کی عقل نہیں پہونچ سکتی، روحیں بن گئی ہیں۔ کلمات اللہ ہی بحکم ربی لباس ارواح کا پہن لیتے ہیں اوران میں وہ تمام طاقتیں اور قوتیں اور خاصیتیں پیدا ہو جاتی ہیں؛ جو روحوں میں پائی جاتی ہیں۔ پھر وہ روح کی حالت سے باہر آ کر کلمۃ اللہ ہی بن جاتی ہیں۔ اور ہمارے ظاہر بین علماء اپنے محدود خیالات کی وجہ سے کلمات طیبہ سے مراد محض عقائد یا اذکار واشغال رکھتے ہیں۔ انتہی

کلمات کا ارواح بن جانا نہ کہیں قرآن میں ہے، نہ حدیث میں، باوجود اس کے جب وہ لا یدرک بھید قابل تصدیق ہے؛ تو ارواح کا متعدد مقامات میں ہونا جو صراحۃً احادیث سے ثابت ہے؛ لا یدرک بھید قابل تصدیق کیوں نہ ہو۔

اور جب کسی جسم کا متعدد مقامات میں آن واحد میں ہونا احادیث صحیحہ اور اجماع اولیاء اللہ سے مستبعد نہ ہو تو ارواح مقدسہ کا متعدد مقامات میں پایا جانا کیوں مستبعد ہو؟

الحاصل بعض انبیاء کی ارواح متعدد آسمانوں میں پایا جانا جو احادیث میں وارد ہے، ایسی بات نہیں ہے کہ اس کے سمجھ میں نہ آنے کی وجہ سے بخاری شریف بے اعتبار کر دی جائے یا معراج ہی کا انکار کر دیا جائے۔ اگر قصور فہم کی وجہ سے یہ طریقہ اختیار کیا جائے تو قرآن شریف کا ایک معتد بہ حصہ نعوذ باللہ بے کار اور بے اعتبار ہو جاتا ہے۔

ایک تخت بلقیس ہی کا واقعہ دیکھ لیا جائے کہ کس قدر حیرت انگیز ہے، ایک بڑا شاندار تخت شاہی صدہا کوس کے فاصلہ سے ایک لمحہ میں صحیح سالم سلیمان علیہ السلام کے پاس پہونچ جانا، کیا معمولی عقلوں میں آ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ شہاب خفاجی رحمہ اللہ نے شرح شفائے قاضی عیاض میں لکھا ہے کہ: جس قدر مسافت مکہ معظّمہ سے بیت المقدس کی ہے اس سے زیادہ مسافت کو اس تخت نے طرفۃ العین میں طئے کیا۔

حق تعالی فرماتا ہے: ''قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۚ'' (سورۃ

النمل: آیت: ۴۰) ترجمہ! ایک شخص جس کو کتابی علم تھا بولا کہ آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے میں تخت کو آپ کے حضور میں لا حاضر کرتا ہوں۔ انتہی کیا ممکن ہے کہ کوئی مسلمان اس تخت کی غیر معمولی سرعت سیر میں کلام کر سکے؟ پھر حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی سرعت سیر وغیرہ میں کلام کرنا کیسی بات ہے؟ ایماندار سے تو یہ ہرگز ممکن نہیں۔

م تقریباً کل صحابہ معراج جسمانی کے قائل تھے

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام (ص ۲۸۹) میں لکھتے ہیں کہ: باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفع جسمی کے بارے میں یعنی اس بارہ میں کہ وہ جسم کے سمیت شب معراج میں آسمان کی طرف اٹھائے گئے تھے تقریباً تمام صحابہ کا یہی اعتقاد تھا، لیکن پھر بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات کو تسلیم نہیں کرتیں اور کہتے ہیں کہ رویائے صالحہ تھی۔ انتہی

اس تقریر سے دو باتیں معلوم ہوئیں: ایک یہ کہ تقریباً کل صحابہ معراج جسمانی کے قائل تھے۔ دوسری یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی منکر تھیں۔

کتب رجال وغیرہ سے ثابت ہے کہ صحابہ ایک لاکھ سے زیادہ تھے۔ لفظ تقریباً کے لحاظ سے اگر زیادتی حذف کی جائے تو بھی بقول مرزا صاحب ثابت ہے کہ لاکھ صحابہ معراج جسمانی کا اعتقاد رکھتے تھے۔

ح ناجی وہی ہے جو صحابہ کا سا اعتقاد رکھے

ح جو جماعت سے علیحدہ ہو وہ اسلام سے خارج ہے

یہ امر پوشیدہ نہیں کہ جس بات پر لاکھ صحابہ کا اعتقاد ہو اسلام میں وہ کس قدر قابل وقعت ہے۔ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ فرقۂ ناجیہ وہی ہے کہ ان کا اعتقاد صحابہ کے اعتقاد کے موافق ہو۔ جیسا کہ اس حدیث شریف سے ظاہر ہے: ”عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: و تفترق أمتی علی ثلاث و سبعین ملة کلھم فی النار الا واحدة قالوا:

من ھی یارسول اللہ؟ قال: ماانا علیہ وأصحابی۔ متفق علیہ" اور یہ بھی ارشاد ہے کہ جو جماعت سے ایک بالشت علیحدہ ہوجائے؛ وہ اسلام سے خارج ہے۔ کما فی کنز العمال "عن أبی داؤد قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من فارق الجماعۃ شبرا فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ۔ حم وک"

جب عموماً جماعت سے مخالفت کرنے والے کا یہ حال ہو تو لاکھ صحابہ کی جماعت کے مخالف کرنے والے کا کیا حال ہو۔ اور آیت شریفہ "وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى" (النساء:١١٥) الآیہ سے اس کی وعید ثابت ہے۔

اب رہا یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا معراج جسمانی کے منکر ہیں؛ سو وہ بالکل غلط ہے ،اس لئے کہ ابھی بروایت صحیحہ ثابت ہوا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج بیت المقدس جاکر تشریف لائے اور وہ واقعہ بیان فرمایا تو بہت سے مسلمان مرتد ہوگئے اور کفار نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جاکر کہا: کیا اس کی بھی تصدیق کروگے؟ اور انہوں نے تصدیق کی۔ اسی روز سے آپ کا نام صدیق قرار پایا۔

ادنی تامل سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اگر عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک یہ واقعہ خواب کا ہوتا تو ضرور فرماتیں کہ ان بے وقوفوں نے جو مرتد ہوگئے اتنا بھی نہ سمجھا کہ یہ واقعہ خواب کا ہے، جو عادۃً ایسے خلاف عقل خواب ہر شخص کو ہوا کرتے ہیں۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کفار کا عار دلانا کس قدر بے ہودگی اور حماقت تھی۔ پھر صرف خواب کی تصدیق پر لقب صدیق حق تعالی کی طرف سے ان کو ملنا کیسا' بدنما تھا نعوذ باللہ من ذلک۔

ح ما فقد جسد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیث موضوع ہے

مرزا صاحب کا استدلال غیر روایت صحاح پر

عائشہ رضی اللہ عنہا کا اس واقعہ کو بغیر تصریح خواب کے بیان کرنا صاف کہہ رہا ہے کہ وہ عالم بیداری میں تھا جس پر یہ آثار مرتب ہوئے۔

پھر جو ان سے یہ روایت ہے: ''و أخرج ابن اسحق و ابن جریر عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت: مافقدت جسد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و لکن اللہ أسری بروحہ'' یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ''کہ معراج حضرت کی روح کو ہوئی اور جسم مبارک میرے پاس سے غائب نہ ہوا'' کیونکر صحیح ہوگی۔ اول تو یہ روایت صحاح میں نہیں۔ پھر اس میں یہ اختلاف ہے کہ بعض ''مافقدت'' کہتے ہیں اور بعض ''مافقد'' جیسا کہ شہاب خفاجی رحمہ اللہ نے شرح شفاء میں لکھا ہے۔

اور شفائے قاضی عیاض رحمہ اللہ میں ہے کہ یہ حدیث محدثین کے نزدیک ثابت نہیں۔ اس لئے کہ اس کی سند میں محمد ابن اسحق ہیں جن کو امام مالک رحمہ اللہ نے ضعیف کہا ہے۔ اور علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے شرح مواہب میں لکھا ہے کہ: اس حدیث کی سند میں انقطاع ہے۔ اور راوی مجہول ہے۔ اور ابن وجیہ رحمہ اللہ نے تنویر میں لکھا ہے کہ: یہ حدیث موضوع ہے کسی نے صحیح حدیث کو رد کرنے کی غرض سے بنالیا ہے۔ انتہی

قطع نظر اس کے ''مافقدت'' کی روایت تو کسی طرح صحیح ہو ہی نہیں سکتی۔ اس لئے کہ اس زمانہ میں عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہی ہوا نہ تھا۔ پھر ان کا یہ کہنا کہ حضرت میرے پاس سے مفقود نہ ہوئے کیونکر صحیح ہوسکتا۔ اور نہ وہ زمانہ ان کے سن شعور کا تھا۔ اس لئے کہ معراج کے سال میں اختلاف ہے:

مواہب اللدنیہ میں لکھا ہے کہ: بعضوں کا قول ہے کہ بعثت سے ڈیڑھ سال بعد ہوا۔

اور بعض پانچ سال کے بعد۔ اور بعض ہجرت سے ایک سال پیشتر کہتے ہیں۔ اگر اخیر کا قول بھی لیا جائے تو اس وقت ان کی عمر سات سال کی ہوگی، کیونکہ بروایت صحیحہ ثابت ہے کہ ہجرت کے وقت ان کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ اس عمر میں تحقیق مسائل کی طرف توجہ نہیں ہوا کرتی۔ اور دوسرے قول پر معراج کا زمانہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا سال ولادت ہے۔ اس لئے کہ بروایت بخاری جس کو مواہب میں ذکر کیا ہے ہجرت بعثت سے تیرہ سال کے بعد ہوئی۔ اور جب ہجرت کے وقت ان کی عمر آٹھ سال کی تھی تو پانچواں سال؛ جو اس قول پر معراج کا زمانہ ہے، ان کی ولادت کا زمانہ ثابت ہوگا۔ اور پہلے قول پر تو معراج ان کی ولادت باسعادت سے تخمیناً تین سال پیش تر ہو چکا

تھا اور یہی قول درایۃً وروایۃً قابل وثوق معلوم ہوتا ہے۔اس لئے کہ اسلام میں جس قدر نماز کا اہتمام ہے کسی چیز کا نہیں۔اور جمیع روایات سے ثابت ہے کہ نماز شب معراج فرض ہوئی۔اس لحاظ سے عقل گواہی دیتی ہے کہ زمانۂ بعثت سے نماز کی فرض ہونے کا زمانہ بہت ہی قریب ہوگا۔اور اس قول کی پوری تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو درمنثور میں ہے:

"وأخرج الطبراني عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لما أسري بي الى السماء أدخلت الجنة فوقعت على شجرة من أشجار الجنة لم أر في الجنة أحسن منها ولا أبيض ورقا ولا أطيب ثمرةً فتناولت ثمرةً من ثمرتها فأكلتها فصارت نطفة في صلبي فلما هبطت الى الأرض واقعت خديجة رضی اللہ عنہا فحملت بفاطمة رضي الله عنها فاذا أنا اشتقت اِلی ريح الجنة شممت ريح فاطمة"

یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب میں شب معراج آسمان پر گیا تو مجھے جنت میں لے گئے۔وہاں ایک جھاڑ دیکھا جس کے پتے نہایت سفید اور پھل نہایت پاکیزہ تھے۔اور اس سے بہتر کوئی جھاڑ نظر نہ آیا۔میں اس کا ایک پھل لے کر کھایا جس سے نطفہ میری پشت میں بنا۔جب میں زمین پر آیا اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مصاحبت کا اتفاق ہوا تو فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کا حمل قرار پایا۔اب جب کبھی مجھے جنت کی بوسونگھنے کا شوق ہوتا ہے تو فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کی بوسونگ لیتا ہوں۔انتہی

دیکھئے معراج کا بعثت سے دوسرے سال ہونا اس روایت سے بوضاحت معلوم ہوتا ہے۔

اس لئے کہ مواہب اللدنیہ میں علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ: فاطمة الزهراء عليها وعلى أبيها الصلوة والسلام کی ولادت باسعادت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف اکتالیس (۴۱) سال کی تھی۔ چونکہ عرب کی عادت ہے کہ سال پر جو مہینے زیادہ ہوتے ہیں اکثر حذف کردیتے ہیں۔اس اعتبار سے جائز ہے کہ بعثت کے دوسرے سال کے آخر میں آپ کی ولادت ہوئی ہو۔اور معراج اسی سال کے نصف اول میں ہوئی ہو۔جس سے مدت حمل دونوں کے مابین میں پوری ہوجاتی ہے۔

الحاصل اس روایت کے لحاظ سے تاریخ معراج کے تین قولوں میں یہی قول مناسب تر ثابت ہوتا ہے۔ ورنہ دوسرے اقوال پر یہ روایت بے ضرورت خلاف واقع ٹھہرتی ہے۔

اب دیکھئے کہ تاریخی واقعات کے لحاظ سے بھی یہ حدیث روایت **"مافقدت جسد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"** کو غیر صحیح ثابت کررہی ہے۔ اور لطف خاص یہ ہے کہ روایت تناول میوہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے۔ اور نیز یہ بات اس حدیث سے ظاہر ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا معراج جسمانی کے قائل تھیں۔ اس لئے کہ عقلاً اور عادۃً محال ہے کہ کوئی چیز خواب میں کھائی جائے اور اس سے نطفہ بنے۔ اگر کہا جائے کہ خدائے تعالی کی قدرت میں وہ محال نہیں ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے مانا کہ اس حدیث میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ حضرت نے بیداری میں جنت کا پھل تناول فرمایا؛ جو نطفہ بن گیا۔

دوسرا خواب میں اس کا تناول فرمانا۔ مگر احتمال اول صرف احتمال ہی نہیں، بلکہ الفاظ وعبارت اسی پر دال ہیں۔ اور قرینہ بھی اسی کا شاہد ہے۔

اور دوسرا احتمال نہ الفاظ سے پیدا ہوتا ہے، نہ کوئی اس پر لفظی قرینہ ہے، بلکہ صرف اس خیال سے پیدا کیا جاتا ہے کہ معراج جسمانی عادۃً جائز نہیں۔ حالانکہ عقلاً اس کا جواز اور قرآن واحادیث اور اجماع صحابہ سے اس کا وقوع ثابت ہے۔ اس صورت میں وہ معنی جو عبارت النص اور دلائل قطعیہ سے ثابت ہیں، چھوڑ کر ایک ضعیف مراد واحتمال پیدا کرنا؛ کیونکر جائز ہوگا۔ اب رہا یہ کہ قدرت الہی سے خواب میں کھایا ہوا پھل نطفہ بن جانا سو ہمیں بھی اس قدرت میں کلام نہیں۔ مگر جیسی یہ قدرت ہے ویسا ہی بیداری میں جسمانی معراج کرانا بھی قدرت الہی میں داخل ہے۔ پھر ایک قدرت کو ماننا اور دوسری کو نہ مان کر قرآن واحادیث واجماع صحابہ وغیرہم کا انکار کرنا کس قسم کی بات ہے۔

الحاصل عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت مرفوع سے بھی **"مافقدت جسدہ"** والی حدیث موقوف غیر صحیح ثابت ہوتی ہے۔ اب غور کیا جائے کہ جب عائشہ رضی اللہ عنہا خود یہ حدیثیں روایت کررہی ہیں کہ حضرت رات بھر میں بیت المقدس جاکر تشریف لائے جس کو سن کر بہت سے مسلمان مرتد ہوگئے۔ اور صدیقیت کا لقب اسی کی تصدیق سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ملا۔ اور اپنی

ولادت سے پیش تر جسمانی معراج ہوئی۔تو کیونکر خیال کیا جائے کہ باوجود اس کے انہوں نے یہ بھی کہا ہوگا کہ شب معراج حضرت کا جسم مبارک اپنے پاس سے غائب نہ ہوا، یا روحانی معراج تھی۔ غرض ان متعدد قرائن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حسب تصریح علامہ قسطلانی رحمہ اللہ حدیث **"مافقد جسمہ صلی اللہ علیہ وسلم"** موضوع ہے۔

اصل منشا اس حدیث کے بنانے کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسروق رحمہ اللہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا؟ انہوں نے کہا: "کہ تمہارے اس سوال سے میرے جسم پر رونگٹے کھڑے ہوگئے۔اگر یہ بات کوئی تم سے کہے تو سمجھو کہ وہ جھوٹا ہے۔ کیونکہ حق تعالی فرماتا ہے: "لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ"

اس پر کسی نے خیال کیا ہوگا کہ وہ معراج جسمانی کے قائل نہیں۔ کیونکہ یہ بات مشہور تھی کہ رؤیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو، شب معراج ہوئی ہے۔اس قرینہ سے اُن کو یہ حدیث بنانے کا موقع ہاتھ آ گیا؛ جس سے ان کا مقصود یہ تھا کہ احادیث میں تعارض پیدا کر دیں۔ان لوگوں نے یہ نہ سمجھا کہ رؤیت قلبی؛ معراج جسمانی کے منافی نہیں۔جیسا کہ شفائے قاضی عیاض رحمہ اللہ میں لکھا ہے کہ: بعض اصحاب اشارات کا قول ہے کہ معراج تو جسمانی تھا، مگر اس لحاظ سے کہیں محسوسات اور عجائب کی طرف دل مائل نہ ہو؛ حضرت نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔اور اسی حالت میں دیدار الٰہی ہوا۔

معراج میں کئی امور مقصود بالذات تھے

بحث معراج میں غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس میں کئی امور' مقصود بالذات تھے:

ایک اظہار معجزہ جس سے کفار کو الزام دینا مقصود تھا۔ چنانچہ اس کا ظہور یوں ہوا کہ سب جانتے تھے کہ حضرت بیت المقدس کبھی گئے نہ تھے مگر جو جو نشانیاں اس کے وہ پوچھتے گئے حضرت نے پوری پوری بتلا دیں، جس سے وہ قائل ہو گئے۔

دوسرا مسلمانوں کا امتحان۔ کما قال تعالی: "وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ" (الاسراء:٦٠) چنانچہ اس واقعہ سے بہت سے لوگ مرتد ہو گئے۔

تیسرا قدرت کی نشانیاں دکھلانا۔ جیسا کہ ارشاد ہے: "لِنُرِيَهُ مِنْ اٰيٰتِنَا" وقولہ تعالی: "لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿١٨﴾" (النجم)

چوتھا تقرب اور دنوے بلا کیف سے ایک خاص غیر معمولی طور پر حضرت کو مشرف کرنا۔ جیسا کہ ارشاد ہے: "ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ﴿٨﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ﴿٩﴾"۔ (النجم)

اس واقعہ میں معجزہ کی حیثیت صرف بیت المقدس تک جا کر آنے میں ختم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ آسمانوں کے وقائع بیان کرنے سے کفار پر کوئی الزام قائم نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے جن احادیث میں ذکر ہے کہ کفار کے روبرو حضرت نے اسریٰ کا حال بیان کیا؛ ان میں صرف بیت المقدس اور اس کے رستہ ہی کے وقائع مذکور ہیں۔

اور قرآن شریف میں بھی صراحۃً اسی کا ذکر ہے۔ اگر کفار سے کہا جاتا کہ آسمانوں پر گئے۔ اور انبیاء سے ملاقات کی اور جنت و دوزخ وغیرہ دیکھے۔ تو کوئی حجت قائم نہ ہوتی۔ جیسے بیت المقدس کے نشانیاں دیکھی ہوئی بیان کرنے میں حجت قائم ہوگئی۔ اور ان کو نادم ہونا پڑا۔ بیت المقدس سے آسمانوں پر جانا گو اعلی درجہ کا معجزہ ہے۔ لیکن اس میں تحدی اور کسی کو الزام دینا مقصود نہیں۔ بلکہ وہ منجملہ ان فضائل و خصوصیات کے ہے؛ جو حق تعالی نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے خاص کی تھیں۔ درحقیقت وہ ایک راز کی بات تھی جس کے سننے کے مستحق وہی ہوا خواہ تھے جو اپنے دلی نعمت کی ترقیٔ مدارج اور فضائل سن کر خوش ہوا کرتے تھے۔

ضرورتِ خطاب بحسب عقول

پھر وہاں کی باتیں سب ایسی نہ تھیں کہ ہر شخص کی عقل ان کو قبول کر سکے اور حضرت ہر شخص کی طبیعت اور حالت سے خوب واقف اور حکیم تھے، اس لئے بمقتضائے حکمت، ہر ایک کو علی قدر مراتب عقول، ان اسرار پر مطلع فرمایا۔ اسی وجہ سے رؤیت کے مسئلہ میں بہت اختلاف ہے:

بعضے رؤیت عینی کے قائل ہیں۔

اور بہت سے رؤیت قلبی کے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے شفا میں ترمذی سے نقل کیا ہے:

"وروی عبداللہ بن الحارث قال: اجتمع عباس رضی اللہ عنہما و کعب رضی اللہ عنہ فقال ابن عباس: أما نحن بنو هاشم فنقول ان محمدًا رآی ربه فکبر کعب حتی جاوبته الجبال وقال: ان اللہ قسم رؤیته و کلامه بین محمد صلی اللہ علیه وسلم وموسی ورآہ محمد بقلبه۔ انتهی" وقال ابن عباس فیما روی الحاکم والنسائی والطبرانی ان اللہ اختص موسی بالکلام وابراهیم بالخلة ومحمد صلی اللہ علیه وسلم بالرویة وعن ابن عباس: أنه رآہ بعینه هذا کله فی الشفا وشرحه للخفاجی رحمه اللہ"

ماحصل اس کا یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: لوگ کچھ بھی کہیں ہم بنی ہاشم تو یہی کہتے ہیں کہ: محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اور یہ حضرت کی خصوصیت تھی جو کسی نبی کو حاصل نہ ہوئی۔

اب دیکھئے بنی ہاشم خصوصاً ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ کہنا کہ: "کہ حضرت نے اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا" بظاہر لاتدرکه الابصار کے معارض ہے۔ پھر کیا یہ ممکن ہے کہ وہ حضرت کی قرابت یا محبت کی وجہ سے اس نص قطعی کے مخالف یہ رائے قائم کئے ہوں گے؟ ہرگز نہیں۔ ان حضرات نے ضرور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ سنا ہوگا۔ اگر یہ حسن ظن نہ کیا جائے، تو بہت بڑا الزام تفسیر بالرائے کا ان کے ذمہ عائد ہوگا۔ اور حسن ظن پر یہ قرینہ بھی ہے، کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا کہ علاوہ کامل الایمان ہونے کے بمقتضائے قرابت اور فرط محبت خصوصیات وفضائل کا ملہ اپنے سن کر سب سے زیادہ خوش ہونے والے یہی لوگ ہیں اس لئے اُن کو اس قابل سمجھا کہ اس راز پر مطلع کئے جائیں۔ اور حق تعالی نے بھی اپنے کلام پاک میں بطور راز حضرت کی تصدیق فرمادی، تاکہ اُن راز دانوں کا ایمان اور مستحکم ہوجائے۔

کما قال تعالی: "وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۙ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۚ﴿۲﴾ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ؕ﴿۳﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۙ﴿۵﴾ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ

فَاسْتَوٰى ۙ﴿۶﴾ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ؕ﴿۷﴾ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ﴿۸﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ﴿۹﴾ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ؕ﴿۱۰﴾ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿۱۱﴾ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۙ﴿۱۳﴾" (النجم)

ترجمہ! قسم ہے تارے کی جب گرے۔ بہکے نہیں تمہارے رفیق یعنی محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم اور بے راہ نہیں چلے۔ اور نہیں بولتے وہ اپنی خواہش سے۔ یہ تو حکم ہے جو پہنچاتے ہیں۔ سکھایا اُن کو سخت قوتوں والے زور آور نے۔ پھر سیدھا بیٹھا، کنارۂ بلند پر۔ پھر نزدیک ہوا۔ اور اتر آیا۔ پھر رہ گیا فرق دو کمان کے برابر، پھر جو پیغام اپنے بندے کی طرف بھیجنا تھا بھیجا۔ ان کے دل نے اس میں کچھ جھوٹ نہیں ملایا۔ اب کیا تم جھگڑتے ہو؟ اس پر جو انہوں نے دیکھا ہے۔ اس کو ایک دوسرے بار۔ انتہی دیکھئے اس آیت شریفہ میں ضمائر وغیرہ کیسے پہلو دار ہیں۔ جن سے موافق، مخالف دونوں استدلال کر سکیں۔ اسی وجہ سے دنا فتدلی اور ولقد رآہ کی تفسیر میں بہت اختلاف ہے۔ مگر ابن عباس رضی اللہ عنہما یہی تفسیر کرتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب سے قریب ہوئے اور اپنے رب کو دیکھا۔

کما فی الدر المنثو للامام السیوطی : "وأخرج ابن أبی حاتم والطبرانی وابن مردویه عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فی قوله: ثم دنا فتدلی قال ھو محمد صلی اللہ علیه وسلم دنافتدلی الی ربه عزوجل"

اور نیز درمنثور میں ہے: "وأخرج الترمذی وحسنه الطبرانی وابن مردویه والبیهقی فی الأسماء والصفات عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فی قول اللہ ولقد راہ نزلةً أخری قال ابن عباس رضی اللہ عنہما قال رآی النبی صلی اللہ علیه وسلم ربه عزوجل"
غرض کہ اختلاف آثار واحادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے امور میں ہر ایک کے فہم اور حوصلہ کے مطابق کلام کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اس روایت سے ظاہر ہے:

"عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: بعثنا معاشر الانبیاء نخاطب الناس علی قدر عقولهم۔ ذکرہ الامام السخاوی رحمه اللہ فی المقاصد الحسنة مع نظائرہ"

اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام صحابہ کامل الایمان تھے؛ مگر پھر بھی اس کو ماننا پڑے گا کہ جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خصوصیت تھی؛ وہ عموماً دوسروں کو نہ تھی۔ اسی طرح جو اہل بیت اور بنی ہاشم کو خصوصیت تھی؛ بنی امیہ کو حاصل نہ تھی۔ دیکھ لیجئے تقریباً تمام صحابہ ،معراج جسمانی کے قائل تھے۔مگر معاویہ رضی اللہ عنہ اسی بات پر رہے کہ معراج خواب میں ہوا تھا ،جیسا کہ شفا میں لکھا ہے: اس سے ظاہر ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات سے یہ بیان ہی نہیں کیا تھا ورنہ ممکن نہیں کہ حضرت سے سن کر بھی اسی کے خلاف اعتقاد رکھتے۔ غرض وہ راز چندے بنی ہاشم میں رہا، پھر انہوں نے بحسب صلاحیت اپنے ہم مشربوں سے کہا۔ یہاں تک کہ شدہ شدہ خاص خاص مجلسوں میں اس کا ذکر ہونے لگا۔ پھر بمصداق ''نہان کے ماند آں رازے کز وسازند محفلہا'' وہ راز طشت از بام ہو گیا۔ اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ بعض علماء نے تصریح کر دی کہ وہی مذہب صحیح ہے۔

رؤیت عینی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ثابت ہے

چنانچہ تفسیر روح البیان میں لکھا ہے:

''وفی کشف الاسرا ر قال: بعضھم رآہ بقلبہ دون عینہ وھذا خلاف السنۃ والمذھب الصحیح أنہ علیہ السلام رأی ربہ بعین رأسہ'' انتہی

امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: میں بھی وہی کہتا ہوں جو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ: حضرت نے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ کما فی الشفا للقاضی عیاض رحمہ اللہ ''وحکی النقاش عن أحمد بن حنبل أنہ قال: اقول بحدیث ابن عباس بعینہ رأی ربہ رآہ رآہ حتی انقطع نفسہ یعنی نفس أحمد''

یعنی امام احمد رحمہ اللہ ''رأی ربہ'' کہہ کر لفظ ''راٰہ'' کو اتنی دیر تک مکرر کرتے رہے، جب تک سانس نے یاری دی۔ یہ بات وجدان سے دریافت کرنے کے قابل ہے کہ لفظ ''رآہ'' کی تکرار کے وقت اس امام جلیل القدر پر کیسی حالت وجد طاری تھی کہ اس بے خودانہ غیر معمولی حرکت صادر ہونے پر مجبور تھے۔

یا یہ بات تھی کہ کمال غضب سے دیر تک اس لفظ کو مکرر کیا تا کہ مخالفوں پر ہیبت طاری ہو اور کوئی دم نہ مار سکے اور ان کے پہلے عکرمہ رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ چنانچہ ابن جریر رحمہ اللہ نے تفسیر میں لکھا ہے:

"أخبرنا عباد بن يعني بن منصور قال: سالت عكرمة رضي الله عنه عن قوله ما كذب الفؤاد ما رأى قال: أتريد أن أقول لك قد رآه نعم قد رآه ثم قد رآه ثم قد رآه حتى تنقطع النفس" اور تفسیر روح المعانی میں علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"فقد كان (الحسن) عليه الرحمة يحلف بالله تعالى لقد رآى محمد صلى الله عليه وسلم ربه" یعنی حسن بصری رحمہ اللہ قسم کھا کر کہتے تھے کہ: حضرت نے اپنے رب کو دیکھا۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کا مذہب جو روایت کے باب میں بنی ہاشم کے خلاف ہے ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کسی مصلحت سے نہ فرمایا ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ فرمایا ہو۔ مگر انہوں نے عقول کی رعایت سے بیان نہ کیا ہو۔ کیونکہ ایسے امور کے بیان کرنے میں احتیاط کرنے کا حکم ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے متعارض روایتوں کی وجہ

جیسا کہ مقاصد حسنہ میں امام سخاوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"عن ابن عباس رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تحدثوا امتي من أحاديثي الا ما يحتمله عقولهم فيكون فتنة عليهم فكان ابن عباس رضي الله عنهما يخفي أشياء من حديثه ويفشيها الى أهل العلم"

یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری حدیثوں میں سے وہی حدیثیں میری امت سے بیان کرو؛ جن کو ان کی عقلیں تحمل کر سکیں۔ اسی وجہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما بہت سی حدیثیں عام لوگوں سے چھپاتے اور اہل علم پر ظاہر کرتے تھے۔ انتہی

یہی وجہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اکثر قول تفاسیر میں باہم متعارض وارد ہیں۔ چنانچہ اسی مسئلہ میں دیکھئے کہ رویت قلبی کی بھی روایت ان سے وارد ہے۔ جیسا کہ درمنثور میں ہے:



”وأخرج مسلم وأحمد عن ابن عباس رضی اللہ عنهما فی قوله ما کذب الفؤاد ما رأی ولقد رآہ نزلۃ أخریٰ قال رأی محمد ربه بقلبه مرتین“

یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ رؤیت قلبی اور رؤیت عینی ایک نہیں تو ایک قول ضرور واقع کے خلاف ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رؤیت الٰہی کی حقیقت عقول سے خارج ہے، اس لئے ممکن نہیں کہ وہ رؤیت ایسی ہو جیسے ہم اجسام کو دیکھتے ہیں۔ جائز ہے کہ وہاں رؤیت عینی رؤیت قلبی کے مقارن ہو اور دونوں صادق آجائیں۔ چنانچہ تفسیر روح البیان میں لکھا ہے: ”قال علیه السلام رأیت ربی بعینی وبقلبی“ رواہ مسلم فی صحیحه اور اسی میں لکھا ہے:

کلام سرمدی بے نقل بشنید   خداوند جہاں را بے جہت دید
دران دیدن کہ حیرت حاصلش بود   دلش در چشم و چشمش در دلش بود

اور یہ بھی لکھا ہے شیخ ابوالحسین نوری را قدس سرہ از معنی این آیہ یعنی افتمارونہ علی ما یری پر سیدند جواب داد جائیکہ جبرئیل نگنجید نوری کیست کہ ازاں سخن تواند گفت۔

خیمہ بروں زد زحدود جہات   پردۂ اوشد تتق نور ذات
تیرگی ہستی از دور گشت   پردگی پردۂ آن نور گشت
کیست کزان پردہ شود پردہ ساز   زمزمۂ گوید ازاں پردہ باز

الغرض اخفائے راز کے مقام میں رؤیت قلبی کہہ دیا، تاکہ عقول متحمل ہوسکیں اور وہ بھی خلاف واقع نہیں۔ رؤیت کی تقریر ایک مناسبت سے ضمناً لکھی گئی۔ اصل کلام اس میں تھا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا معراج جسمانی کے منکر ہیں یا نہیں؟ سو یہ ثابت ہوگیا کہ ان کو اس کا اقرار ہے اور جو انکار ان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، بے اصل اور موضوع روایت ہے۔ پھر جو مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات کو تسلیم نہیں کرتیں اور کہتے ہیں کہ رویائے صالحہ تھی) قابل تسلیم نہیں۔

آنحضرت ﷺ کا جسم مبارک لطیف تھا حضرت ﷺ کا سایہ نہیں پڑتا تھا

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام (ص ۴۸) میں لکھتے ہیں:

''کہ سیر معراج اس جسم کثیف کے ساتھ نہیں تھا بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کا کشف تھا میں اس کا نام خواب ہرگز نہیں رکھتا۔ اور نہ کشف کے ادنیٰ درجوں میں اس کو سمجھتا ہوں۔ بلکہ یہ کشف بزرگ ترین مقام ہے جو درحقیقت بیداری بلکہ اس کثیف بیداری سے یہ حالت زیادہ اصفیٰ واجلیٰ ہوتی ہے۔ اور اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے'' انتہی

افسوس ہے مرزا صاحب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کی کچھ قدر نہ کی اور اپنے جیسا کثیف سمجھا۔ حالانکہ وہ جسم لطیف درحقیقت نور محض تھا۔ شفا میں قاضی عیاض رحمہ اللہ نے کعب احبار اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما کا ایک قول نقل کیا ہے کہ آیت شریفہ ''اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ'' میں نور ثانی سے مراد محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک ہے۔ اور اسی میں لکھا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں کئی جگہ حضرت کو نور اور سراج فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: ''قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ'' (سورۃ المائدۃ: آیت: ۱۵)

وقولہ تعالیٰ:

''يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾'' (الاحزاب)

اور اس کی تصدیق اس سے کھلے طور پر ہوتی ہے کہ حضرت دھوپ یا چاندنی میں نکلتے تو آپ کا سایہ زمین پر نہ پڑتا۔ جیسا کہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے خصائص کبریٰ میں نقل کیا ہے:

''اخرج حکیم الترمذی عن ذکوان أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یری لہ ظل فی شمس ولا قمر: قال ابن سبع: من خصائصہ ان ظلہ کان لا یقع علی الارض وانہ کان نورا فکان اذا مشی فی الشمس أو القمر لا ینظر لہ ظل' قال بعضھم: ویشھد لہ حدیث قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فی دعائیہ: واجعلنی نوراً''

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ دھوپ اور چاندنی میں نہیں پڑتا تھا۔اس لئے کہ آپ نور تھے اور یہ اثر اس دعا کا بھی تھا جو حضرت کیا کرتے تھے واجعلنی نوراً۔

مرزا صاحب بوعلی سینا کے مقلد ہیں

مرزا صاحب مسئلہ معراج میں بوعلی سینا کے مقلد ہیں۔ کیونکہ دبستان مذاہب میں ان کا قول نقل کیا ہے کہ: حدیث معراج میں جو جبرئیل کا ذکر ہے، اس سے قوت روح قدسی مراد ہے۔اور براق سے عقل ہے، اور حضرت نے جو فرمایا ہے کہ: ''میرے پیچھے ایک شخص چلا آرہا تھا اس نے آواز دی کے ٹھیرو اور جبرئیل نے کہا کہ: اس سے بات نہ کیجئے اور چلے چلئے'' اس سے یہ اشارہ ہے کہ قوت وہم پیچھے آرہی تھی جب حضرت اعضاء وجوارح کے مطالعہ سے فارغ ہوئے اور ہنوز حواس میں تامل نہ کیا تھا کہ قوت وہم نے آواز دی کے آگے نہ بڑھئے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ قوت واہمہ متصرف ہے اور غالب ہے ہروقت عقل کو ترقی سے روکتی رہتی ہے۔

اور جو فرمایا: ''کہ بیت المقدس پہونچے اور موذن نے اذان کہی اور میں آگے بڑھا دیکھا کہ جماعت انبیاء اور اولیاء داہنے بائیں کھڑی ہے''

یہ اشارہ اس طرف ہے کہ حیوانی اور طبعی قوتوں کے مطالعہ سے جب حضرت فارغ ہوئے تو دماغ کے قریب پہونچے وہاں قوت ذاکرہ متوجہ اعلام ہوئی۔اور حضرت تفکر کی طرف بڑھے اور قوائے دماغی مثلاً تمیز حفظ ذکر اور فکر وغیرہ داہنے بائیں موجود تھیں۔اسی طرح آسمانی معراج کا حال بھی بیان کیا جس کا ماحصل یہ ہے کہ نہ بیت المقدس گئے نہ آسمانوں پر جتنی باتیں قرآن وحدیث میں مذکور ہیں سب کو وہیں مکہ میں بیٹھے ہوئے نمٹا دیا۔مرزا صاحب بھی یہی کہتے ہیں صرف فرق مراقبہ اور مکاشفہ کا ہے۔یعنی بوعلی سینا اس کو مراقبہ کہتے ہیں کہ قوائے جسمانی وغیرہ میں اس وقت حضرت غور فرمارہے تھے۔اور مرزا صاحب مکاشفہ کہتے ہیں کہ وہیں بیٹھے ہوئے بیت المقدس اور آسمانوں کو کشف سے دیکھ رہے تھے۔

اہل رائے سمجھ سکتے ہیں کہ اگرچہ ان دونوں کو معراج کا انکار ہے مگر جس طرح بوعلی سینا نے تمام واقعات کو عقل کے مطابق کردیا؛ مرزا صاحب نہ کرسکے بھلا کوئی پابند عقل اس کو مان سکتا ہے کہ

آنکھیں جن پر مدار رؤیت ہے تو بند ہوں لاکھوں بلکہ کروڑوں کوس پر کی چیزیں ایسی دکھائی دیں جیسے کوئی آنکھوں سے دیکھتا ہو بلکہ اس سے بھی اصفی واجلی، ہرگز نہیں۔

مرزا صاحب جو لکھتے ہیں کہ اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے ایک حد تک درست ہے۔ کیونکہ عام تجربہ ہے کہ جب آدمی آنکھیں بند کر لیتا ہے؛ تو اقسام کے خیالات آنے لگتے ہیں اور اپنے اختیار سے بھی ذہن سے کام لیتا ہے۔ مرزا صاحب کے خیالات چونکہ حد سے بڑھے ہوئے ہیں عرش کو ایک بڑا چمکتا ہوا تخت خیال کرتے ہوں گے۔ اور اس پر رب العالمین بیٹھا ہوا اپنے روشن چہرہ سے پردہ اتار کر اپنے سے باتیں کرتا ہوا دیکھ لیتے ہوں گے۔ جیسا کہ ضرورۃ الاوہام (ص ۱۳) میں خود تحریر فرماتے ہیں: مگر اس کو کشف سمجھنا غلطی ہے، اس قسم کے مشاہدات کو عقلاً اختراعات ذہنیہ کہتے ہیں؛ جن کو واقع سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

اگر مرزا صاحب دعوی کریں کہ یہ خیالات مطابق واقع کے ہوتے ہیں تو جب تک دلائل عقلیہ سے اس کو ثابت نہ کریں؛ ایک خیالی بات سے اس کا درجہ بڑھ نہیں سکتا۔ اور اگر اہل کشف کے اقوال پیش کریں تو جس معرکہ میں خدا ورسول کی بات کو وہ نہیں مانتے اہل کشف کا مجرد بیان کون مانے گا۔ ان کی تصدیق کا درجہ تو خدا ورسول کی تصدیق کے بعد ہے۔ اور اگر کوئی ایسا ہی خوش اعتقاد شخص ہے کہ خلاف عقل بات بھی اہل کشف کی بلا دلیل مان لیتا ہے؛ تو خدا ورسول کی باتیں بلا دلیل مان لینا؛ اس پر کیا دشوار ہے

اب دیکھئے کہ جس طرح جسم کے ساتھ آسمانوں پر جانا خلاف عقل ہے، کشف سے واقعی حالات معلوم کرنا بھی خلاف عقل ہے۔ پھر جب اہل کشف کی بات پر اس قدر وثوق ہے کہ ان کے مجرد قول سے کشف مان لیا جاتا ہے؛ تو خدا ورسول کی بات پر مسلمان کو اس سے زیادہ وثوق چاہئے یا نہیں؟

مرزا صاحب کو اعلی درجہ کے کشف کا جو دعوی ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ کیونکہ وہ ایک معنوی چیز ہے جو دوسرے کو محسوس نہیں ہو سکتی البتہ آثار سے کسی قدر اس کا ثبوت ہو سکتا ہے۔ مگر ہم جب یہاں آثار پر نظر ڈالتے ہیں تو بجائے ثبوت کے اس کا ابطال ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ مرزا

صاحب ہمیشہ پیش گوئیاں کیا کرتے ہیں۔اور ہمارے علم میں مرزا صاحب نجومی یا کاہن یا رمال نہیں ہیں۔اس سے ظاہر ہے کہ ان پیش گوئیوں کا مدار ان کے کشف پر ہے۔ (یعنی جو کچھ آئندہ ہونے والا ہے کشف کے ذریعہ سے پیش از پیش دیکھ کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ ایسا ہوگا مثلاً فلاں شخص تین برس کی مدت میں مرے گا۔) پیش گوئیوں کا مدار کشف پر اس وجہ سے ہے کہ بغیر کشف کے رجما بالغیب وہ حکم لگا دینا ترجیح بلا مرجح ہے۔ممکن ہے کہ وہ پچاس برس کے بعد مرے پھر خود مرزا صاحب کو اعلیٰ درجہ کے کشف کا دعویٰ بھی ہے۔اس صورت میں ضرور تھا کہ ہر پیشین گوئی ان کی صحیح نکلتی جس سے کشف کی صحت ثابت ہوتی۔مگر ایسا نہ ہوا بلکہ اس کے خلاف ثابت ہوا۔

دیکھئے کہ مولوی ابوالوفا ثناءاللہ صاحب نے رسالۂ الہامات مرزا میں لکھا ہے کہ

''مرزا صاحب نے جن پیش گوئیوں کو معیار اپنی صداقت اور مدار بطالت قرار دیا ہے وہ کل جھوٹی ثابت ہوئیں''

پھر جب مولوی صاحب ان کا کذب ثابت کرنے کو قادیان گئے تو بجائے اس کے کہ مرزا صاحب خوش ہو کر اپنے کمالات ظاہر فرماتے اور ان پیش گوئیوں کا وقوع ثابت کرتے الٹے ناراض ہو گئے اور مناظرہ سے گریز کی۔اس کے بعد مولوی صاحب موصوف نے وہ رسالہ لکھ کر ان پیش گوئیوں کا عدم وقوع اور بطلان بدلائل ثابت کر دیا،جس کا جواب نہ مرزا صاحب سے ہوا نہ ان کے ہوا خواہوں سے۔

چنانچہ اسی رسالہ کے عنوان پر یہ عبارت لکھ دی کہ اس رسالہ میں مرزا صاحب قادیانی کے الہاموں پر مفصل بحث کر کے ان کو محض غلط ثابت کیا ہے،اس کے جواب کے لئے طبع اول پر مرزا صاحب کو پانچ سو روپیہ انعام تھا۔طبع ثانی پر ہزار کیا گیا۔اب طبع ثالث پر پورا مبلغ دو ہزار کیا جاتا ہے۔اگر وہ ایک سال تک جواب دیں تو انعام مذکور ان کے پیش کش کیا جائے گا۔انتہی

یہ بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان الہامات اور پیش گوئیوں کے اثبات میں مرزا صاحب ہی کا نفع تھا،پھر اس پر جب انعام بھی ملتا تھا،تو چاہئے تھا کہ سب کام چھوڑ کے اس رسالہ کے جواب میں

مصروف ہو جاتے۔ اور وہ رسالہ بھی کتنا؛ پورے سات جزو کا بھی نہیں۔ پھر جواب میں نہ کسی کتاب کے دیکھنے کی ضرورت ہے نہ اجتہاد کی حاجت۔ ہر پیشین گوئی سے متعلق جواب میں اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ اس کا وقوع اس طرح ہوا۔ اور اس کے فلاں فلاں گواہ موجود ہیں۔ جس کے لئے ایک دو ورق سے زیادہ درکار نہیں۔ مگر جواب تو جب لکھا جائے کہ کسی پیشین گوئی کا وقوع بھی ہوا ہو۔ وہاں تو سرے سے وجود ہی نہ دارد۔ اور جو تقریروں میں ملمع سازیاں کی گئی تھیں، ان کی قلعی مولوی صاحب نے کھول دی۔ اب ان پیشین گوئیوں کا اثبات حیز امکان سے کسی قدر خارج دکھائی دیتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسری کا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ اس قسم کے یعنی معراج جیسے کشفوں میں خود صاحب تجربہ ہیں غلط محض ہے۔

یہاں یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ الحکم مطبوعہ ۱۱ صفر ۱۳۲۳ھ نمبر ۱۳ میں مرزا صاحب کی تقریر درج ہے کہ جیسا کہ: بت پوجنا شرک ہے، ویسے ہی جھوٹ بولنا بھی شرک ہے۔ بت پوجنے والا اس خیال سے بت پوجتا ہے کہ یہ میری مرادیں برلاتا ہے۔ ایسا ہی جھوٹ بولنے والا بھی اسی خیال سے جھوٹ بولتا ہے کہ جھوٹ سے میرا کام نکلتا ہے۔ مقدمہ جیت لیتا ہوں۔ بیوپار ہوتا ہے۔ اور آفات وبلا سے بچ جاتا ہوں۔ ان دونوں باتوں میں کچھ فرق ہے؟ انتہی۔

جب مرزا صاحب جھوٹ کو شرک سمجھتے ہیں، تو وہ اس کے مرتکب کیونکر ہوئے ہوں گے؟

اس کا جواب حقیقۃً نہایت بہت دشوار ہے مگر عقلا خود اس کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ مرزا صاحب جو اپنے کشف کی خبر دیتے ہیں سو وہ کوئی نئی بات نہیں۔ اس قسم کی تعلیموں کی ان کو عادت ہے۔

چنانچہ رسالہ عقائد مرزا میں توضیح المرام وغیرہ رسائل مرزا سے ان کے اقوال نقل کئے ہیں کہ میں اللہ کا نبی ہوں، رسول ہوں، میرا منکر کافر اور مردود ہے، میرے معجزات اور نشانیاں انبیا سے بڑھ کر ہیں، میرے پیش گوئیاں نبیوں کی پیش گوئیوں سے زیادہ ہیں، میرے معجزات اور نشانات کے انکار سے سب نبیوں کے معجزات سے انکار کرنا پڑے گا، میرے منکروں اور متردووں کے پیچھے نماز درست نہیں۔ بلکہ ان پر سلام نہ کرنا چاہیے۔ اور لکھتے ہیں کہ: خدا بے پردہ ہو کر ان سے ٹھٹھے کیا کرتا ہے وغیر ذلک۔

جب مرزا صاحب کی جبلت میں تعلیاں داخل ہیں، جن کا وجود ممکن نہیں۔ تو ان کا یہ قول کہ: معراج کے جیسے کشفوں میں مولف صاحب تجربہ ہے کون اعتبار کرے۔ البتہ اہل کشف کی تحقیق قابل تسلیم ہے، جن کے کشف کو اہل کشف اور صلحاء اور اولیاء اللہ نے تسلیم کرلیا ہے۔

شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں معراج جسمانی تصریح کی ہے

دیکھئے شیخ محی الدین عربی رحمہ اللہ فتوحات مکیہ کے تین سو چودہویں باب میں لکھتے ہیں:

"وقد اعطته المعرفة انه لا یصح الانس الا بالمناسب ولا مناسبة بین اللہ وعبدہ واذا اضیف المو انسة فانما ذلک الی وجه خاص یرجع الی الکون فاعطته صلی اللہ علیه وسلم هذه المعرفة الوحشة لانفرادہ وهذا مما یدل ان الاسراء کان بجسمه صلی اللہ علیه وسلم لان الارواح لا تتصف بالوحشة والاستیحاش فلما علم اللہ ذلک منه وکیف لا یعلمه وهو الذی خلقه فی نفسه وطلب علیه السلام الدنو منه بقوة المقام الذی هو فیه فنودی بصوت یشبه صوت ابی بکر رضی اللہ عنه تانیسا لدیه اذ کان أنیسه فی المعهود فحنّ لذلک وانس به فلهذاالمعراج خطاب خاص یعطیه خاصیة هذاالمعراج لا یکون الا للرسل فلو عرج علیه الولی لا عطاہ هذا المعراج بخاصیة ما عندہ وخاصیة ما تنفرد به الرسالة فکان الولی اذا عرج به فیه یکون رسولا وقد أخبر رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم أن باب الرسالة والنبوة قد اغلق فتبین ان هذاالمعراج لا سبیل للولی الیه البتة" انتہی۔

ماحصل اس کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج آسمانوں پر وحشت ہوئی اس وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آواز سنائی گئی، جس سے حضرت کی وحشت جاتی رہی۔ اس سے ظاہر ہے کہ معراج جسم کے ساتھ تھی کیونکہ ارواح وحشت کے ساتھ متصف نہیں ہوتیں۔ پھر اس جسمانی معراج کا خاصہ یہ ہے کہ اس میں ایک خاص قسم کا خطاب ہوا کرتا ہے، جو رسولوں کے ساتھ خاص ہے۔ اگر کسی ولی کو بھی اس قسم کی معراج ہو تو اس خاصہ کی وجہ سے لازم آئیگا کہ وہ ولی بھی رسول

ہو جائے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ: رسالت اور نبوت کا دروازہ بند ہو گیا۔اس سے ظاہر ہے کہ اس قسم کی معراج جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تھی، کسی ولی کو ہرگز نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اولیاء اللہ کے نزدیک مسلّم ہے کہ حضرت کی معراج جسمانی تھی اور وہ حضرت کا خاصہ تھا کسی ولی کو وہ نصیب نہیں ہو سکتا۔اور جو کوئی نبوت و رسالت کا دعوی کرے وہ جھوٹا ہے۔

مسئلہ معراج میں مرزا صاحب کی کارسازیاں آپ نے دیکھ لیں۔

قیامت کا اثبات م قیامت میں مردے جنت سے نہ نکلیں گے م زمین پر قیامت ہونا یہودانہ خیال ہے

اب مسئلہ قیامت کو دیکھئے کہ کیسی کیسی کارستانیاں کر رہے ہیں۔ ازالۃ الاوہام ص ۳۵۰ میں تحریر فرماتے ہیں:

''قیامت کے دن بحضور رب العالمین حاضر ہونا ان کو بہشت سے نہیں نکالتا کیونکہ یہ تو نہیں کہ بہشت سے باہر کوئی لکڑی وغیرہ کا تخت بچھایا جائے گا اور خدائے تعالی اس پر بیٹھے گا اور کسی قدر مسافت طئے کر کے اس کے حضور میں حاضر ہونا ہوگا تا یہ اعتراض لازم آئے کہ اگر بہشتی بہشت میں داخل شدہ تجویز کئے جائیں تو طلبی کے وقت انہیں بہشت سے نکلنا پڑے گا اور اس لق ودق جنگل میں جہاں تخت رب العالمین بچھایا گیا ہے، حاضر ہونا پڑے گا ایسا خیال تو سراسر جسمانی اور یہودیت کی سرشت سے نکلا ہوا ہے اور حق یہی ہے کہ عدالت کے دن پر ہم ایمان لاتے ہیں اور تخت رب العالمین کے قائل ہیں لیکن جسمانی طور پر اس کا خاکہ نہیں کھینچتے اور اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ اللہ ورسول نے فرمایا ہے وہ سب کچھ ہوگا لیکن ایسے پاک طور پر کہ خدائے تعالی کے تقدس اور تنزہ میں کوئی فرق نہ ہو۔حق یہ ہے کہ اس دن بھی بہشتی بہشت میں ہوں گے اور دوزخی دوزخ میں لیکن رحم الہی کی تجلی راست بازوں اور ایمان داروں پر ایک جدید طور سے لذات کاملہ کی بارش کر کے اور تمام سامان بہشتی زندگی کا حسی اور جسمانی طور پر ان کو دکھا کر اس نئے طور پر کہ دارالسلام میں ان کو داخل کر دے گی۔

حاصل اس کا یہ ہوا کہ نہ نفخ صور ہوگا، نہ مردے زندہ ہوں گے، نہ حساب وکتاب ہے، نہ صحائف اعمال کی جانچ، نہ پل صراط کا معرکہ درپیش ہے، نہ کسی قسم کی پریشانی اس روز ہوگی، نہ کسی کی شفاعت کی ضرورت ہے۔ اور ہزارہا آیات واحادیث وآثار میں جن چیزوں کا ذکر بڑے اہتمام سے خدا ورسول نے کیا ہے سب نعوذ باللہ بے اصل ہے۔ خالص ایمان اسے کہتے ہیں کہ فقط ایمان ہی ایمان ہے جو اس آمیزش واختلاط سے بھی منزہ ہے جو مومن بہ کے ساتھ متعلق ہونے کی وجہ سے ہوا کرتا ہے۔ اگر مرزا صاحب یہ فرمادیتے کہ ایسی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں، اس وجہ سے ہم ان پر ایمان نہ لائیں گے، تو مسلمانوں کو بے فکری ہوجاتی اور سمجھ جاتے کہ فی الحقیقت قیامت کا مسئلہ ایسا ہی ہے کہ ہر شخص کی سمجھ سے باہر ہے۔ نزول قرآن کے وقت جب عقلاء اس کو تسلیم نہ کرسکے تو تیرہ سو برس کے بعد مرزا صاحب کا تسلیم نہ کرنا چنداں بعید نہیں مگر افسوس ہے کہ انہوں نے ایمان کا جھگڑا لگا رکھا۔

مرزا صاحب تخت رب العالمین پر ایمان تو لاتے ہیں مگر لکڑی وغیرہ کے تخت پر نہیں لاتے۔ کیونکہ جب جنت کے باہر لق ودق جنگل میں وہ تخت آئے گا تو لکڑی وغیرہ کا ہوجائے گا جو اس قابل نہیں کہ اس پر ایمان لایا جائے۔ البتہ جب وہ جنت میں بچھے گا تو ایمان لانے کے قابل ہوگا اس لئے کہ نہ وہ لکڑی کا ہوگا نہ کسی چیز کا اب یہ بات غور طلب ہے کہ وہ تخت کیسا ہوگا ؟ کہ تخت تو ہوگا مگر کسی چیز کا نہ ہوگا۔ پھر اگر ایسا تخت ہوسکتا ہے تو جنت کے باہر آنے سے اس کو کون چیز مانع ہے؟ بہر حال مرزا صاحب کو اگر قرآن پر ایمان لانا منظور ہوتا تو جس قسم کا تخت جنت میں تجویز کررہے ہیں جنت کے باہر بھی تجویز کرسکتے مگر ان کو قیامت کا انکار ہی منظور ہے اس لئے اس کی یہ تمہید کی کہ جب تخت رب العالمین آہی نہیں سکتا تو قیامت کے دوسرے واقعات جو اس روز حق تعالی کے روبرو ہوں گے کہاں ؟ اس وجہ سے جتنے آیات واحادیث قیامت کے باب میں وارد ہیں نعوذ باللہ سب خلاف واقع ہیں۔ یہاں مرزا صاحب کی اس تقریر کو بھی یاد کرلیجئے کہ قرآن کا ایک نقطہ کم نہیں ہوسکتا۔



حشر کا حال قرآن وحدیث سے

اب ہم محشر کا تھوڑا سا حال بیان کرتے ہیں تا کہ اہل ایمان کو اس کا تذکّر ہو جائے اور معلوم ہو کہ حشر کا مسئلہ ہمارے دین میں کس قدر مہتم بالشان ہے۔ امام سیوطی رحمہ اللہ درمنثور میں لکھتے ہیں:

”أخرج أحمد و الترمذی و ابن منذر و الحاکم و صححه و ابن مردویه عن ابن عمر رضی اللہ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: من سرہ أن ینظر الی یوم القیمة کأنه رأی عینًا فلیقرأ اذا الشمس کورت۔ و اذا السماء انفطرت۔ و اذاء السماء انشقت“

یعنی فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے: ”اگر کوئی چاہے کہ قیامت کا حال برأی العین مشاہدہ کرلے تو سورۂ اذا الشمس کورت اور و اذا السماء انفطرت اور و اذا السماء انشقت“ پڑھے۔

مردے زندہ ہوکر میدان حشر میں

ان سوروں میں مجملاً قیامت کا بیان ہے کہ اس روز آسمان پھٹ جائیں گے آفتاب اور تمام تارے تیرہ وتار ہوکر گر جائیں گے۔ سمندر خشک ہو جائیں گے۔ دوزخ خوب سلگائی جائے گی۔ مردے زندہ ہوں گے۔ نامۂ اعمال ہر ایک کے اڑاڑ کر اس کے ہاتھ میں آجائیں گے۔

چونکہ حشر زمین پر ہوگا اس لئے اس کی درستی اور صفائی کا یہ اہتمام اس روز ہوگا کہ جتنے سمندر اور دریائیں ہیں سب خشک کر کے اور پہاڑوں اور جھاڑوں کو نکال دے کر زمین کی وسعت بڑھادی جائے گی اور ایسی مسطح بنادی جائے گی کہ کہیں نشیب و فراز باقی نہ رہے اور چونکہ تمام فرشتے بھی زمین پر اتر آئیں گے اس لئے وہ اور بھی کشادہ کی جائے گی جس میں تمام خلائق کی گنجائش ہو ان تمام امور کا ذکر بالتفصیل قرآن شریف میں موجود ہے۔ چند آیات یہاں لکھی جاتی ہیں حق تعالیٰ فرماتا ہے:

”وَیَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ یَنْسِفُهَا رَبِّیْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾ فَیَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ لَّا تَرٰى فِیْهَا عِوَجًا وَّلَاۤ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾ یَوْمَىٕذٍ یَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِیَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾“ (طٰہٰ)

ترجمہ! پوچھتے ہیں تم سے پہاڑوں کا حال سو کہوان سے بکھیر دیگا ان کو میرا رب اڑا کر پھر کر دے گا زمین کو پٹپڑا پر میدان۔ نہ دیکھو گے اس میں موڑ، نہ ٹیلا۔ اس دن پیچھے دوڑیں گے پکارنے والے کے ٹیڑی نہیں جس کی بات۔ اور دب گئیں آوازیں رحمن کے ڈر سے۔ مگر کھس کھسی آواز۔ اس آیت میں صراحۃً مذکور ہے کہ پہاڑ زمین سے نکال دیئے جائیں گے اور زمین مسطح بنادی جائے گی۔

اور ارشاد ہے :قولہ تعالی " وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿۴۷﴾ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۭ ؗ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾ "(الکھف)

ترجمہ اور جس دن ہم چلادیں گے پہاڑ اور تم دیکھو گے زمین کھل گئی اور جمع کریں گے ہم ان کو پھر نہ چھوڑیں ان میں سے ایک کو اور سامنے لائے جائیں گے تمہارے رب کے، قطار کر کے۔ آپہونچے تم ہمارے پاس جیسا ہم نے بنایا تھا تم کو پہلی بار بلکہ تم کہا کرتے تھے کہ نہ ٹھرائیں گے ہم تمہارا کوئی وعدہ۔ انتہی

اس آیت میں صاف مذکور ہے کہ اس مسطح اور ہموار زمین پر سب لوگ اکٹھے کئے جائیں گے اور وہ حق تعالی کے روبرو حاضر ہوں گے اور منکرین حشر کو زجر وتوبیخ ہوگی۔ وقولہ تعالیٰ "وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ" (التکویر:٦)

بخاری شریف میں ہے:"قال الحسن: سجرت: ذھب ماؤھا فلا یبقی قطرۃ" یعنی اس روز سمندر ایسے سوکھ جائیں گے کہ ان میں ایک قطرہ باقی نہ رہے گا۔

امام سیوطی رحمہ اللہ نے بدور سافرہ فی احوال الآخرہ میں لکھا ہے:"عن ابن عباس رضی اللہ عنھما فی قولہ تعالی "یوم تبدل الارض غیر الارض" الآیۃ قال: یزاد فیھا وینقص منھا ویذھب أکامھا وجبالھا وأودیتھا وشجرھا ومافیھا وتمدمد الادیم۔الحدیث" یعنی حق تعالی جو فرماتا ہے:"يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ" اس کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "کہ زمین میں کمی وزیادتی ہوجائے گی۔ ٹیلے، پہاڑ، وادیاں، جھاڑ اور جو کچھ اس میں ہے یہ سب چیزیں نکال دی جائیں گی تاکہ ایک مسطح ہوجائے۔ پھر کھینچ کے مثل ادیم کے کشادہ کی جائے گی۔ چنانچہ حق تعالی فرماتا ہے:"وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ" (سورۃ الانشقاق:٣)



آ کھڑے ہوں گے

الحاصل زمین جب مسطح اور ایسی وسیع کردی جائے گی کہ تمام جن وانس وملائکہ وغیرہم کی اس میں گنجائش ہو، اس وقت تمام مردوں کو حکم ہوگا کہ سب زندہ ہوکر میدان حشر میں آ کھڑے ہوں۔ کماقال تعالی ”ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنظُرُونَ ﴿۶۸﴾“(الزمر) یعنی دوسری بار صور پھونکا جائے گا، جس سے سب مردے فوراً کھڑے ہوجائیں گے۔ اور دیکھنے لگیں گے۔

وقال تعالی ”يَقُولُونَ أَإِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ ﴿۱۰﴾ أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ﴿۱۱﴾ قَالُوا تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ﴿۱۲﴾ فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ فَإِذَا هُم بِالسَّاهِرَةِ ﴿۱۴﴾“ (النازعات) ترجمہ! کہتے ہیں کفار کیا ہم آئیں گے الٹے پاؤں؟ یعنی زمین پر جب ہوچکیں بوسیدہ ہڈیاں۔ یہ تو پھر آنا ٹوٹا ہے۔ پھر وہ تو ایک جھڑکی ہے جس سے یکا یک میدان میں آجائیں گے۔ انتہی

حاصل یہ کہ کفار قیامت کی نسبت بہت باتیں بناتے اور استبعاد ظاہر کیا کرتے تھے کہ یہ کیسا اور وہ کیونکر ہوگا؟ ارشاد ہوا یہ وہ کچھ نہیں، ایک جھڑکی کے ساتھ سب زمین پر آرہیں گے۔

امام سیوطی رحمہ اللہ نے بالساہرہ کی تفسیر میں لکھا ہے: ”عن الضحاک کانوا فی بطن الارض ثم صاروا علی ظھرھا“ یعنی سب مردے زمین کے اندر سے نکل کر اوپر آجائیں گے دیکھ لیجئے ان آیات سے مردوں کا قبروں سے نکلنا اور حق تعالی کے روبرو حاضر ہونا کس قدر ظاہر وواضح ہے۔

مرزا صاحب جوازالۃ الاوہام میں بار بار لکھتے ہیں کہ ”یحمل النصوص علی الظواھر“ سو ان نصوص کو ظاہر پر حمل کرنے سے کون چیز مانع ہے؟ اگر فرمائیں کہ عقل مانع ہے تو کفار بھی یہی کہہ کر کھلے طور پر ایمان لانے سے منکر ہوگئے تھے۔ پھر ایمان کے دعوی کی کیا ضرورت؟

یہ تو منافقوں کی عادت تھی کہ دل میں تو ایمان نہیں، مگر کہتے ضرور تھے کہ ہم مومن ہیں۔

اور جب عقل کو اس قدر غلبہ دیا جاتا ہے کہ خدا کا کلام بھی اس کے مقابلہ میں ہیچ ہے تو براہین احمدیہ میں کیوں فرمایا تھا: ”کہ عقل مغیبات کے دریافت کا آلہ نہیں بن سکتی اور عقل خدا کی حکمتوں کا پیمانہ نہیں بن سکتی“



دھوکہ

اس سے تو ظاہر ہے کہ اس وقت صرف مسلمانوں کو دھوکہ دینا منظور تھا۔

یہ تو زمین کا حال تھا۔ اب آسمانوں کا حال سنئے کہ اس روز کیا ہوگا۔

حق تعالی فرماتا ہے: ”واذا السماء انفطرت‘ واذا السماء انشقت‘ واذا السماء کشطت‘ یوم نطوی السماء کطی السجل للکتب“ یعنی آسمان چر جائیں گے۔ پھٹ جائیں گے۔ اس کا پوست کھینچا جائے گا۔ لپیٹ دیئے جائیں گے۔ جیسے طومار میں کاغذ لپیٹا جاتا ہے۔

اور تاروں کی نسبت ارشاد ہے: ” اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ وَإِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝ واذا الکواکب انتثرت“ یعنی آفتاب اور تارے تیرہ وتار ہوکر جھڑ جائیں گے۔ اس سے ظاہر ہے کہ آسمانی نظم ونسق درہم برہم ہوکر وہ کارخانہ ہی طئے کردیا جائے گا اور کل ساکنین فلک کا مجمع زمین پر ہوجائے گا۔ کما قال تعالیٰ: ”كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۝ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝ وَجِايْٓءَ يَوْمَىِٕذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَىِٕذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ۝ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ۝ فَيَوْمَىِٕذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ۝ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ۝ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ ۝ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۝ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۝“ (الفجر)

ترجمہ! جب پست کرے زمین کو کوٹ کوٹ اور آئے تمہارا رب اور فرشتے آئیں قطار قطار۔ اور لائی جائے اس دن دوزخ۔ یاد کرے گا اس روز انسان اور کہاں ہے اس دن سوچنا کہے گا کاش میں کچھ آگے بھیجتا اپنی زندگی میں۔ اور عذاب نہ کرے اس عذاب کے مانند کوئی۔ اور باندھ نہ رکھے اس کا سا باندھنا کوئی۔ کہا جائے گا مسلمانوں کی ارواح کو، اے نفس مطمئنہ! پھر چل اپنے رب کی طرف تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ داخل ہوجا میرے خاص بندوں میں۔ اور داخل ہوجا میری جنت میں۔ انتہی

حاصل یہ کہ تمام آسمانوں کے فرشتے زمین پر اتر آئیں گے۔ اور ہر ہر آسمان کے فرشتے ایک ایک جدا صف باندھ کر کھڑے ہوجائیں گے۔ جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ اس وقت مسلمانوں کو جنت میں داخل ہونے کا حکم ہوگا۔

آیت موصوفہ میں ”وجاء ربک“ سے اگرچہ صاف طور پر ظاہر ہے کہ حق تعالی کا عرش زمین کی جانب نزول فرمائے گا؛ مگر چونکہ ہمارے اذہان اس قسم کے الفاظ سے اسی معنی کی طرف منتقل ہوتے ہیں جو ہماری بول چال میں جسمانیات سے متعلق ہیں۔ اور حقیقت مجیئ جو لائق شان کبریائی ہے سمجھ میں نہیں آسکتی، اس لئے اس مقام میں یہ تاویل کی جاتی ہے کہ حق تعالی اس روز خاص طور پر کسی قسم کی تجلی فرمائے گا۔ اور ارشاد ہے: ”وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿۱۷﴾“ (الحاقۃ) یعنی تمہارے رب کے عرش کو اس روز آٹھ فرشتے اٹھائیں گے۔

امام سیوطی رحمہ اللہ نے درمنثور میں لکھا ہے: ”عن ابن زید قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحملہ الیوم أربعۃ ویوم القیامۃ ثمانیۃ“ یعنی آج عرش کو چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔ اور قیامت کے روز آٹھ فرشتے اٹھائیں گے۔ اور اس وجہ سے کہ آفتاب چاند اور تارے ٹوٹ پھوٹ جائیں گے زمین پر سوائے خدا کے نور کے کوئی نور نہ ہوگا۔ کما قال تعالی ”وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا“ (الزمر: ۶۹) یعنی روشن ہوجائے گی زمین اپنے رب کے نور سے۔

اور ظاہری قربت کی یہ حالت ہوگی کہ ہر شخص کو دولت ہم کلامی نصیب ہوگی۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے: ”عن عدی ابن حاتم قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ما منکم من أحد اِلا سیکلمہ اللہ یوم القیمۃ لیس بینہ وبینہ ترجمان“ الحدیث یعنی تم میں سے ہر شخص کے ساتھ حق تعالی ایسے طور پر کلام کرے گا کہ کوئی ترجمان درمیان میں نہ ہوگا۔

زمین محشر میں پچاس ہزار برس رہنا ہوگا

علامہ زمخشری نے کشاف میں لکھا ہے کہ محشر کا روز جو پچاس ہزار سال کا ہوگا اس میں پچاس موطن ومقامات ہوں گے۔ ایک ایک مقام میں ہزار ہزار سال لوگ ٹھریں گے۔ ہر مقام کے حالات ولوازم جداگانہ ہیں جو آیات واحادیث سے ثابت ہیں۔ اگر وہ تمام ایک جگہ جمع کئے جائیں تو ایک بڑی کتاب ہوجائے۔

چنانچہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے بدور السافرہ فی احوال الآخرہ میں یہی کام کیا ہے۔ اور اس

باب میں اور بھی کتابیں موجود ہیں۔ طالبین حق کو ضرور ہے کہ ان کتابوں کو جو چھپ گئی ہیں دیکھ کر اپنے اسلامی عقائد کو مستحکم کرلیں۔ کیونکہ علماء نے اپنی عمر عزیز کا ایک بیش بہا حصہ صرف کرکے مختلف مقامات سے آیات واحادیث کو جمع کرنے کی محنت، اور تحقیق کی مشقت، جو گوارا کی ہے؛ اس سے صرف ہماری خیر خواہی مقصود تھی۔ اگر ہم اپنا تھوڑا سا وقت وہ بھی اپنے ہی نفع کے لئے صرف کرکے اس کو دیکھیں بھی نہیں تو کمال درجہ کی بے قدری ہے۔

غرض آیات واحادیث تو اس باب میں بہت ہیں مگر تھوڑے سے یہاں بقدر ضرورت لکھی جاتی ہیں۔ بخاری شریف میں ہے:

"عن ابن عمر رضی اللہ عنهما عن النبی صلی اللہ علیه وسلم: یوم یقوم الناس لرب العالمین قال یقوم احدهم فی رشحه الی انصاف اذنیه" یعنی لوگ جو خدائے تعالی کے روبرو کھڑے ہوں گے ان میں بعضوں کا یہ حال ہوگا کہ آدھے کانوں تک پسینے میں ڈوبے ہوئے ہوں گے اور یہ روایت بھی بخاری شریف میں ہے۔ **"عن ابی هریرة رضی اللہ عنه ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال: یعرق الناس یوم القیامة حتی یذهب عرقهم الی الارض سبعین ذراعاً ویلجمهم حتی یبلغ آذانهم"**

محشر میں پسینہ کی حالت

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: لوگوں کا پسینہ قیامت کے روز اس قدر ہوگا کہ ستر ہاتھ زمین کے اندر اتر جائے گا۔ اور پسینہ کی وجہ اس حدیث شریف میں بیان کی گئی ہے جس کو امام احمد اور طبرانی نے روایت کی ہے: **"عن ابی امامة رضی اللہ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: تدنو الشمس یوم القیامة علی قدر میل ویزداد فی حرها کذا وکذا یغلی منه الهوام کما تغلی القدور علی الاثافی یعرقون منها علی قدر خطایاهم ومنهم من یبلغ الی کعبیه ومنهم من یبلغ الی ساقیه ومنهم من یبلغ الی وسطه ومنهم من یلجمه العرق"** یعنی قیامت کے روز آفتاب زمین سے ایک میل کے فاصلہ پر آجائیگا اور اس کی گرمی اس قدر بڑھ

جائے گی کہ حشرات الارض ایسے جوش کھائیں گے؛ جیسے دیگ چولھے پر جوش کھاتی ہے۔لوگوں پر اس کا اثر بقدر گناہ ہوگا۔بعضوں کو پسینہ ٹخنوں تک پہونچے گا،اور بعضوں کو کمر،اور بعضوں کو منہ تک پہونچے گا۔جن کو خدائے تعالی کی قدرت پر ایمان نہیں اس قسم کی باتوں پر وہ ایمان نہیں لا سکتے۔اور وجہ اس کی سوائے شقاوت کے اور کوئی نہیں۔ورنہ یہ امر مشاہد ہے کہ سخت دھوپ میں گرم مزاج لوگ ہلاک ہوجاتے ہیں۔اور جن کی طبیعت پر برودت غالب ہوتی ہے؛وہ اس سے انتفاع اور لذت اٹھاتے ہیں۔اگر چہ ظاہری اسباب اس کے حرارت و برودت مزاج ہیں مگر آخری مدار ان کا تخلیق خالق ہی پر ہوگا۔پھر اگر خالق اس روز بحسب اعمال پسینہ کی تخلیق مختلف طور پر کرے؛تو عقل کو اس میں کیا کلام؟ اس روز کی حالت کو حق تعالیٰ چند مختصر مگر نہایت پر اثر الفاظ میں بیان فرماتا ہے:"یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِۙ﴿۳۴﴾ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِیْهِۙ﴿۳۵﴾ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِیْهِؕ﴿۳۶﴾ لِكُلِّ امْرِیٍٔ مِّنْهُمْ یَوْمَىٕذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِؕ﴿۳۷﴾" (عبس) ترجمہ! جس دن بھاگے مرد؛اپنے بھائی سے،اور اپنے ماں باپ سے،اور اپنی زوجہ سے،اور اپنے بیٹوں سے،ہر شخص کو اس روز ایک فکر لگی ہے،جو اس کو بس ہے۔

ہر صاحب عقل سلیم اور تخئیل صحیح غور کر سکتا ہے کہ اس روز کیسی حالت ہوگی جس کے یہ آثار ہوں گے۔بخاری،مسلم،ترمذی وغیرہ میں یہ روایت ہے:"عن ابی هریرہ رضی اللہ عنہ قال:قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: انا سید الناس یوم القیمة وهل تدرون مما ذلک یجمع اللہ الاولین والاخرین فی صعید واحد لیسمعهم الداعی وینفذهم البصر وتدنو الشمس منهم فیبلغ الناس من الغم الکرب مالا یطیقون ولا یحتملون فیقول بعض الناس لبعض: الا ترون ما قد بلغکم الا تنظرون من یشفع لکم الی ربکم فیقول بعض الناس لبعض ائتوا آدم فیأتون آدم فیقولون یا آدم أنت أبونا أنت ابو البشر خلقک اللہ بیده ونفخ فیک من روحه وامر الملئکة فسجدوا الک اشفع لنا الی ربک ألا تری ما نحن فیه؟ألا تری الی ماقد بلغنا؟فیقول لهم آدم: ان ربی قد غضب الیوم غضبا لم یغضب قبله مثله ولن یغضب بعده مثله وانه نهانی عن الشجرة فعصیته نفسی نفسی نفسی اذهبوا الی غیری اذهبوا الی نوح فیاتون نوحاً فیقولون یا نوح انت اول الرسل الی اهل الارض وسماک

اللہ عبداً شکوراً اشفع لنا الی ربک الا تری مانحن فیہ الاتری ماقد بلغنا فیقول لھم نوح ان ربی قد غضب الیوم غضبا لم یغضب قبلہ مثلہ و لن یغضب بعدہ مثلہ و انہ قد کانت لی دعوۃ دعوت بھا علی قومی نفسی نفسی نفسی اذھبوا الی غیری اذھبوا الی ابراھیم فیاتون ابراھیم فیقولون یا ابراھیم انت نبی اللہ و خلیل اللہ من اھل الارض اشفع لنا الی ربک الا تری مانحن فیہ الاتری ما قد بلغنا فیقول لہ ابراھیم ان ربی تعالی قد غضب الیوم غضبا لم یغضب قبلہ مثلہ و لن یغضب بعدہ مثلہ و انی قد کنت کذبت ثلث کذبات نفسی نفسی نفسی اذھبوا الی غیری اذھبوا الی موسی فیأتون موسی فیقولون یا موسی أنت رسول اللہ فضلک اللہ برسالاتہ و بتکلیمہ علی الناس اشفع لنا الی ربک الا تری الی مانحن فیہ الاتری الی ماقد بلغنا؟ فیقول لھم موسی: اِن ربی قد غضب الیوم غضبا لم یغضب قبلہ مثلہ و لن یغضب بعدہ مثلہ و انی قد قتلت نفسا لم او مر بقتلھا نفسی نفسی نفسی اذھبوا الی غیری اذھبوا الی عیسی فیاتون عیسی فیقولون یا عیسی انت رسول اللہ و کلمتہ القاھا الی مریم وروح منہ و کلمت الناس فی المھد اشفع لنا الی ربک الا تری ما نحن فیہ الا تری ماقد بلغنا فیقول لھم عیسی ان ربی قد غضب الیوم غضبا لم یغضب قبلہ مثلہ و لن یغضب بعدہ مثلہ نفسی نفسی نفسی اذھبوا الی غیری اذھبوا الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم فیأتون محمدا صلی اللہ علیہ وسلم فیقولون یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم انت رسول اللہ و خاتم الانبیاء وغفر اللہ لک ماتقدم من ذنبک و ما تأخر اشفع لنا الی ربک الاتری ما نحن فیہ الاتری الی ماقد بلغنا فانطلق فاتی تحت العرش فاقع ساجد الربی ثم یفتح اللہ علیَّ و یلھمنی من محامدہ و حسن الثناء علیہ شیأً لم یفتح لاحد قبلی ثم یقال یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ارفع راسک سل تعطہ و اشفع تشفع فارفع راسی فاقول یا رب امتی امتی فیقال یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ادخل الجنۃ من امتک من الحساب علیہ من الباب الایمن من ابواب الجنۃ وھم شرکاء الناس فیما سوی ذلک من الابواب والذی نفسی بیدہ ان ما بین المصراعین من مصاریع الجنۃ

کما بین مکۃ وھجر او کما بین مکۃ وبصری کذا فی کنز العمال'' یعنی بخاری مسلم وغیرہ میں روایت ہے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: ''قیامت کے روز میں تمام آدمیوں کا سردار ہوں گا جانتے ہو اس کی کیا وجہ ہے؟

خدائے تعالیٰ تمام اولین وآخرین کو ایک ایسی زمین میں جمع کرے گا کہ پکارنے والے کی آواز سب سن لیں۔ اور دیکھنے والا سب کو دیکھ لے۔ اور آفتاب نہایت نزدیک آجائے گا۔ جس سے لوگوں کو اس قدر غم اور سختی ہوگی کہ برداشت کی طاقت نہ رہے گی۔ اس وقت لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے؛ کیا دیکھتے نہیں کیسی حالت گذر رہی ہے؟ کسی ایسے شخص کی تلاش کرنے کی ضرورت ہے کہ خدائے تعالیٰ سے ہماری شفاعت کرے۔ اور اس بلا سے ہمیں نجات دے۔ آخر یہ رائے قرار پائے گی کہ آدم علیہ السلام کے پاس جائیں۔ چنانچہ ان کے پاس جا کر کہیں گے: ''حضرت آپ ہمارے اور تمام بشر کے باپ ہو۔ حق تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا۔ اور آپ میں اپنی روح پھونکی۔ اور فرشتوں کو حکم کیا کہ آپ کو سجدہ کریں؛ اپنے رب سے ہماری شفاعت کیجئے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ کس حالت میں ہم لوگ مبتلا ہیں؟ آدم علیہ السلام کہیں گے کہ آج خدائے تعالیٰ ایسا غضب ناک ہے کہ ایسا نہ کبھی پیش تر ہوا تھا نہ آئندہ کبھی ہوگا۔ مجھ کو اس جھاڑ کے پاس جانے سے منع فرمایا تھا؛ مگر مجھ سے نافرمانی ہوگئی۔ آج مجھے اپنے ہی نفس کی فکر ہے۔ تم لوگ اور کسی کے پاس جاؤ۔ نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ؛ تو اچھا ہے۔ وہ سب نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ: ''آپ پہلے رسول ہیں جو اہل زمین کی طرف بھیجے گئے تھے۔ آپ کا نام اللہ تعالیٰ عبد شکور رکھا۔ اپنے رب سے ہماری شفاعت کیجئے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس حالت میں مبتلا ہیں؟ نوح علیہ السلام کہیں گے کہ خدائے تعالیٰ آج ایسا غضب ناک ہے کہ نہ کبھی ہوا تھا نہ کبھی ہوگا۔ میرے لئے ایک دعا مقرر تھی؛ جو رد نہ ہو، سو وہ دعا میں نے اپنی قوم کے ہلاک کے لئے کی۔ آج مجھے اپنے ہی نفس کی فکر ہے، تم اور کہیں جاؤ۔ اگر ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ، تو اچھا ہے۔ وہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ: ''حضرت آپ نبی اللہ اور خلیل اللہ ہیں اپنے رب سے ہماری شفاعت کیجئے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کیسی حالت میں مبتلا ہیں؟ وہ بھی فرمائیں گے کہ جیسے آج حق تعالیٰ غضب کی حالت میں ہے نہ ایسا کبھی ہوا

اور نہ آئندہ ہوگا۔ میں نے تین جھوٹ کہے تھے۔ اس لئے مجھے آج اپنے ہی نفس کی فکر ہے۔ کسی اور کے پاس جاؤ۔ اگر موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، تو اچھا ہے۔ وہ سب موسیٰ علیہ السلام کے پاس جا کر کہیں گے: ''اے موسیٰ آپ اللہ کے رسول ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی رسالتوں اور کلام سے سب پر بزرگی دی۔ کیا ہماری حالت آپ نہیں دیکھتے؟ رحم کیجئے۔ اور اپنے رب سے ہماری شفاعت کیجئے۔ وہ بھی فرمائیں گے کہ خدائے تعالیٰ جیسے آج غضب ناک ہے نہ کبھی ہوا نہ ہوگا۔ میں نے ایک شخص کو بغیر حکم کے مار ڈالا تھا۔ مجھے آج اپنے ہی نفس کی پڑی ہے۔ تم اور کہیں جاؤ۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، تو اچھا ہے۔ وہ سب عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جا کر کہیں گے: ''حضرت آپ اللہ کے رسول اور اس کے کلمہ ہو؛ جو مریم کی طرف ڈالا تھا۔ اور روح اللہ ہو۔ گہوارہ میں آپ نے لوگوں سے بات کی۔ ہماری حالت پر رحم کر کے؛ اپنے رب سے ہماری شفاعت کیجئے۔ وہ بھی یہی کہیں گے کہ جیسے آج حق تعالیٰ غضب کی حالت میں ہے نہ ویسا کبھی ہوا تھا نہ ہوگا۔ آج مجھے اپنے ہی نفس کی فکر ہے۔ تم اور کہیں جاؤ۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ تو اچھا ہے۔ وہ سب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ اور عرض کریں گے: ''کہ حضرت آپ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں اور خدائے تعالیٰ نے اگلے اور پچھلے گناہ آپ کے معاف کر دیئے۔ دیکھئے ہم کس حالت میں مبتلا ہیں ہماری شفاعت اپنے رب سے کیجئے۔ اس وقت میں عرش کے نیچے جا کر سجدہ میں گروں گا۔ اور محامد وثنائے الٰہی کے وہ الہامی مضامین میرے دل پر منکشف ہوں گے، جو کسی پر کبھی ہوئے نہ تھے۔ حکم ہوگا کہ: ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر اٹھاؤ۔ جو تم چاہو گے؛ وہ دیا جائے گا۔ اور شفاعت کرو گے؛ تو قبول کی جائے گی۔ اس وقت میں سر اٹھاؤں گا اور عرض کروں گا: اے رب امتی امتی یعنی میری امت کو نجات دے۔ ارشاد ہوگا: ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی امت سے ان لوگوں کو جن پر حساب وکتاب نہیں ہے؛ جنت کے سیدھی جانب کے دروازے سے جنت میں داخل کر دو۔ اور اس کے سوا دوسرے دروازوں سے بھی وہ جا سکتے ہیں۔ قسم ہے خدائے تعالیٰ کی جنت کے دروازوں کی مسافت ایک پٹ سے دوسرے پٹ تک اتنی ہے؛ جتنی مکہ سے ہجر کی یا مکہ سے بصریٰ کی ہے۔ انتہی



مرزا صاحب کا الہام جھوٹا ثابت ہوا

یہ حدیث بخاری و مسلم وغیرہ میں مذکور ہے جس کی صحت میں کوئی کلام نہیں۔ اس سے ثابت ہے کہ قیامت کے روز تمام انبیائے اولوالعزم اپنی اپنی لغزشیں یاد کرکے خائف وترساں رہیں گے۔ اور مرزا صاحب کہتے ہیں کہ: خدا نے ان کو اگلے پچھلے گناہ معاف کر کے بے فکر کر دیا۔ اور اب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ میں ہیں۔ کیا فی الواقع ایسا الہام کرکے خدائے تعالی ان کو تمام انبیاء سے افضل بنا دیا ہوگا؟ میری دانست میں کوئی مسلمان اس کا قائل نہیں ہوگا کہ وہ تمام انبیاء سے افضل اور بارگاہ کبریائی میں سب سے زیادہ مقرب ہیں۔

بات یہ ہے کہ ایسے الہاموں میں اکثر شیطان دھوکہ دے دیا کرتا ہے اور آدمی کو اپنی فضیلت کی خوشی میں کچھ نہیں سوجھتا اور سمجھ جاتا ہے کہ سچ مچ خدا ہی کی طرف سے وہ الہام ہے۔ یہ حکایت مشہور ہے کہ کسی زاہد پر شیطان نے وحی کی (بمصداق یوحی بعضھم الی بعض زخرف القول غرورا) کہ "میں جبرئیل ہوں۔ اور آپ کے لئے براق لے آیا ہوں۔ چلئے آج آپ کی معراج ہے۔ مگر آنکھوں کو پہلے پٹی باندھ لیجئے۔ چنانچہ انہوں نے اس خوشی میں کہ آج اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رتبہ ہوتے ہیں آنکھوں کو پٹی باندھ، خدا کا شکر کرتے ہوئے، براق پر سوار ہوئے؛ جو دراصل گدھا تھا۔ شیطان نے رسوائی کی غرض سے تمام شہر میں ان کی تشہیر کر کے کسی ویرانہ میں لے جا کر چھوڑ دیا۔ الغرض شیطان آدمی کا سخت دشمن ہے، اقسام کی تدبیریں کر کے رسوا بلکہ خسر الدنیا والآخرۃ بنا دیتا ہے۔

یہ بحث عارضی تھی، اصل کلام روز قیامت کے احوال میں تھا۔ بخاری شریف میں ہے:

"عن ابن عباس رضی اللہ عنھما قال: خطب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: اِنکم محشورون الی اللہ عزوجل عراۃً عزلاً کما بدأنا اول خلق نعیدہ وعداً علینا انا کنا فاعلین ثم اول من یکسی یوم القیمۃ ابراھیم علیہ السلام انہ یجاء برجال من امتی فیوخذبھم ذات الشمال فاقول اصحابی فیقال: لاتدری ما أحدثوا بعدک"

بخاری صفحہ ۶۹۳ یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں فرمایا ''کہ تم لوگوں کا حشر اللہ تعالی کے روبرو ایسے طور پر ہوگا کہ سب برہنہ اور بے ختنہ ہوں گے جیسا کہ حق تعالی فرماتا ہے: ''کَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ'' الآیۃ یعنی جیسے اول خلقت میں ہم نے ان کو پیدا کیا تھا اسی طرح ان کو دوبارہ پیدا کریں گے۔ یہ وعدہ ہمارے ذمہ ہے؛ جس کو ہم پورا کرنے والے ہیں۔ پھر قیامت کے روز پہلے ابراہیم علیہ السلام لباس پہنائے جائیں گے۔ میری امت سے چند شخصوں کو بائیں طرف یعنی دوزخ کی جانب لے جائیں گے۔ میں کہوں گا کہ: یہ تو میرے اصحاب یعنی (امتی) ہیں۔ کہا جائے گا کہ: آپ کو معلوم نہیں انہوں نے آپ کے بعد کیسی کیسی نئی باتیں نکالی تھیں۔ انتہی

اور بخاری شریف میں ہے: ''عن انس رضی اللہ عنہ ان رجلا قال: یا نبی اللہ یحشر الکافر علی وجھہ یوم القیمۃ۔ قال: الیس الذی امشاہ علی الرجلین فی الدنیا قادراً علی ان یمشیہ علی وجھہ یوم القیمۃ؟'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا: کیا کافر حشر میں منھ کے بل چلے گا؟ فرمایا: ''جس نے دنیا میں اس کو پاؤں پر چلایا تھا؛ کیا اس بات پر قادر نہیں کہ قیامت میں اس کو منہ پر چلائے؟ انتہی

ان احادیث اور آیت موصوفہ سے ظاہر ہے کہ قیامت میں پورا جسمانی کارخانہ قائم ہوجائے گا۔ کیونکہ قبروں سے برہنہ اور بے ختنہ اٹھنا، اور منھ کے بل چلنا، اور پسینہ جاری ہونا وغیرہ امور اس پر دلیل قطعی ہیں۔

مثل کافروں کے مرزا صاحب

اب اگر مرزا صاحب کو خدا و رسول کی بات ماننے میں یہودیت کا خوف ہے؛ تو وہ یہودیت سے بھی بدتر ہے۔ اس لئے کہ کل کفار کا یہی طریقہ رہا کہ خدا و رسول کی بات پر کوئی نہ کوئی الزام قائم کردیا کرتے تھے۔ اس کے بعد اعمال نامے ہر طرف سے اڑ جائیں گے۔ اور ہر ایک کے ہاتھ میں آجائیں گے۔ چنانچہ حق تعالی فرماتا ہے:

"وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتۡ"(سورۃ التکویر: آیت :۱۰) وقولہ تعالی " یَوۡمَئِذٍ تُعۡرَضُوۡنَ لَا تَخۡفٰی مِنۡکُمۡ خَافِیَۃٌ ﴿۱۸﴾ فَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَہٗ بِیَمِیۡنِہٖ ۙ فَیَقُوۡلُ ہَآؤُمُ اقۡرَءُوۡا کِتٰبِیَہۡ ﴿۱۹﴾ اِنِّیۡ ظَنَنۡتُ اَنِّیۡ مُلٰقٍ حِسَابِیَہۡ ﴿۲۰﴾ فَہُوَ فِیۡ عِیۡشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ ﴿۲۱﴾ فِیۡ جَنَّۃٍ عَالِیَۃٍ ﴿۲۲﴾ قُطُوۡفُہَا دَانِیَۃٌ ﴿۲۳﴾ کُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا ہَنِیۡٓـئًۢا بِمَاۤ اَسۡلَفۡتُمۡ فِی الۡاَیَّامِ الۡخَالِیَۃِ ﴿۲۴﴾ وَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَہٗ بِشِمَالِہٖ ۬ۙ فَیَقُوۡلُ یٰلَیۡتَنِیۡ لَمۡ اُوۡتَ کِتٰبِیَہۡ ﴿۲۵﴾ وَلَمۡ اَدۡرِ مَا حِسَابِیَہۡ ﴿۲۶﴾ یٰلَیۡتَہَا کَانَتِ الۡقَاضِیَۃَ ﴿۲۷﴾ مَاۤ اَغۡنٰی عَنِّیۡ مَالِیَہۡ ﴿۲۸﴾ ہَلَکَ عَنِّیۡ سُلۡطٰنِیَہۡ ﴿۲۹﴾ خُذُوۡہُ فَغُلُّوۡہُ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ الۡجَحِیۡمَ صَلُّوۡہُ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ فِیۡ سِلۡسِلَۃٍ ذَرۡعُہَا سَبۡعُوۡنَ ذِرَاعًا فَاسۡلُکُوۡہُ ﴿۳۲﴾"(الحاقّۃ)

ترجمہ! اس دن سامنے جاؤ گے۔ چھپ نہ رہے گا چھپنے والا۔ سو جس کو ملا نامۂ اعمال سیدھے ہاتھ میں کہے گا: "لی جیو پڑھو میرا نامہ مجھے اعتقاد تھا کہ ملتا ہے میرا حساب۔ سو وہ پسندیدہ عیش میں رہے گا۔ جنت میں جس کے میوے جھک رہے ہیں۔ کھاؤ خوش گوار جو آگے بھیجا تم نے پہلے دنوں میں۔ اور جس کو ملا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں کہے گا:" کاش مجھے نہ ملتا میرا لکھا اور مجھ کو خبر نہ ہوتی کہ کیا حساب ہے میرا۔ اے کاش موت ہی میرا کام آخر کر دیتی۔ کچھ کام نہ آیا مجھ کو میرا مال۔ زائل ہوگئی مجھ سے حکومت۔ کہا جائے گا کہ: اس کو پکڑو، پھر طوق ڈالو، پھر آگ کے ڈھیر میں اس کو بٹھاؤ، پھر ایک زنجیر میں جس کا ناپ ستر گز ہے، اس کو جکڑو۔ انتہی

اور حدیث میں ہے جس کو احمد عبد بن حمید اور ترمذی اور ابن ماجہ اور ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے رویت کی ہے: **"عن ابی موسی رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یعرض الناس ثلاث عرضات فأما عرضتان فجدال و معاذیر و أما الثالثۃ فعند ذلک تطایر الصحف فی الایدی فأخذ بیمینہ وأخذ بشمالہ" کذا فی الدر المنثور للامام السیوطی**

یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: اعمال تین بار پیش کئے جائیں گے: دو بار تو جھگڑے اور عذر خواہیاں رہیں گی، تیسرے بار اعمال نامے اڑ اڑ کر ہاتھوں میں آجائیں گے۔ کسی کے داہنے ہاتھ میں اور کسی کے بائیں ہاتھ میں۔ انتہی

اور اعمال کے تلنے کا بھی ایک بڑا معرکہ ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے: "وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ ج " (سورۃ الاعراف: آیت: ۸) وقولہ تعالی: "فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾" (المؤمنون) ترجمہ! جن کے بھاری ہوئیں تولیں؛ وہی راست گار ہوں گے۔ اور جن کی ہلکی ہوئیں تولیں؛ وہی ہیں جو ہار بیٹھے ہیں جان دوزخ میں رہیں گے۔

اور ارشاد ہے: قولہ تعالی "وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ط وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ط وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾" (الانبیاء) ترجمہ! اور رکھیں گے ہم ترازوئیں انصاف کی قیامت کے دن۔ پھر ظلم نہ ہوگا کسی شخص پر ایک ذرہ۔ اور اگر ہوگا برابر رائی کے دانہ کے وہ بھی ہم لے آئیں گے۔ اور ہم بس ہیں حساب کرنے والے۔ انتہی اور حق تعالیٰ فرماتا ہے:

"حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾" (حم السجدۃ) وقولہ تعالی "اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾" (یٰس) یعنی ان کے منھ پر اس روز مہر کر دی جائے گی۔ اور ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء سے گواہی طلب کی جائے گی۔ اور ہر عضو جو کچھ دنیا میں کام کیا تھا پورا پورا کہہ دیگا۔ اور ارشاد ہے: "وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا" (مریم: ۷۱) ترجمہ! اور کوئی نہیں تم میں جو نہ پوچھے گا دوزخ پر جو ہو چکا تمہارے رب پر ضرور مقرر۔ انتہی

اور امام سیوطی رحمہ اللہ نے درمنثور میں نقل کی ہے:

"عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ فی قولہ وان منکم الا واردھا قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یردون الناس کلھم النار ثم یصدرون عنھا بأعمالھم فاوّلھم کلمح البرق ثم کالریح ثم کحفر الفرس ثم کالراکب فی رحلہ ثم کشد الرجل ثم کمشیہ"

یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: کل آدمی دوزخ پر آئیں گے۔ اور بقدر اعمال اس پر سے گذریں گے۔ بعض برق کی طرح، بعض ہوا کی، بعض گھوڑے کے دوڑ کی، اور بعض اونٹ کے، اور بعض آدمی کے دوڑنے اور چلنے کی طرح۔ انتہی اور بخاری شریف میں یہ روایت ہے: ”عن ابی سعید الخدری قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یقول اللہ یوم القیامۃ یا آدم یقول لبیک ربنا وسعدیک فینادی بصوت ان اللہ یامرک ان تخرج من ذریتک بعثا الی النار قال: یارب وما بعث النار قال: من کل الف اراہ قال: تسع مائۃ وتسعۃ وتسعین“ (صفحہ ۶۹۳) یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے: ”کہ حق تعالی قیامت کے روز فرمادے گا: ”یا آدم! وہ جواب میں عرض کریں گے: ”لبیک ربنا وسعدیک“ پھر ندا ہوگی بلند آواز سے کہ اللہ تعالی تم کو حکم فرماتا ہے کہ اپنی اولاد سے دوزخ کا لشکر جدا کرو!

عرض کریں گے: ”کس قدر“ ارشاد ہوگا: ”ہر ہزار سے ایک کم ہزار۔ انتہی پھر وہ مصیبت کا روز معمولی بھی نہ ہوگا کہ چار پہر کسی طرح گذر جائیں۔ بلکہ ابتدائے تخلیق سے قیامت تک جتنی عمر اس عالم دنیوی کی ہے؛ وہ ایک روز، درازی میں گویا اس تمام کے برابر اور ہم پہلو ہوگا۔ چنانچہ حق تعالی فرماتا ہے: ”کہ وہ پچاس ہزار برس کا دن ہوگا۔ کما قال تعالی: ”سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ﴿۱﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۙ﴿۲﴾ مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ؕ﴿۳﴾ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ﴿۴﴾ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ﴿۵﴾“ (المعارج)

ترجمہ! درخواست کرتا ہے درخواست کرنے والا اس عذاب کی جو واقع ہونے والا ہے، کافروں کے واسطے اللہ کی طرف سے جو مرتبوں والا ہے۔ چڑھیں گے اس کی طرف فرشتے اور روح اس دن جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی ہے۔ سو صبر کرو اچھا صبر۔ انتہی یعنی جتنے فرشتے دنیا میں مختلف کاموں پر مامور ہیں۔ اس روز تمام آسمانوں پر چڑھ جائیں گے۔ غرض کہ قیامت کا دن پچاس ہزار برس کا ہونا اور اس میں اقسام کے مصائب کا پیش آنا قرآن شریف کی بیسوں آیات اور صدہا احادیث سے ثابت ہے۔ جس کو ذرا بھی ایمان ہو اس میں ہرگز شک نہیں کرسکتا۔

اس پر بھی جن لوگوں کو شک ہو حق تعالی ان کو عقلی طریقہ سے سمجھا تا ہے: کما قال تعالی ”

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ؕ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ﴿۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۶﴾ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿۷﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿۸﴾ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۹﴾ “ (الحج)

ترجمہ! اے لوگو اگر تم کو شک ہے جی اٹھنے میں تو (دیکھو) کہ ہم نے تم کو بنایا مٹی سے، پھر نطفہ سے، پھر خون بستہ سے، پھر مضغہ گوشت سے۔ صورت بنی ہوئی اور نہ بنی ہوئی۔ یہ اس واسطے کہ تم کو ظاہر طور پر معلوم کرا دیں۔ اور ٹھیرا رکھتے ہیں ہم رحم میں جو کچھ چاہتے ہیں ایک میعاد مقرر تک۔ پھر تم کو نکالتے ہیں لڑکا۔ پھر جب تک پہونچو اپنی جوانی کے زور کو۔ اور بعضے تم میں سے مر جاتے ہیں۔ اور بعضے پھیرے جاتے ہیں ارذل عمر تک۔ تا سمجھ کے پیچھے کچھ نہ سمجھنے لگیں۔ اور تم دیکھتے ہو زمین خشک پر جہاں ہم نے اتارا اس پر پانی تازی ہوئی اور ابھری اور اُگائیں، ہر قسم کی رونق کی چیزیں۔ یہ اس واسطے کہ اللہ ہی ہے حق۔ اور وہ جلاتا ہے مردے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ اور یہ کہ اللہ اٹھادے گا قبر میں پڑے ہوؤں کو۔ اور بعض لوگ ہیں جو جھگڑتے ہیں اللہ کے بات میں بغیر علم کے، اور بغیر ہدایت کے، اور بغیر کتاب روشن کے۔ اپنی گردن موڑ کر گمراہ کریں، اللہ کی راہ سے۔ ان کو دنیا میں رسوائی ہے اور چکھادیں گے، ہم ان کو قیامت کے دن جلن کا عذاب۔ انتہی

اس آیت شریفہ میں حق تعالی ان لوگوں کو جو قیامت کے قائل نہیں کئی مثالوں سے سمجھاتا ہے کہ تم اپنی ہی پیدائش کو دیکھ لو کہ کس قدر عقل کے خلاف ہے، مٹی سے نباتات اور ان سے نطفہ اور اس سے علقہ اور اس سے مضغہ اور اس سے آدمی بنتا ہے۔ پھر تم پر کیسے کیسے انقلابات آتے ہیں کبھی لڑکے کبھی جوان کبھی بعد کمال عقل کے بے وقوف محض۔ اور زمین ہی کو دیکھ لو کہ خشک ہونے کے بعد ہمارے حکم سے کیسی لہلہانے لگتی ہے۔ اس سے سمجھ سکتے ہو کہ خدائے تعالی جو ہمیشہ اس عالم میں انقلابات پیدا کیا کرتا ہے، اس انقلاب اخروی پر بھی قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کرکے، میدان حشر میں قائم کردے۔ اس پر بھی جو نہ مانے وہ دنیا میں ذلیل اور آخرت میں سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

اب یہ دیکھنا چاہئے کہ حق تعالی جو فرماتا ہے:

شبہہ قیامت کے باب میں

"یا ایھا الناس ان کنتم فی ریب من البعث" سو مرزا صاحب کا شبہ اس میں داخل ہے یا نہیں۔ انہوں نے تحریر سابق میں اپنا اعتقاد بیان کردیا ہے کہ

"مرنے کے بعد ایک حالت مستمرہ رہے گی اور کوئی زندہ ہوکر زمین پر نہ آئے گا" اس صورت میں ظاہر ہے کہ جس شبہات کے رفع کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ ان میں مرزا صاحب کا شبہ اور اعتقاد بھی داخل ہے۔ اب مرزا صاحب کو خدا کا شکریہ بجالانا چاہئے کہ کس طرح مثالیں دے دے کر حق تعالی نے موت کے بعد زندہ کرنے کا حال بیان فرمایا۔ اگر یہودیت کا خیال مانع ہے، تو اس کی طرف کچھ توجہ کرنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ شیطان ایسے ہی قیاس کرکے آدم علیہ السلام کے سجدہ سے رکا تھا۔

وہ صدہا آیات کا انکار کر رہے ہیں

خدائے تعالی کے ارشاد کے بعد مسلمانوں کو چوں و چرا کی کوئی ضرورت نہیں۔ اب اہل انصاف خود ہی غور کرلیں کہ مرزا صاحب جو فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن بحضور رب العالمین حاضر ہونا، ان کو بہشت سے نہیں نکالتا؛ معاد جسمانی کا انکار ہے یا نہیں؟ اور یہ عقیدہ قرآن وحدیث

کے مخالف ہے یا نہیں؟ اور اس مخالفت سے آدمی کا ایمان باقی رہ سکتا ہے یا نہیں؟ خدائے تعالی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو صاف فرمارہے ہیں کہ حشر زمین پر ہوگا۔ اور اس تصریح کے ساتھ ارشاد ہے کہ اس دن زمین جھاڑ پہاڑ وغیرہ سے خالی کردی جائے گی۔ اور دریائیں خشک ہوجائیں گے وغیرہ وغیرہ۔ مگر مرزا صاحب ایک نہیں مانتے۔

قرآن وحدیث سے مردوں کا قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف جانا ثابت ہے: قولہ تعالی "وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ" (یٰس: ۵۱) یعنی صور پھونکے جانے کے ساتھ ہی سب آدمی قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف دوڑیں گے۔ اور نیز میدان حشر میں کھڑے ہونا، اور پسینہ کی وہ حالت، اور انکا ختنہ نہ کئے ہوئے ایسی حالت پر ہونا، جیسے دنیا میں پیدا ہوئے تھے ثابت ہے، جو صاف طور سے معاد جسمانی پر گواہی دے رہا ہے۔

مگر مرزا صاحب اس کی تصدیق نہیں کرتے۔ اور معرکہ حساب ومیزان وپل صراط اور انبیائے اولوالعزم کی پریشانی اور بکرات مرات نفسی نفسی کہنا، دلیل بیّن ہے اس پر کہ اس وقت کوئی جنت میں نہ ہوگا۔ مگر مرزا صاحب اس کو رد کر کے کہتے ہیں کہ بہشت سے کوئی نہ نکلے گا۔

دھوکہ

دیکھ لیجئے ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ مرزا صاحب صرف مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے کہتے ہیں کہ قرآن پر ہمارا ایمان ہے۔ اور اس سے ایک نقطہ کم نہیں ہوسکتا۔ فی الحقیقت ایک نقطہ تو کم نہیں کیا، مگر جزو کے جزو نکال دیئے۔ اب یہاں ایک اور مشکل درپیش ہے کہ: مرزا صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ اللہ ورسول نے فرمایا ہے وہ سب کچھ ہوگا۔ لیکن ایسے طور پر کہ خدائے تعالی کے تقدس اور تنزہ میں کوئی منافی نہ ہو۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ لوگ جنت میں بھی ہوں گے اور زمین محشر پر بھی۔ محشر کے مصائب اور آفات تو ابھی معلوم ہوئے۔ اب جنت کے بھی تھوڑے احوال سن لیجئے۔

حق تعالی فرماتا ہے: "جنات تجری من تحتها الانهار"۔ وقولہ تعالی "فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ

لِّلشّٰرِبِیْنَ ۚ وَاَنْہٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ "۔ (محمد:۱۵) وقولہ تعالی "لَکُمْ فِیْہَا فَاکِہَۃٌ کَثِیْرَۃٌ مِّنْہَا تَاْکُلُوْنَ"۔ (الزخرف:۷۳) وقولہ تعالی "وَفِیْہَا مَا تَشْتَہِیْہِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْیُنُ ۚ"۔ (الزخرف:۷۱) وقولہ تعالی "وَلَہُمْ فِیْہَآ اَزْوَاجٌ مُّطَہَّرَۃٌ"۔ (البقرۃ:۲۵) وقولہ تعالی "وَعِنْدَہُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ"۔ (ص ۵۲) وقولہ تعالی " وَحُوْرٌ عِیْنٌ ﴿۲۲﴾ کَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَکْنُوْنِ ﴿۲۳﴾ "۔ (الواقعۃ) وقولہ تعالی "یُحَلَّوْنَ فِیْہَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَہَبٍ وَّیَلْبَسُوْنَ ثِیَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّکِـِٕیْنَ فِیْہَا عَلَی الْاَرَآئِکِ ؕ "۔ (الکہف:۳۱) وقولہ تعالی "یُطَافُ عَلَیْہِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَہَبٍ وَّاَکْوَابٍ ۚ"۔ (الزخرف:۷۱) وقولہ تعالی "وَّکَاْسًا دِہَاقًا ﴿۳۴﴾ "۔ (النباء) وقولہ تعالی "لَا یَرَوْنَ فِیْہَا شَمْسًا وَّلَا زَمْہَرِیْرًا ﴿۱۳﴾ "۔ (الدھر) وقولہ تعالی " فِیْہَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَۃٌ ﴿۱۳﴾ وَّاَکْوَابٌ مَّوْضُوْعَۃٌ ﴿۱۴﴾ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَۃٌ ﴿۱۵﴾ وَّزَرَابِیُّ مَبْثُوْثَۃٌ ﴿۱۶﴾ "۔ (الغاشیۃ)

اس کے سوا اور بہت سی آیتیں ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ جنتیوں کی حالت یہ ہے کہ ان کے مکانوں کے نیچے پانی اور دودھ اور شراب اور مصفی شہد کی نہریں بہتی ہوں گی۔ مکانات نہایت پر تکلف جن میں بہت ہی پاکیزہ فرش بچھے ہوئے اور مسندیں لگی ہوئیں۔ اور ایک طرف اونچے اونچے تخت سجے ہوئے۔ اور بیویاں نہایت پاکیزہ اور شرمگیں اور حوریں نہایت حسین فاخرہ لباس اور اقسام کے زیوروں سے آراستہ نزدیک بیٹھی ہوئیں۔ اور خود بھی مکلل زیور اور عمدہ عمدہ ریشمی لباس پہنے ہوئے۔ اور میوہ جات اور طرح طرح کی نعمتیں جن کا شمار نہیں۔ غلمان وخدام مشتاقبوں پر مشتاقبیں لئے چلے آرہے ہیں۔ اور جھلکتے پیالوں کا پیہم دور۔ پھر جس چیز کی خواہش ہو فوراً موجود۔ اور ان کے سوا وہ نعمتیں جو نہ کسی کانوں نے سنے نہ آنکھوں نے دیکھیں؛ ہر وقت مہیا۔ پھر نہ اس میں آفتاب کی گرمی، نہ زمہریر کی سردی، نہ کسی امر کی فکر، نہ اس سے نکلنے کا اندیشہ، نہ موت کا کھٹکا وغیرہ امور جن کو تمام اہل اسلام جانتے ہیں۔



ان کے قول پر جنت میں نعمتیں اور مصیبتیں

اب دیکھئے مرزا صاحب جو فرماتے ہیں کہ: قیامت کے روز بہشت سے کوئی نہ نکلے گا۔اور قیامت کے کل مصائب پر بھی ایمان ہے۔اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اس روز مصائب قیامت میں بھی سب جنتی مبتلا رہیں گے۔اور عیش وعشرت میں بھی سرگرم اور مشغول رہیں گے۔یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی۔

مگر ابن حزم رحمہ اللہ نے ملل ونحل میں لکھا ہے کہ: انجیل متحا کے چودھویں باب میں مذکور ہے کہ مسیح علیہ السلام نے کہا کہ یحیی نہ کھانا کھاتے ہیں نہ پانی پیتے ہیں اور میں کھانا بھی کھاتا ہوں او ر پانی بھی پیتا ہوں اس سے ظاہر ہے کہ یحیی علیہ السلام مسیح علیہ السلام سے افضل ہیں۔نصاری اس کا جواب دیتے ہیں کہ مسیح کا ناسوت کھاتا پیتا تھا اور لاہوت نہ کھاتا، نہ پیتا تھا۔انتہی ملخصا

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے یہ مسئلہ وہیں سے نکالا ہوگا۔کیونکہ مرزا صاحب کو یہود ونصاری کے عقائد میں ممارست کی وجہ سے ید طولی ہے۔اس بنا پر قائل ہوں گے کہ اہل محشر کا لاہوت جنت میں اور ناسوت مصائب میں رہے گا۔مگر ہمارے دین میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔اس وجہ سے اہل اسلام اس قسم کے لاہوت وناسوت کے قائل نہیں ہوسکتے۔

مرزا صاحب ہم پر یہود کے ہم خیال ہونے کا الزام لگاتے ہیں۔اور خود نصاری کے ساتھ ہیں۔اور فرماتے ہیں کہ: اگر بہشتی بہشت میں داخل شدہ تجویز کئے جائیں تو طلبی کے وقت انہیں بہشت سے نکالنا پڑے گا۔اور اس لق ودق جنگل میں جہاں تخت رب العالمین بچھایا گیا ہے، حاضر ہونا پڑے گا۔ایسا خیال تو سراسر جسمانی اور یہودیت کی سرشت سے نکلا ہوا ہے۔اور حق یہ ہے کہ عدالت کے دن پر ہم ایمان لاتے ہیں اور تخت رب العالمین کے قائل ہیں لیکن جسمانی طور پر اس کا خاکہ نہیں کھینچتے۔انتہی

خود ہی غور فرمائیں کہ یہ تو ہم نے نہیں کہا کہ: لق ودق جنگل میں تخت رب العالمین بچھے گا۔جس کا الزام ہم پر لگایا جاتا ہے۔البتہ ہم اس آیت شریفہ پر ایمان ضرور رکھتے ہیں: ”وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿١٧﴾“ (الحاقة)

اور اس قسم کے جتنے امور ہمارے خدا اور رسول نے فرمائے ہیں گو یہود کے بھی وہ اعتقاد ہوں ان سب کو ہم مانتے ہیں۔ کیونکہ ہمارا قرآن توریت و انجیل کا مصداق ہے۔ جیسا کہ حق تعالی نے فرمایا ہے: "وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ" (البقرۃ:۸۹) اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے بعض اقوال کی تصدیق بھی کی ہے۔ چنانچہ اس حدیث شریف سے ظاہر ہے جو بخاری شریف ص ۱۱۰۷ میں ہے:

"عن عبد اللہ قال: جاء حبر من الاحبار الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال: یا محمد انا نجد ان اللہ یجعل السموات علی اصبع و الارضین علی اصبع و الشجر علی اصبع والماء علی اصبع والثری علی اصبع وسائر الخلائق علی اصبع فیقول: انا الملک فضحک النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی بدأت نواجذہ تصدیقا لقول الحبر ثم قرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: وماقدروا اللہ حق قدرہ والارض جمیعاً قبضتہ یوم القیمۃ"

یعنی ایک عالم یہود کا حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ: ہماری کتاب میں یہ ہے کہ حق تعالی تمام آسمانوں کو ایک اصبع پر اور زمینوں وغیرہ کو ایک ایک اصبع پر رکھ کر فرمائے گا کہ: میں ہی بادشاہ ہوں۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے جس سے تصدیق اس عالم کی ہوتی تھی۔ پھر حضرت نے یہ آیت پڑھی:

"وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ" (الزمر:٦٧)

الحاصل ہمارے قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کی جن جن باتوں کی تصدیق کی ہے ان کی تصدیق کرنے میں ہمیں کوئی عار نہیں۔ البتہ اس قسم کے ناسوت ولاہوت کا اعتقاد قابل عار ہے۔ مرزا صاحب یہ جو فرماتے ہیں کہ: ہم تخت رب العالمین کا خاکہ جسمانی طور پر نہیں کھینچتے اس کا مطلب یہاں معلوم نہیں ہوتا کہ عرش الہی کے جسمانی نہ ہونے سے معاد جسمانی کیونکر باطل کیا جاتا ہے۔ اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ حشر جسمانی ہو تو تنزیہ الہی میں فرق پڑ جائے گا؛ تو اس اعتبار سے اس عالم جسمانی میں بھی تنزیہ باقی نہ رہنا چاہیے۔ اس لئے کہ آخراب بھی استواء علی العرش

ثابت ہے۔ جیسے قیامت میں ہوگا۔ چنانچہ حق تعالی فرماتا ہے: ”اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى۝۵“ (طٰہ)

اب استوا کے معنی جو کچھ ہوں جیسے اس عالم میں ہے ویسا ہی اس عالم میں بھی ہوگا۔ پھر جب اس عالم میں زمین پر حشر جسمانی ہونے سے تنزیہ میں فرق آتا ہے؛ تو اس عالم میں بھی عالم جسمانی زمین پر ہونے سے فرق آنا چاہئے۔ اور جب اس عالم میں تنزیہ میں فرق نہیں آتا تو وہاں معاد جسمانی سے فرق آنے کی کیا وجہ؟

قرآن کی بیسیوں آیتوں کو منسوخ کرتے ہیں

مرزا صاحب تنزیہ کو پیش کر کے حشر ونشر کا جو انکار کرتے ہیں؛ کس قدر بدنما اور خلاف تدین ہے۔ اب تک تو آیات قرآنیہ کو بیان کر کے ان میں الٹ پلٹ ہی کیا کرتے تھے، اس مسئلہ میں جو دیکھا کہ اگر احادیث کی تکذیب بھی کر دیں ؛ تو آیات قرآنیہ اتنی ہیں کہ ان سے سر بر ہونا مشکل ہے۔ اس لئے یہاں وہ طریقہ بھی چھوڑ دیا اور خود مختاری سے ایک نیا عقیدہ گھڑ دیا۔ جس کا کوئی اسلامی فرقہ قائل نہیں۔ گو یا وہ کل آیات نعوذ باللہ منسوخ کر دی گئیں۔

تمام اہل اسلام جانتے ہیں کہ کوئی بھی کلام الٰہی کو منسوخ کرنے کا مجاز نہیں، جب تک خود خدائے تعالی کسی آیت کو منسوخ نہ کرے۔ پھر مرزا صاحب اس کے کیونکر مجاز ہو سکتے ہیں۔ اس سے تو یہ ظاہر ہے کہ روز افزوں ترقی میں نبوت مستقلہ سے بھی ترقی کا دعوی ہو گیا ہے۔ اگر متبعین کو مرزا صاحب کی تقریر سے معاد جسمانی کا انکار ہے تو ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک وہ نبی مستقل بلکہ نبی سے بھی ایک درجہ بڑھ کر ہیں اور ان کی کتاب ازالۃ الاوہام ناسخ قرآن شریف قرار پا چکی ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک خدا کرے کہ ایسا نہ ہو اور یہ حضرات خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے کلمہ گو اور پورے قرآن کے معتقد رہیں۔

مشرکین وفلاسفہ جو قیامت کا انکار کرتے تھے بڑی وجہ اس کی یہ مشاہدہ تھا کہ جب کوئی چیز فنا ہو جاتی ہے، تو پھر وجود میں نہیں آتی۔ اسی وجہ سے وہ کہتے تھے ”من یعیدنا“ یعنی ہمیں دوبارہ کون

پیدا کریگا۔اور فلاسفہ نے قاعدہ بنا رکھا ہے کہ اعادہ معدوم محال ہے۔حق تعالیٰ جواب میں فرماتا ہے:
"کَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَیْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِیْنَ۝۱۰۴" (الانبیاء)
یعنی ہم نے جیسے تمہیں پہلے پیدا کیا جب تم کچھ نہ تھے ویسا ہی دوبارہ بھی پیدا کریں گے۔ کیونکہ اعادہ بہ نسبت ابتدائے تخلیق کے بہت آسان ہے۔اور ارشاد ہے:" قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ۝۷۸ قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمُۨ۝۷۹" (یسٓ) یعنی وہ کہتے ہیں بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ تم کہو کہ جس نے پہلے پیدا کیا تھا وہی ان کو زندہ کرے گا۔ ہر چیز کو پیدا کرنے کا حال وہ خوب جانتا ہے۔

الحاصل جب آدمی کو خدائے تعالیٰ کی قدرت پر ایمان ہو تو اس کو قیامت کے تسلیم کرنے میں ذرا بھی تامل نہ ہوگا۔قیامت کے باب میں کم فہم اور جاہلوں کو یہ شبہات ہوتے ہیں کہ آیات واحادیث میں جو قیامت کے احوال مذکور ہیں باہم متعارض ہیں۔مثلاً کسی آیت میں یہ ہے کہ سب فرشتے اس روز آسمانوں پر چلے جائیں گے۔اور کسی میں یہ ہے کہ سب زمین پر اتر آئیں گے۔اور کسی میں یہ ہے کہ آفتاب و ماہتاب بے نور ہو کر گر جائیں گے۔اور کسی میں یہ ہے کہ زمین سے ایک میل کے فاصلہ پر آفتاب آ جائے گا۔اور کسی میں ہے کہ دوزخ میں دونوں ڈالے جائیں گے۔جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:" اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ" (سورۃ الانبیاء: آیت:۹۸)

غرض کہ آیات واحادیث کو دیکھنے سے اس قسم کے بہت شبہات پیدا ہوتے ہیں۔سو ان کو یوں دفع کرنا چاہئے کہ قیامت کا دن پچاس ہزار برس کا ہوگا۔جس میں مختلف اوقات میں مختلف کام ہوں گے۔ یہ بات پوشیدہ نہیں کہ ایک ہی صدی میں کیسے کیسے انقلابات پیدا ہو جاتے ہیں۔آدمی جب اپنے بزرگوں کی زبانی ان کے اوائل حالات سنتا ہے اور اپنے زمانہ کے حالات کو دیکھتا ہے تو ایک انقلاب عظیم پاتا ہے۔جس سے متحیر ہو جاتا ہے۔ جب ایک صدی میں یہ کیفیت ہو تو قیامت کے پچاس ہزار برس میں کس قدر انقلابات ہونا چاہئے۔

اسی وجہ سے ایک وقت وہ ہوگا کہ تمام فرشتے زمین کے آسمانوں پر چلے جائیں گے۔ اور اس کے بعد جب آسمانوں کا کارخانہ درہم وبرہم ہوجائے گا اور زمین پر شان وشوکت کے اظہار کی ضرورت ہوگی تو تمام فرشتوں کے صفوف زمین پر آراستہ کئے جائیں گے۔ اور آفتاب کا نور زائل کرکے صرف اس کی گرمی کسی خاص مصلحت کے لحاظ سے باقی رکھی جائے گی۔ پھر کسی وقت دوزخ میں بھی ڈال دیا جائے گا۔

آیات میں تعارض اور اس کا جواب

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے روبرو بھی چند شبہات اس قسم کے پیش کئے گئے تھے۔ ان کا جواب جو انہوں نے دیا ہے اس سے ہمارے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ بخاری شریف میں ہے: "عن سعید رضی اللہ عنہ قال رجل لابن عباس رضی اللہ عنہما: انی اجد فی القرآن أشیاء تختلف عليّ قال فلا انساب بینھم یومئذ و لا یتساء لون۔ و اقبل بعضھم علی بعض یتساء لون۔ و لا یکتمون اللہ حدیثا ربنا ما کنا مشرکین فقد کتموا فی ھذہ الآیۃ۔ وقال: والسماء بناھا الی قولہ دحاھا فذکر خلق السماء قبل خلق الارض ثم قال: انکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین الی طائعین فذکر فی ھذہ خلق الارض قبل السماء وقال: و کان اللہ غفوراً رحیما عزیزا حکیما سمیعًا بصیرًا فکأنہ کان ثم مضی۔ فقال: فلا انساب بینھم فی النفخۃ الاولی ثم ینفخ فی الصور فصعق من فی السموات ومن فی الارض الا من شاء اللہ فلا انساب عند ذلک و لا یتساء لون ثم فی النفخۃ الآخرۃ: اقبل بعضھم علی بعض یتساء لون وأما قولہ: ما کنا مشرکین و لا یکتمون اللہ فان اللہ یغفر لاھل الاخلاص ذنوبھم وقال المشرکون تعالوا انقول لم نکن مشرکین فختم علی افواھھم فتنطق ایدیھم فعند ذلک عرف ان اللہ لم یکتم حدیثا و عندہ یود الذین کفروا۔ الآیۃ و خلق الارض فی یومین ثم خلق السماء ثم استوی الی السماء فسوھن فی یومین آخرین ثم دحا الارض و دحیھا ان اخرج منھا الماء والمرعی و خلق الجبال و الاکام وما

بینھما فی یومین آخرین فذلک قولہ ”دحاھا“ وقولہ ”خلق الارض فی یومین“ فجعلت الارض وما فیھا من شیء فی اربعۃ ایام وخلقت السماء فی یومین۔ وکان اللہ غفورا رحیما سمی نفسہ ذلک وذلک قولہ اے: لم یزل کذلک فان اللہ لم یرد شیئا الا اصاب بہ الذی اراد فلا یختلف علیک القرآن فان کلام من عند اللہ“

یعنی ایک شخص نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ: قرآن شریف میں مجھے کچھ اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے: کہ قیامت کے روز لوگوں میں نہ نسبی تعلق ہوگا، نہ ایک دوسرے کو پوچھے گا۔ پھر دوسری آیت میں ہے کہ ایک دوسرے کے پاس جائیں گے اور پوچھیں گے۔ اور ایک آیت میں ہے کہ اللہ سے کوئی بات نہ چھپائیں گے۔ اور دوسری آیت میں ہے کہ مشرک کہیں گے کہ یا اللہ ہم مشرک نہ تھے۔ اس سے چھپانا ثابت ہے۔ اور ایک آیت میں ہے کہ زمین آسمانوں سے پہلے پیدا ہوئی اور دوسری آیت میں ہے کہ آسمان زمین سے پہلے پیدا ہوا۔ اور ”کان اللہ غفورا رحیما“ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غفور رحیم گذشتہ زمانہ میں تھا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: نفخۂ اولیٰ کے وقت کوئی کسی کو نہ پوچھے گا پھر نفخۂ اخریٰ کے بعد ایک دوسرے کو پوچھنے لگیں گے۔ اور جب خدائے تعالیٰ اہل اخلاص کے گناہ معاف فرمادے گا، تو مشرکین آپس میں کہیں گے کہ آؤ ہم بھی کہیں کہ ہم مشرک نہ تھے۔ اس وقت ان کے مونہوں پر مہر کردی جائے گی۔ اور ہاتھ ان کے سب واقعات کہہ سنائیں گے کہ ہم نے یہ یہ کام کیا تھا۔ اس وقت یہ ثابت ہوجائے گا کہ خدائے تعالیٰ سے کوئی کچھ چھپا نہیں سکتا۔ اس وقت کفار آرزو کریں گے کہ کاش ہم بھی ایمان لائے ہوتے۔

اور حق تعالیٰ نے دو دن میں زمین کو پیدا کیا پھر دو دن میں آسمان بنائے۔ اس کے بعد دو دن میں زمین سے پانی نکالا اور چراگاہ اور پہاڑ اور ٹیلے وغیرہ بنائے۔ اس حساب سے زمین اور اس کے متعلقات چار دن میں آسمانوں سے پہلے اور بعد بنائے گئے اور آسمان دو دن میں۔ اور ”کان اللہ غفورا رحیما“ وغیرہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمانہ گذشتہ میں یہ نام اپنے رکھے اور اس کے بعد ہمیشہ ان صفات کے ساتھ متصف رہے۔ جس پر چاہتا ہے، رحم فرماتا ہے۔ اور مغفرت وغیرہ

کرتا ہے۔ یہ بیان کر کے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہرگز یہ خیال نہ کرنا کہ قرآن میں اختلاف ہے۔ سارا قرآن اللہ تعالی کے پاس سے اترا ہے۔ ممکن نہیں کہ اس میں اختلاف ہو۔ انتہی

الحاصل جس طریقہ کی؛ تعلیم ترجمان القرآن، ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کی، اس سے ظاہر ہے کہ ظاہری طور پر تعارض اگر معلوم ہو، تو ایسے طور پر اٹھایا جائے کہ کسی آیت کی تکذیب نہ ہو۔ اور ہر آیت کے معنی پورے طور پر باقی رہیں۔ نہ یہ کہ کسی غرض سے تعارض پیدا کر کے کلام الہی کو بدنام کریں۔ پھر اس کو اٹھانے کے واسطے ایسے بدنما تاویلیں کریں؛ جن سے خواہ مخواہ دوسری آیتوں کی تکذیب ہو جائے۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے درمنثور میں لکھا ہے:

"واخرج نصر المقدسی فی الحجة عن ابن عمر رضی اللہ عنه قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ومن وراء حجرة قوم یتجادلون فی القرآن فخرج محمرة وجنتاه کأنما تقطران وما فقال یاقوم لا تجادلوا بالقرآن فانما ضل من کان قبلکم بجدالھم ان القرآن لم ینزل لیکذب بعضه بعضا ولکن نزل لیصدق بعضه بعضا فما کان من محکمه فاعلموا وما کان من متشابهه فامنوا به"

یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چند لوگ قرآن کی آیات میں جھگڑ رہے تھے کہ حضرت برآمد ہوئے۔ غصہ سے چہرہ مبارک اتنا سرخ تھا کہ گویا خون ٹپکنے کو ہے۔ اور فرمایا کہ: تمہارے پیش تر کی اقوام اسی وجہ سے گمراہ ہوئے، کہ کتاب الہی میں جھگڑنے لگے۔ قرآن اس واسطہ نازل نہیں ہوا ہے کہ ایک آیت سے دوسری آیت کی تکذیب ہو۔ بلکہ اس واسطے نازل ہوا کہ ایک آیت دوسری آیت کی تصدیق کرے۔ سو جو محکم ہے اس پر عمل کرو اور جو متشابہ ہے اس کا صرف یقین کر لو۔

مرزا صاحب آیتوں میں زبردستی تعارض پیدا کرتے ہیں

مرزا صاحب یقین کو نزدیک نہیں آنے دیتے۔ بلکہ جن آیتوں کا یقین تھا۔ ان میں نئے نئے شبہات پیدا کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کو ضرور ہے کہ ہمیشہ ان شبہات سے پناہ مانگتے رہیں حق تعالی نے ایسے ہی مواقع کے لئے مسلمانوں کو پہلے ہی تعلیم کر دی۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴿۶﴾ " اللھم انا نعوذبک من ھذہ الوساوس والشبہات۔

اور بخاری شریف (ص ۶۵۲) میں ہے: باب منه: "آیات محکمات وقال مجاھد: الحلال والحرام۔ واخر متشابھات، یصدق بعضه بعضا۔ کقوله تعالی: وَمَا یُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ۔ وکقوله: جل ذکرہ ویجعل الرجس علی الذین لا یعقلون۔ وکقوله: والذین اھتدوا زادھم ھدی۔ یعنی آیات محکمات سے مراد؛ حلال وحرام ہے۔ واخر متشابہات یعنی دوسری آیتیں متشابہ ہیں کہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ سوائے حلال وحرام کے کل آیات متشابہ ہیں؛ جو ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں۔ اور امام سیوطی رحمہ اللہ نے درمنثور میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بروایت صحیح نقل کیا ہے: "قال ابن عباس رضی اللہ عنھما: وان اللہ لم ینزل شیئا الا وقد أصاب به الذی أرادو لکن اکثر الناس لا یعلمون" یعنی حق تعالی نے جو کچھ قرآن میں نازل کیا ہے اس کی مراد نہایت صحیح اور واقعی ہے۔ لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔

ح قرآن کی کوئی بات سمجھ میں نہ آئی تو صرف ایمان لانا چاہیے

غرض کہ آیات واحادیث سے صاف ظاہر ہے کہ آیات، کلام اللہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں اور اگر کسی کے سمجھ میں نہ آئے اور تعارض ظاہرا معلوم ہو تو وہ اپنے فہم کا قصور ہے۔ کلام الٰہی اس سے بری ہے۔ مگر مرزا صاحب کو عیسویت کے ذہن میں کچھ نہیں سوجھتا اور خواہ مخواہ آیات میں تعارض پیدا کر کے معاد جسمانی کے آیتوں پر جن سے قرآن بھرا ہوا ہے؛ حملہ کر رہے ہیں۔ اور صاف طور سے اس کا انکار ہے۔

مقصود تو یہ ہے کہ مسیح کا زمین پر اترنا ہر طرح سے باطل کردیں مگر ظاہرا چند آیتیں پیش کرتے ہیں کہ وہ متعارض ہیں۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام ص ۳۴۹ میں لکھتے ہیں:

"مسیح ابن مریم جس کی روح اٹھائی گئی برطبق آیات کریمہ "یا ایتھا النفس المطمئنة

ارجعی الی ربک فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی" بہشت میں داخل ہو چکے۔ پھر کیونکر اس غمکدہ میں آجائیں۔ اور جو شخص بہشت میں داخل کیا جاتا ہے، پھر وہ اس سے کبھی خارج نہیں کیا جاتا۔ جیسا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے:

"لا یمسھم فیھا نصب وما ھم منھا بمخرجین۔ واما الذین سعدوا ففی الجنۃ خالدین فیھا مادامت السموات والارض الا ماشاء اللہ عطاء غیر مجذوذ" ایسا ہی قرآن شریف کے دوسرے مقامات میں بھی بہشتیوں کے ہمیشہ بہشت میں رہنے کا جابجا ذکر ہے۔ اور سارا قرآن شریف اس سے بھرا پڑا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے: "ولھم فیھا ازواج مطھرۃ وھم فیھا خلدون" "اولئک اصحاب الجنۃ ھم فیھا خلدون" وغیرہ وغیرہ۔

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مومن کو فوت ہونے کے بعد بلا توقف بہشت میں جگہ ملتی ہے۔ جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہو رہا ہے: "قیل ادخلی الجنۃ قال یالیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرمین۔ اور دوسری آیت یہ ہے: "فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی" اور تیسری آیت یہ ہے: "ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما اتاھم اللہ من فضلہ"

اور احادیث میں تو اس قدر اس کا بیان ہے کہ جس کا باستیفا ذکر کرنا موجب تطویل ہوگا۔ بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنا چشم دید ماجرا بیان فرماتے ہیں کہ مجھے دوزخ دکھلایا گیا؛ تو میں نے اس میں اکثر عورتیں دیکھیں۔ اور بہشت دکھلایا گیا۔ تو اکثر ان میں فقرا تھے۔ انتہی

مرزا صاحب نے تین آیتوں کا غلط مطلب بیان کر کے صدہا آیات و احادیث میں تعارض ڈال دیا

مطلب اس کا یہ ہوا کہ ان تینوں آیات سے ثابت ہے کہ مرتے ہی آدمی جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور بہت سے آیتوں سے ثابت ہے کہ جو جنت میں داخل ہو جاتا ہے؛ پھر اس سے نہیں نکلتا۔ جس سے ثابت ہوا کہ قیامت زمین پر نہ ہوگی۔ اور جتنی آیتیں معاد جسمانی زمین پر ہونے کی

ہیں؛ جن سے قرآن شریف بھرا ہوا ہے؛ اور صدہا حدیثیں جن سے ہزار ہا کتابیں بھری ہیں؛ کوئی اعتبار اور اعتقاد کے قابل نہیں۔

اب ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ صدہا آیتوں کے مقابل، دو تین آیتیں مخالف معلوم ہوں؛ تو وہ مخالفت، قصورِ فہم کی وجہ سے سمجھی جائے گی۔ یا واقعی جس سے ان تمام آیات کثیرہ کی تکذیب کی ضرورت ہو۔ کیا مرزا صاحب کا صدہا آیتوں پر اس غرض سے حملہ کرنا بے کھٹکا عیسی موعود خود بن جائیں عقلا کو یہ سمجھنے کے لئے کافی نہیں کہ صرف دنیاوی غرض سے وہ قرآن کی تکذیب کر رہے ہیں۔ اس لئے وہ اپنے کسی دعوی میں ہرگز صادق نہیں ہو سکتے۔ اور نہ کسی دینی خدمت کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ اب ان تین آیتوں کے استدلال کا حال بھی دیکھ لیجئے۔

یا ایتہا النفس المطمئنة سے استدلال اور اس کا جواب

"يَاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ ﴿٢٧﴾" (الفجر) سے استدلال کیا جاتا ہے کہ ارواح مرتے ہی بلا توقف بہشت میں داخل ہو جاتی ہیں۔ مگر اس سے تو کچھ بھی نہیں معلوم ہوتا نہ اس میں موت کا ذکر ہے نہ مرتے ہی جنت میں داخل ہونے کی تصریح بلکہ ابھی معلوم ہوا کہ یہ خطاب قیامت کے دن ہوگا۔ جو سیاق آیت سے خود ظاہر ہے۔ کیونکہ پوری آیت شریفہ یہ ہے: "فَيَوْمَىِٕذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ ﴿٢٥﴾ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗۤ اَحَدٌ ﴿٢٦﴾ يَاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿٢٩﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿٣٠﴾" (الفجر) اوپر سے قیامت کا ذکر چلا آرہا ہے: کما قال تعالی "اذا دکت الارض دکا دکا" (سورۃ الفجر: آیت:۲۱)

اس سے ظاہر ہے کہ فیومئذ سے مراد قیامت ہی ہے اور اسی روز ارواح کو یہ خطاب ادخلی فی جنتی ہوگا۔

چنانچہ مولانا شاہ عبد العزیز صاحب رحمہ اللہ تفسیر عزیزیہ میں لکھتے ہیں:

"دوران روز پرہول یعنی روز قیامت کہ اول وہلہ ہر ہمہ را از نیکان و بدان اضطراب وفزع لاحق گردد مطیان و نیکاں را تسلی بخشند و ندا در رسد کہ یا یتھا النفس المطمئنة"

اور امام سیوطی رحمہ اللہ در منثور میں لکھتے ہیں: ”عن ابن عباس رضی اللہ عنہ فی قولہ: ارجعی الی ربک قال: ترد الارواح یوم القیمۃ فی الاجساد“ یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ارواح کو جو ”ارجعی الی ربک“ کا خطاب ہوگا وہ قیامت کے روز ہوگا کہ اپنے اجساد میں داخل ہو کر محشر میں حاضر ہو جائیں۔ اور اسی میں یہ روایت بھی ہے: ”عن سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ ثم یطیر الارواح فیومر ان تدخل الاجساد فھو قولہ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ“ یعنی سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ بھی یہی مطلب اس آیت شریفہ کا کہتے ہیں کہ قیامت کے روز اجساد میں ارواح کو داخل ہونے کا حکم ہوگا چنانچہ وہ اڑ اڑ کر اجساد میں داخل ہو جائیں گے۔ اور یہ روایت بھی اس میں ہے:

”وعن أبی صالح رضی اللہ عنہ فی قولہ ”ارجعی الی ربک“ قال: ھذا عند الموت رجوعھا الی ربھا خروجھا من الدنیا فاذا کان یوم القیامۃ قیل لھا ادخلی فی عبادی وادخلی جنتی“ یعنی ابی صالح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”ارجعی الی ربک“ کا خطاب روح کو موت کے وقت ہوتا ہے۔ اس کا دنیا سے نکلنا رب کی طرف رجوع ہونا ہے۔ اور جب قیامت کا روز ہوگا تو ”ادخلی فی عبادی وادخلی جنتی“ کہا جائے گا۔ اور اسی در منثور میں ہے:

”عن زید ابن اسلم رضی اللہ عنہ: یا ایتھا النفس المطمئنۃ الایۃ قال: بشرت بالجنۃ عند الموت وعند البعث ویوم الجمع“ یعنی زید بن اسلم رضی اللہ عنہ یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ﴿۲۷﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: یہ خوش خبری روح کو موت کے وقت اور قیامت کے روز دی جائے گی کہ جب دخول جنت کا وقت آ جائے گا اس وقت داخل ہو جائے۔

اسکی مثال ایسی ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: ”وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ“ یعنی جتنے سعید لوگ ہیں جنت میں ہیں اس سے یہ مقصود نہیں کہ ہر سعید ازلی نزول آیت کے وقت جنت میں چلا گیا تھا؛ جس سے حقیقی طور پر ظرفیت صادق آئے۔ بلکہ وہ سعدا کو بشارت ہے کہ جب جنت میں داخل ہونے کا وقت آ جائے گا، اس وقت داخل ہو جائیں گے۔

اور تفسیر نیشا پوری میں ہے کہ عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت "**ادخلی فی جسد عبدی**" ہے۔ یعنی قیامت کے روز نفس مطمئنہ کو حکم ہوگا کہ میرے بندے کے جسد میں داخل ہو جا۔ اور امام سیوطی رحمہ اللہ نے در منثور میں لکھا ہے: "کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما "**فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ﴿۲۹﴾**" پڑھتے تھے، جس کا مطلب وہی ہے کہ جسد میں داخل ہونے کا حکم ہوگا۔ آپ نے دیکھ لیا کہ قرآن شریف کی پوری آیت جو ابھی لکھی گئی اس کے سیاق سے ظاہر ہے کہ قیامت کے روز "**اُدْخُلِیْ جَنَّتِیْ**" کا خطاب ہوگا۔

قرآن کی تحریف ظاہر طور پر قرآن پر ان کا ایمان نہ ہونے کا ثبوت

مگر مرزا صاحب پوری آیت نہیں پڑھتے اور صرف "**ادخلی جنتی**" سے استدلال کرتے ہیں۔ اس کی مثال بعینہ ایسی ہے: "کہ ایک شخص نے دعوی کیا کہ نماز کے پاس جانے کا حکم نہیں اور استدلال میں یہ آیت پیش کردی کہ حق تعالی فرماتا ہے: "**یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ**" (النساء: ۴۳) کسی نے کہا:

"**وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى**" بھی تو اسی کے ساتھ مذکور ہے۔ جس سے مطلب ظاہر ہے کہ نشہ کی حالت میں نماز مت پڑھو۔ اس نے جواب دیا کہ یوں تو سارا قرآن پڑا ہوا ہے۔

مگر آخر "**لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ**" بھی تو کلام الہی ہے۔ اہل ایمان غور کریں کیا اس قسم کے استدلال کرنے والا مسلمان سمجھا جائے گا؟

یا یہ سمجھا جائے گا کہ قرآن پر اس کو ایمان ہی نہیں؟ کیونکہ صراحۃً جو قید مذکور ہے اس کو اپنی بات بنانے کے لئے اس نے حذف کر دیا۔ اب مرزا صاحب کو بھی دیکھ لیجئے کہ یہی کام کر رہے ہیں یا نہیں؟

جھوٹ دھوکہ، انکے اقرار سے انکا شرک

حق تعالی پوری آیت میں قیامت کا ذکر فرماتا ہے اور مرزا صاحب اپنی بات بنانے کے لئے اس کو حذف کر کے ایک حصہ سے استدلال کرتے ہیں اور موت کے ساتھ اس کو خاص کرتے ہیں۔ اب کیونکر کہا جائے کہ مرزا صاحب کو قرآن پر ایمان ہے؟

رسالۃ الحق الصریح میں مرزا صاحب کی تحریر جو درج ہے اس سے ظاہر ہے کہ ”وان من اھل الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتہ“ میں ایک قرأت شاذہ ”قبل موتھم“ بھی ہے جو ان کے مفید مدعا ہے۔ اس قرأت شاذہ پر استدلال کر کے (ص ۸۹) میں لکھتے ہیں:

”کہ فرض کرو کہ وہ قرأت بقول مولوی صاحب ایک ضعیف حدیث ہے مگر آخر حدیث تو ہے یہ ثابت نہیں ہوا کہ وہ کسی مفتری کا افترا ہے بلکہ وہ احتمال صحت رکھتی ہے۔ انتہی

مقصود کہ قرأت شاذہ بلکہ حدیث ضعیف بھی اعتماد کے قابل ہے، اس بنا پر ہم بھی کہتے ہیں کہ: یہ دو قرأتیں ایسے جلیل القدر صحابیوں کی: ایک ابن عباس رضی اللہ عنہما، جو ترجمان القرآن ہیں، اور دوسرے ابن مسعود رضی اللہ عنہ جن کی فضیلت صحابہ کے نزدیک مسلم ہے گواہ، عادل؛ اس بات پر ہیں کہ ”ادخلی جنتی“ کا حکم قیامت کے روز ارواح کو اس واسطے ہوگا کہ وہ اپنے اپنے اجساد میں داخل ہوجائیں۔ موت کے وقت اس حکم سے کوئی تعلق نہیں۔

اور قرأت متواترہ کی تفسیر جو ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ نے کی ہے، وہ بھی اسی کے مطابق ہے۔ اور سیاق آیت سے بھی یہی ظاہر ہے کہ قیامت کے روز ارواح کو یہ حکم ہوگا۔ اور جتنی آیتیں معاد جسمانی کے باب میں وارد ہیں سب کا مفاد یہ ہے کہ حشر زمین پر ہوگا۔ اور کل اولین وآخرین انبیا وغیرہم کا میدان حشر میں موجود رہنا مصرح ہے۔ کما قال تعالی: ”قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۬ اِلٰی مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾“ (الواقعۃ) وقولہ تعالی: ”وَیَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِیْدًا ثُمَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰی هٰۤؤُلَآءِ شَهِیْدًا“

جن سے ظاہر ہے کہ اس روز کوئی بہشت میں نہ رہے گا۔ اتنے دلائل کے بعد یہ کہنا: ”کہ بہشتیوں کے بہشت سے نکلنے پر کوئی حدیث نہیں“ مرزا صاحب ہی کا کام ہے۔ اگر مرزا صاحب کو اتنے دلائل ملتے تو معلوم نہیں کیا حشر برپا کرتے۔

حق تعالی صاف فرماتا ہے:

”یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ﴿۷﴾“ (القمر) یعنی سب مردے

قبروں سے ایسے نکلیں گے جیسے ٹڈے ہیں پراگندہ اور قیامت کے روز کا نام بھی حق تعالی یوم الخروج رکھا ہے۔ کما قال تعالی ”یَّوۡمَ یَسۡمَعُوۡنَ الصَّیۡحَۃَ بِالۡحَقِّ ؕ ذٰلِکَ یَوۡمُ الۡخُرُوۡجِ﴿۴۲﴾ اِنَّا نَحۡنُ نُحۡیٖ وَ نُمِیۡتُ“ (ق)

اور معاد جسمانی پر صدہا حدیثیں موجود ہیں جن کا تھوڑا سا حال اوپر معلوم ہوا۔ باوجود اس کے مرزا صاحب کہتے ہیں کہ ایک حدیث بھی نہیں۔ اس پر مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ جھوٹ، شرک کے برابر ہے۔ اس سے عقلا سمجھ سکتے ہیں کہ یہ قول ان کا دھوکہ دینے کی غرض سے ہے یا نہیں؟

انہی کے اقرار سے ان کی بے ایمانی ثابت ہوگئی

ازالۃ الاوہام (ص ۵۳۷) میں عیسی علیہ السلام کے وفات کے باب میں لکھتے ہیں کہ اگر ہمارے پاس صرف نصوص قرآن کریم ہوتیں تو فقط وہی کافی تھیں اب جس حالت میں بعض حدیثیں بھی ان نصوص کے مطابق ہوں تو پھر گویا وہ یقینا نورٌ علی نور ہے جس سے انحراف ایک قسم کی بے ایمانی ہے۔ انتہی

یہ بات تو انشاء اللہ آئندہ معلوم ہوجائے گی کہ نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ اور اجماع امت عیسی علیہ السلام کے وفات کے باب میں ہمارے مفید ہیں یا مرزا صاحب کے۔ مگر یہاں صرف یہ بتلانا منظور ہے کہ معاد جسمانی کے باب میں مرزا صاحب صدہا آیات واحادیث سے جو عمداً انحراف کررہے ہیں؛ انہی کے اقرار کے مطابق وہ بے ایمانی کررہے ہیں یا نہیں؟

دھوکہ اور ان کی غلطی کا منشا ان کے اقرار سے ان کی بے ایمانی

دراصل وہ دھوکا دینا چاہتے ہیں کہ ادخلی جنتی سے جب مرتے ہی جنت میں داخل ہوجانا ثابت ہوجائے تو پھر عدم خروج کے دلائل بہت ہیں۔ مگر یادرہے کہ جب تک وہ قطعی طور پر یہ ثابت نہ کریں کہ مرتے ہی آدمی جنت داخل ہوجاتا ہے، پھر اس کے بعد جب تک ان تمام نصوص قطعیہ کا جواب نہ دیں، جس سے معاد جسمانی اور حشر کا زمین پر ہونا ثابت ہے؛ عدم خروج کی آیتیں ان کو مفید نہیں ہوسکتیں۔

اصل مغالطہ کا منشا یہ ہے کہ مرنے کے بعد بعضے روحانی طور پر جنت میں داخل ہوجاتے ہیں ؛اسی کوانہوں نے دخول حقیقی قرار دیا ہے؛ جس کے بعد خروج ممکن نہیں۔ حالانکہ وہ دخول، حشر اجساد واحیائے عظام کے بعد ہوگا؛ جیسا کہ نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اور دخول روحانی وہ مانع خروج نہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا روحانی طور پر جنت کی سیر کی ہے جس کا حال انشاء اللہ آئندہ معلوم ہوگا۔

اگر مرزا صاحب یہ فرق کر دیتے کہ شہداء وغیرہم کے ارواح جنت میں داخل ہوتے ہیں مگر قیامت کے روز وہ اجساد میں داخل اور نئے سرے سے زندہ ہو کر قبروں سے نکلیں گے۔ اس کے بعد جب داخلِ جنت ہوں گے،تو پھر کبھی نہ نکلیں گے؛تو کوئی جھگڑا ابھی نہ تھا۔

تمام آیات واحادیث حشر جسمانی کے مسلم رہتے اور پورے قرآن پر ایمان بھی ہوجاتا مگر عیسی علیہ السلام کے زمین پر آنے کے خوف سے انہوں نے اس کو گوارا نہ کیا اور اس کی کچھ پرواہ نہ کی کہ صدہا آیات واحادیث کا انکار لازم آجاتا ہے اور استدلال میں بھی چال نکالی کہ ایک احتمالی پہلو جو نصوص قطعیہ کے مخالف ہے پیش کر کے نہایت ڈھٹائی سے کہہ دیا کہ قرآن سے ثابت ہے کہ بہشتی مرتے ہی بہشت میں داخل ہوجاتا ہے، اور پھر نہیں نکلتا۔

داؤ پیچ

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام (ص ۴۳۰) میں لکھتے ہیں:

”یاد رکھنا چاہئے کہ روحانی علوم اور روحانی معارف صرف بذریعۂ الہامات ومکاشفات ہی ملتے ہیں۔ اور جب تک ہم وہ درجہ روشنی کا نہ پالیں،تب تک ہماری انسانیت کسی حقیقی معرفت یا حقیقی کمال سے بہرہ یاب نہیں ہوسکتی۔ صرف کوے کی طرح یا بھیڑی کے مانند ایک نجاست کو ہم حلوا سمجھتے رہیں گے۔ اور ہم میں ایمانی فراست نہیں آئے گی۔ صرف لومڑی کی طرح داؤ پیچ یاد ہوں گے۔ انتہی

اب اہل انصاف خود ہی سمجھ سکتے ہیں کہ جس فراست سے قرآن کی صدہا آیتوں اور حدیثوں کا ابطال ہو اس کا نام ایمانی فراست ہوگا یا بحسب اقرار مرزا صاحب بے ایمانی اور داؤ پیچ

کا بھی حال معلوم ہوگیا کہ ایک آیت کا احتمالی پہلو پیش کر کے؛ صدہا نصوص قطعیہ کو رد کر دیا۔ اور پھر فرماتے ہیں کہ حق یہی ہے کہ عدالت کے دن پر ہم ایمان تو لاتے ہیں؛ لیکن اور اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ اللہ ورسول نے فرمایا ہے، وہ سب کچھ ہوگا، لیکن سبحان اللہ کیا ایمان و یقین ہے۔ یہ ایمان کا طریقہ تو مرزا صاحب نے ایسا نکالا کہ آدمی تمام دنیا کے مذاہب اور ادیان کی تصدیق کرسکتا ہے۔

مثلاً نصاری سے کہدے کہ ہم تثلیث کو مانتے تو ہیں لیکن، اور اس ''لیکن'' کے تحت میں منافیات تثلیث کو داخل کر دے۔ جتنے مشرکین تھے خدائے تعالی کی خالقیت والوہیت کو یقینی طور پر مانتے تھے۔

ان کا ایمان مشرکوں اور منافقوں کی طرح ہے

کما قال تعالی ''وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ لَيَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ ؕ'' (لقمان:۲۵) مگر اس کے ساتھ ''ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفا'' کا (لیکن) لگا رہتا تھا۔ اور منافق تو اس ''لیکن'' کو ظاہر بھی نہیں کرتے تھے۔ صرف اسی کی کیفیت ان کے دل میں رہتی تھی۔ باوجود اس کے ان کا ''آمنّا'' کہنا بے کار کر دیا گیا اور آخر ''ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار'' کے مستحق ٹھہرے۔ اب اس لیکن کے مطلب پر بھی غور کر لیجیے۔

جب یہ تصریح مرزا صاحب نے کر دی ''کہ بہشتی مرتے ہی بہشت میں داخل ہو جاتے ہیں اور پھر اس سے نہیں نکلتے'' اس کے بعد اگر پوچھا جائے کہ قرآن میں تو یہ ہے کہ ''سب روحیں اجساد میں داخل ہو کر قیامت کے روز قبروں سے زمین پر نکلیں گے۔ تو یہی جواب ہوگا کہ اس پر ایمان تو ہے لیکن بہشت سے نہیں نکلیں گے۔ اور اگر کہا جائے کہ قرآن سے ثابت ہے کہ اولین وآخرین اس روز سب زمین پر ہوں گے، تو یہی جواب ہوگا کہ اس کا یقین تو ہے لیکن بہشت سے کوئی نہیں نکلے گا۔

اور اگر کہا جائے کہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ حشر میں ہر شخص پریشان رہے گا۔ اور انبیاء تک نفسی نفسی کہیں گے تو جواب یہی ہوگا کہ یہ صحیح ہے لیکن جنت کے عیش وعشرت سے کوئی نکالا نہیں جائے گا، غرض کہ جتنی آیات واحادیث اس باب میں وارد ہیں سب کی فوراً تصدیق کی جائے گی۔ مگر لفظ ''لیکن'' اس کے ساتھ لگا رہے گا۔

اسی کے مناسب یہ حکایت ہے کسی مولوی صاحب نے ایک آدمی سے پوچھا (جن کو سیادت کا دعویٰ تھا) کہ آپ کون سے سید ہیں؟ حسنی یا حسینی؟ انہوں نے کہا: میں سید ابراہیمی ہوں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص فرزند ابراہیم علیہ وعلی ابیہ الصلوۃ والسلام کی اولاد میں ہوں۔ مولوی صاحب نے احادیث اور انساب اور تواریخ کی کتابیں پیش کیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا انتقال حالت طفولیت میں ہوگیا ہے۔ سید صاحب نے یہ سن کر فرمایا: وہ سب تو صحیح ہے لیکن بندہ تو سید ابراہیمی ہے۔ اب ہر شخص غور کرسکتا ہے کہ باوجود اس ''لیکن'' کے یہ کہنا کہ خدا اور رسول نے قیامت کے باب میں جو کچھ فرمایا وہ سب کچھ ہوگا۔ اور اس پر ہمارا یقین اور ایمان ہے۔

داؤ پیچ دھوکہ

کیا دھوکہ کی ٹٹی نہیں ہے؟ اس سے بڑھ کر اور کیا داؤ پیچ ہوسکتے ہیں؟ جن کو تھوڑی سی بھی فراست ہو اس کو بخوبی معلوم کرسکتے ہیں۔

ان مقامات میں جو جو آیات واحادیث وارد ہیں، مرزا صاحب کو ایک قدم بڑھنے نہیں دیتیں۔ اور یہ وہی نقشہ ہے، جو انہوں نے ازالۃ الاوہام (ص ۴۶۴) میں عیسیٰ علیہ السلام کے وفات کے باب میں کھینچا ہے کہ ہمارے مخالفین قرآن کریم کے سامنے جاتے ہیں، تو قرآن کریم کہتا ہے چل دور ہو۔ میرے خزانۂ حکمت میں تیرے خیال کے لئے کوئی موید بات نہیں۔ پھر وہاں سے محروم ہوکر حدیثوں کی طرف آتے ہیں؛ تو حدیثیں کہتی ہیں کہ اے سرکش قوم! ایک جائی نظر سے ہمیں دیکھ اور مومن ببعض اور کافر ببعض نہ ہوتا۔ تجھے معلوم ہو کہ میں قرآن کے مخالف نہیں۔ انتہی

اپنی ادنی غرض کے واسطے وہ آیات واحادیث کو رد کردیتے ہیں

اس کا تصفیہ تو اپنے مقام پر انشاء اللہ تعالی ہوجائے گا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے وفات کے باب میں آیات واحادیث ان کو رد کرتے ہیں یا ان کے مخالفین کو۔ مگر یہاں تو ثابت ہوگیا کہ مرزا صاحب قرآن کی جس آیت کے سامنے جاتے ہیں؛ وہ صاف کہتی ہے کہ چل دور ہو۔ تیرے خیالی اور اختراعی باتوں سے میں بری اور بیزار ہوں۔ پھر وہاں سے محروم ہوکر حدیثوں کی طرف آتے ہیں؛ تو ان کا تو ایک لشکر کثیر شمشیر بکف ہے کہ جتنی باتیں تیری معارض قرآن ہیں؛ سب واجب القتل ہیں۔

مگر مرزا صاحب عیسویت پر عاشق دل دادہ ہیں وہ کب کسی کی مانتے ہیں۔ ان کا عشق اس سے ظاہر ہے کہ مسیح علیہ السلام کا قیامت کے روز بھی زمین پر اتر نا گوار ہے۔ اگر نصوص قطعیہ کے مطابق زمین پر حشر ہو اور عیسی علیہ السلام بھی وہاں موجود ہوں؛ تو یہ تو نہ ہوگا کہ قتل دجال وغیرہ کی ضرورت ہوگی؛ جس سے مزاحمت کا اندیشہ ہو۔

پھر جب مرزا صاحب کا اس میں کوئی ذاتی ضرر متصور نہیں تو ناحق آیات واحادیث کثیرہ سے مخالفت پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر چہ انہوں نے یہ سوچا ہے کہ بطور ترقی یہ کہا جائے گا کہ عیسی علیہ السلام اس عالم میں تو کیا قیامت کے روز بھی زمین پر نہیں اتر سکتے۔ مگر یہ بات ضرورت سے زیادہ ہے۔ اور اس قابل نہیں کہ اس کے لحاظ سے اتنی آیات واحادیث سے مخالفت کی جائے۔ دراصل یہ بھی اسی عشق کا ایک شعبہ ہے۔

اور اس قسم کی صدہا باتیں ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ بمصداق حدیث شریف: ”**حبک الشیئ یعمی ویصم**“ عیسویت کے شوق میں؛ ان کو نہ قرآن کریم کی مخالفت کی پرواہ ہے، نہ حدیث شریف کی۔ جب ان کو اس درجہ کا عشق ہے تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جو امور ان کے مقصود کے مزاحم اور مانع ہوں؛ تو ان کو کس نظر سے دیکھتے ہوں گے۔ عشاق تو ناصح خیر خواہ کو بھی دشمن سمجھتے ہیں۔ چہ جائیکہ موانع اور وہ امور جو مقصود کی طرف جانے سے روک دیں۔ ان کا بس چلے تو روکنے والوں کو بلا تأمل قتل ہی کر ڈالیں۔ جیسا محمد ابن تومرث نے کیا تھا۔ جس کا حال اسی کتاب میں معلوم ہوا۔

اب غور کیا جائے کہ مرزا صاحب کی اس عاشقانہ رفتار میں جگہ جگہ آیات واحادیث جو مزاحمت کر رہی ہیں کس قدر ان کے دل آزار اور ناگوار خاطر ہوں گی۔ جبھی تو وہ بے باکانہ حملے پر حملے کئے جاتے ہیں۔ نہ کسی آیت کو وہ چھوڑتے ہیں نہ حدیث کو۔ ”**انا ولا غیری**“ کی نشا میں سرشار ہیں اور ہر معرکہ میں زبان آوری کے جوہر دکھاتے اور دشمنوں کو تہ تیغ کرتے ہوئے مقصود کی طرف بڑھے جارہے ہیں۔ اس وقت مرزا صاحب کا کوئی دشمن سوا آیات واحادیث کے نظر نہیں آتا۔ جو دائیں اور بائیں طرف سے ان پر حملہ آور ہو۔ اگر اہل اسلام مخالفت کر رہے ہیں، تو وہ وکالۃً ہے۔ کیونکہ مرزا صاحب کے مسیح بن جانے سے نہ ان کے کسی منصب پر اثر پڑتا ہے، نہ کوئی نقصان ہے۔



یہ ان کے خواب کی تعبیر ہے

اس مشاہدہ سے ثابت ہے کہ مرزا صاحب نے جو خواب دیکھا تھا کہ ایک لمبی تلوار جس کی نوک آسمان تک پہونچی ہے؛ ان کے ہاتھ میں ہے۔ اور داہنے بائیں چلارہے ہیں۔ اور ہزار ہادشمن اس سے مارے جارہے ہیں؛ اس کی تعبیر یہی ہے کہ ہزارہا آیات واحادیث کا خون کریں گے؛ جس کا وقوع ہوگیا۔ اور غزنوی صاحب نے جو حسن ظن سے تعبیر دی تھی؛ اس کو مشاہدہ، غلط ثابت کررہا ہے۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ خواب کی تعبیر میں اکثر غلطی ہوا کرتی ہے۔

چنانچہ خود مرزا صاحب ازالۃ الاوہام ص ۲۱۱ میں لکھتے ہیں:

م وحی اور کشف نبی میں غلطی ہوسکتی ہے

''جو وحی یا کشف خواب کے ذریعہ سے کسی نبی کو ہوئے، اس کی تعبیر میں غلطی بھی ہوسکتی ہے''۔ انتہی

جب بقول مرزا صاحب ایسے قابل وثوق خواب میں غلطی ہو جو نبی نے دیکھا ہو اور بذریعہ وحی ہو تو دوسرے خواب اوروں کے اور ان کی تعبیر کس حساب وشمار میں۔

یہ بات بھی لائق توجہ ہے کہ جو تعبیر ہم نے بیان کی ہے، اس پر ایک بہت بڑا قرینہ یہ ہے کہ مرزا صاحب کی تلوار کی نوک آسمان تک پہونچی ہے، جس سے اشارہ ہے کہ آسمانی کتاب اور آسمانی نبوت کے مکاشفات اور اخبار پر اسی تلوار سے حملہ ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جب اس رؤیا کی تعبیر بحسب مشاہدہ اور قرینہ قویہ یہ ثابت ہوئی تو مرزا صاحب کا یہ قول جو ازالۃ الاوہام ص ۷۶۵ میں لکھا ہے کہ حدیثوں میں یہ بات لکھی گئی ہے کہ مسیح موعود اس وقت دنیا میں آئے گا کہ جب علم قرآن زمین پر سے اٹھ جائے گا؛ یہ وہی زمانہ ہے جس کی طرف اشارہ ہے:

''**لو کان الایمان معلقاً بالثریا لنالہ رجل من فارس**'' یہ وہی زمانہ ہے جو اس عاجز پر کشفی طور پر ظاہر ہوا۔ انتہی



مِ قرآن اٹھ گیا تھا میں ثریا سے لا یا

یعنی اس وقت علم قرآن کو خود (انھوں) نے ثریا سے لا یا ہے۔ (رؤیائے مذکورہ) کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ تلوار کی نوک آسمان اور ثریا تک پہونچنے کا مطلب تو یہی ہے کہ اگر قرآن ثریا پر بھی جائے تو اس تلوار سے اس کا کام وہیں تمام کر دیا جائے گا کیونکہ تلوار کی نوک سے تلوار ہی کا کام لیا جاتا ہے۔

جب الہامات وغیرہ سے ظاہر ہو گیا کہ قرآن وحدیث کو وہ تہ تیغ کر رہے ہیں۔ اور یہ وصول قرار دیا ہے کہ تفسیر وحدیث وآثار صحابہ وغیرہ کوئی قابل اعتبار نہیں۔ اور اس پر قرآن کے معارف دانی کا دعوی ہے، تو جو معارف مرزا صاحب ایجاد کرتے ہیں، وہ ضرور ایسے ہوں گے کہ نہ کسی مسلمان نے ان کو سنا ہوگا، نہ ان کے آباء واجداد نے۔ سو ایسے معارف سننے والے بھی ایسے ہی ہونا چاہئے کہ جن کو دین بطور وراثت؛ باپ دادا سے پہونچا نہ ہو۔ کیونکہ جہاں دین نیا ہو تو دین دار بھی نئے ہوں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے معارف بیان کرنے والوں کی نسبت صاف فرمادیا ہے کہ ان کو جھوٹے اور دجال سمجھو چنانچہ امام سیوطیؒ درمنثور میں لکھتے ہیں کہ امام احمدؒ وغیرہ نے روایت کی ہے: ”**عن أبی هريرة رضی اللہ عنهٗ ان رسول اللہ صلى اللہ علیه وسلم قال: سيكون فی امتی دجالون كذابون يأتونكم ببدع من الحديث بما لم تسمعوا انتم ولا آباؤكم فاياكم واياهم لايفتنونكم**“ یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے: ”میری امت میں بہت سے دجال جھوٹے ہوں گے جو مسلمانوں کے روبرو ایسی نئی نئی باتیں پیش کریں گے کہ نہ انھوں نے سنیں نہ ان کے باپ دادا نے۔ ایسے لوگوں سے بچتے رہو کہیں وہ فتنہ میں نہ ڈال دیں“۔ انتہی

مرزا صاحب کی کارروائیاں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہر دو پیش نظر ہیں۔ اہل ایمان تھوڑی توجہ کریں تو قیاس سے صحیح نتیجہ نکال لے سکتے ہیں کہ وہ کیسے شخص ہیں۔ کیا اب بھی مسلمانوں کو مرزا صاحب کے معاملے میں کوئی شک کا موقع اور عذر باقی ہے؟



امام سیوطی رحمہ اللہ کی کتابوں سے حدیثیں

اب حدیث کو دیکھئے کہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے اس کو روایت کی ہے جن کی جلالت شان یہ ہے کہ مرزا صاحب خود ازالۃ الاوہام (ص ۱۵۱) میں لکھتے ہیں:

''امام شعرانی صاحب رحمہ اللہ نے ان لوگوں کے نام لئے ہیں جن میں سے ایک امام محدث جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ بھی ہیں'' اور فرماتے ہیں کہ میں نے ایک ورق جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کا دستخطی ان کے صحبتی شیخ عبدالقادر شاذلی کے پاس پایا۔ جو کسی شخص کے نام خط تھا؛ جس نے ان سے بادشاہ وقت کے پاس سفارش کی درخواست کی تھی۔ سو امام صاحب نے اس کے جواب میں لکھا تھا کہ: میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تصحیح احادیث کے لئے جن کو محدثین ضعیف کہتے ہیں؛ حاضر ہوا کرتا ہوں۔ چنانچہ اس وقت تک پچھتر (۷۵) دفعہ حالت بیداری میں حاضر خدمت ہو چکا ہوں۔ اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ میں بادشاہ وقت کے پاس جانے کے سبب سے حضوری سے رک جاؤں گا تو قلعہ میں جاتا اور تمہاری سفارش کرتا۔ چونکہ مرزا صاحب نے بلا حرج واعتراض بطیب خاطر اس واقعہ کو نقل کیا ہے اس لئے ہم حتی الوسع امام سیوطی رحمہ اللہ کی کتابوں سے احادیث نقل کیا کرتے ہیں تاکہ مرزا صاحب کو ان کے مان لینے میں تامل نہ ہو۔ اور جس کتاب سے حدیث مذکورۂ بالا کو امام سیوطی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔ وہ امام احمد رحمہ اللہ کی مسند ہے جن کی شاگردی پر اکابر محدثین کو ناز ہے۔

اس کتاب میں نقل کرنے کی وجہ مسند احمد کو مرزا صاحب مانتے ہیں

اور خود مرزا صاحب ضرورۃ الامام (ص ۲) میں حدیث **''من مات بغير امام مات ميتة جاهلية''** کو انہیں کی اسی مسند سے نقل کر کے لکھتے ہیں: ''کہ یہ حدیث ایک متقی کے دل کو امام الوقت کے طالب بنانے کے لئے کافی ہوسکتی ہے کیونکہ جاہلیت کی موت ایک ایسی جامعہ شقاوت ہے جس سے کوئی بدی اور بدبختی باہر نہیں۔ سو بموجب اس نبوی وصیت کے ضروری ہوا کہ ہر ایک حق کا طالب امام صادق کی تلاش میں لگا رہے۔ انتہی

اس کے بعد اپنے امام الوقت ہونے کی تقریر کر کے یہ نتیجہ نکالا کہ جو اپنے کو امام نہ مانے وہ اس شقاوت میں گرفتار ہوگا جس سے کوئی بدی اور بدبختی باہر نہیں نہ فسق نہ کفر یعنی فاسق وکافر ہوگا۔اب دیکھئے کہ مسند موصوف کو بقول مرزا صاحب کس درجہ قوت ہے کہ اس کی حدیث پر عمل نہ کرنے والا فاسق بلکہ کافر ہوجاتا ہے۔پھر اسی کتاب کی وہ حدیث واجب العمل کیوں نہ ہو جس سے نئی غیر معروف باتیں بنانے والے دجال وکذاب ثابت ہوتے ہیں۔"من مات بغیر امام" کی حدیث میں چونکہ مرزا صاحب کا نام نہیں ہے۔اس لئے اس سے خاص مرزا صاحب کا امام زماں ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔بخلاف اس کے جو شخص ایسی نئی باتیں بیان کرے جو مسلمانوں نے اور ان کے آباء واجداد نے نہیں سنی۔اس کو دجال وکذاب وفتنہ پرداز سمجھنا بحسب اقرار مرزا صاحب صراحۃً اس حدیث سے لازم اور واجب ہے۔خدا کرے مرزا صاحب ایسی نئی باتیں بنانا چھوڑ دیں اور مسلمانوں کے معتمد علیہ بن جائیں۔

ان کا دجال وکذاب ہونا ان کے اقرار سے ثابت ہے

یہاں یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ حدیث شریف تو صراحۃً بآواز بلند کہہ رہی ہے کہ نئی باتیں بنانے والا دجال وکذاب ہے۔اور مرزا صاحب کی تقریر سے مستفاد ہے کہ نصوص کیسے ہی صراحت سے وارد ہوں مگر مرزا صاحب کے قول کے مقابلے میں وہ سب ترک کردی جائیں۔

م الہام قرینہ قویہ ہے احادیث کا معنی پھیرنے کے لئے

چنانچہ ازالۃ الاوہام (ص ۴۰۹) میں فرماتے ہیں صرف الہام کے ذریعہ ایک مسلمان اس کے معنی آپ پر کھولتا ہے کہ ابن مریم سے اس جگہ درحقیقت ابن مریم مراد نہیں ہے۔تب بھی بمقابل اس کے آپ لوگوں کو یہ دعوی نہیں پہنچتا کہ ابن مریم سے مراد درحقیقت ابن مریم ہی ہے کیونکہ مکاشفات میں استعارات غالب ہوتے ہیں اور حقیقت سے پھیرنے کے لئے الہام الٰہی قرینۂ قویہ کا کام دے سکتا ہے اور آپ حسن ظن کے مامور ہیں۔انتہی

دیکھ لیجئے ابتدائے اسلام سے آج تک کسی نے کہا نہ سنا کہ عیسیٰ علیہ السلام مرکز زمین میں

دفن ہو گئے اور ان کا ہم نام یا مثیل پیدا ہو کر پادریوں کا جواب دے گا اور پادری لوگ ہی دجال ہیں۔اسی طرح قیامت کا جنت میں ہونا وغیرہ امور جو مرزا صاحب سنا رہے ہیں۔ ایسے ہیں کہ کسی مسلمان نے نہیں سنے اور آیات و احادیث میں کھلے الفاظوں میں موجود ہے کہ:

''قیامت زمین پر ہوگی اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام قبل قیامت زمین پر آئیں گے ایسے موقع میں مرزا صاحب پر حسن ظن کیا جائے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی جائے کہ جو شخص نئی باتیں بنائے وہ دجال و کذاب سمجھا جائے۔ ہمارے کہنے کی یہاں کوئی ضرورت نہیں۔ ہر شخص اپنے معتقد علیہ کی بات کو خود مان لے گا۔ **وما علینا الا البلاغ**۔

اگر مرزا صاحب کے مخترعات پر حسن ظن ضرور ہے تو ابو منصور کے کشف مذکور کے الہامات کیوں قابل حسن ظن نہ ہوں۔ آخر اس کا بھی دعویٰ الہام ہی سے تھا کہ ''**حرمت علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر الخ**'' کے معنی یہ نہیں جو ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ بزرگوں کے نام تھے جن کی حرمت و تعظیم کی ضرورت تھی۔ اس وجہ سے مردار اور خون اور گوشت خنزیر وغیرہ کی حرمت ثابت نہیں۔

علیٰ ہذا القیاس جتنے مدعیان الہام گذرے ہیں سب کا یہی دعویٰ تھا ''کہ ہمارے الہام حجت ہیں'' اور اسی قسم کی دلائل انہوں نے بھی قائم کئے ہوں گے: ''کہ کلام خدا و رسول کو پھیرنے کے لئے الہام الٰہی قرینۂ قویہ کا کام دے سکتا ہے اور آپ حسن ظن کے مامور ہیں''۔ انہی وجوہات سے ہزاروں ان کے بھی پیرو ہو گئے تھے۔ مگر درحقیقت وہ جھوٹے تھے جن کے کذاب ودجال ہونے کے قائل غالباً مرزا صاحب بھی ہوں گے۔ اب ان صدہا تجربوں کے بعد بھی اگر مرزا صاحب کے الہاموں پر حسن ظن کیا جائے تو یہ مقولہ صادق آجائے گا؛ ''**من جرب المجرب حلت به الندامة**'' مگر یہ ندامت قیامت کے روز خدا اور رسول کے روبرو کچھ مفید نہ ہوگی۔

غرض کہ مرزا صاحب نے جو کہا تھا کہ آدمی مرتے ہی جنت میں چلا جاتا ہے اور استدلال میں یہ آیت پیش کی تھی: ''اُدْخُلِيْ جَنَّتِيْ'' سو اس کا حال معلوم ہو گیا کہ اس آیت کو اس سے کوئی تعلق

نہیں بلکہ سیاق آیت سے ظاہر ہے کہ قیامت کے روز یہ ارشاد ہوگا جس پر دوسری آیات بھی ناطق ہیں۔ اور اگر موت کے وقت کہا بھی جاتا ہو تو بطور بشارت ہے کہ وقت پر داخل ہو جائے۔

م آیت قیل ادخل الجنة سے استدلال

اور اس آیت شریفہ سے یہی استدلال کرتے ہیں قولہ تعالیٰ: "قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ؕ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۷﴾ " (یٰس) یہ ایک شخصی واقعہ ہے جس کو حق تعالیٰ نے:

"وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى الی قولہ تعالی قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ"

(سورۂ یٰس: آیت: ۲۰/۲۶) میں ذکر فرمایا ہے۔

ماحصل اس کا یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اہل انطاکیہ کی طرف اپنے حوارین سے تین شخصوں کو بھیجا تھا کہ ان کو توحید کی دعوت کریں۔ انہوں نے ان سب کو مار ڈالا۔ اس اثنا میں ایک بزرگ جن کا نام حبیب تھا وہ بھی آئے اور اس قوم کو نصیحت کر کے اپنا ایمان ظاہر کیا۔ انہوں نے ان کو بھی شہید کر ڈالا۔ حق تعالیٰ اس بزرگ کا حال بیان فرماتا ہے: "قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ؕ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۷﴾ " (یٰس) یعنی اس شخص سے کہا گیا کہ جنت میں داخل ہو۔ اس نے کہا کاش میری قوم جانتی کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا اور عزت دی۔ اس واقعہ پر مرزا صاحب استدلال کرتے ہیں کہ مرتے ہی جنتی جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اس میں صرف اسی قدر ہے کہ اس شخص سے کہا گیا تھا کہ جنت میں داخل ہو جا۔ یہ تو نہیں کہا گیا ابھی داخل ہو جا۔ اگر فی الحقیقت ان کے داخل ہو جانے کا حال بیان کرنا مقصود ہوتا تو "ادخلناہ فی الجنة" ارشاد ہوتا۔ یعنی ہم نے اس کو جنت میں داخل کر دیا۔ کیونکہ یہاں اس بزرگ کی جان بازی کے معاوضہ میں اپنے کمال فضل کا حال بیان کرنا مقصود ہے۔ فن بلاغت میں بلاغت کے معنی یہ لکھتے ہیں کہ کلام مقتضائے حال کے مطابق ہو۔ کما قال فی التلخیص "البلاغة فی الکلام مطابقتہ لمقتضی الحال مع فصاحتہ"۔

اب دیکھئے کہ اگر وہ بزرگ داخل جنت ہو گئے ہوتے تو مقتضائے حال لفظ **ادخلناہ** تھا۔نہ **قیل ادخل الجنۃ** اور جب **قیل ادخل** ارشاد ہے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ صرف بشارت مقصود تھی۔ورنہ کلام مطابق مقتضائے حال نہ ہوگا۔حالانکہ کلام الٰہی میں یہ بات محال ہے۔

اگر کہا جائے کہ حق تعالیٰ کا فرمانا ہی دخول جنت کے لئے کافی ہے؛تو ہم کہیں گے کہ لفظ ''**قیل ادخل**'' سے دو احتمال پیدا ہوتے ہیں: ایک فورا داخل ہو جانا۔دوسرا وقت معین پر۔یعنی قیامت کے روز داخل ہونے کی بشارت۔اس صورت میں وہ احتمال لینا جو مخالف قرآن ہے؛ہرگز جائز نہیں۔پھر ایسا احتمالی پہلو اختیار کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ صاف ارشاد ہو جاتا'' کہ ہم نے اس کو جنت میں داخل کر دیا'' جس سے کوئی احتمال ہی باقی نہ رہتا اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو وہ دخول روحانی تھا جو عارضی طور پر ہوا کرتا ہے۔غرض کہ اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ مرتے ہی ہر شخص جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور پھر اس سے نہیں نکلتا۔

اور یہ آیت شریفہ بھی استدلال میں پیش کرتے ہیں:

ولا تحسبن الذین قتلوا سے ان کا استدلال

''**ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم**'' یعنی شہیدوں کو مردے مت سمجھو وہ اللہ کے پاس زندہ ہیں۔اس میں تو جنت کا نام بھی نہیں رہا۔'' اللہ کے پاس زندہ رہنا'' سو اس میں جنت کی کیا خصوصیت؟ دیکھ لیجئے فرشتے زندہ ہیں۔اور جنت میں نہیں ہیں۔اور اگر کہا جائے کہ فرشتے آسمانوں میں ہیں۔اور جنتیں بھی وہیں ہیں۔جس سے یہ لازم آتا ہے کہ کل آسمانی فرشتے جنت میں ہیں۔تو پھر یہ کہنا'' کہ جنت میں داخل شدہ خارج نہیں ہو سکتا'' صحیح نہیں۔اس لئے کہ فرشتے زمین پر برابر اترتے رہتے ہیں۔جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے'' **تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ**'' (سورۃ القدر: آیت: ۴) اس صورت میں ممکن ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی ان فرشتوں کے ساتھ اتر آئیں۔

غرض کہ زندگی کے واسطے جنت کی ضرورت نہیں۔اگر قبر ہی میں خاص طور پر زندہ رہیں تو

احیاء عند ربھم جب بھی صادق آئے گا اور قرب کے لئے نہ آسمانوں کی ضرورت ہے نہ جنت کی۔

حق تعالیٰ فرماتا ہے: ''نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (سورۃ ق: آیت: ۱۶)

وقولہ تعالیٰ: فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ حِیْنَىِٕذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ '' (الواقعۃ) یعنی جب روح حلق کو پہنچ جاتی ہے اور تم دیکھتے رہتے ہو اور ہم تم سے زیادہ تر نزدیک اس کے رہتے ہیں لیکن تم نہیں دیکھتے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ''عند'' کا مضمون ہر وقت صادق ہے۔

اس میں کلام نہیں کہ شہداء کو خاص طور پر تقرب ہے۔ مگر اس سے ثابت یہ نہیں ہو سکتا کہ ہمیشہ کے لئے وہ جنت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اس قسم کا داخل ہونا بعد حشر کے ہو گا۔ جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَسِیْقَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِیْنَ ﴿۷۳﴾ '' (الزمر) ترجمہ! جو لوگ متقی ہیں ان کے گروہ گروہ جنت کی طرف جائیں گے۔ جب وہ لوگ وہاں پہنچیں گے اور دروازے کھولے جائیں گے تو دربان کہیں گے: ''سلام ہے تم پر خوش رہو اور داخل ہو اور ہمیشہ اسی میں رہو۔

اگر کہا جائے کہ اس آیت میں تو قیامت کا ذکر نہیں ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ: اس میں موت کا بھی ذکر نہیں ہے۔ ظاہر آیت سے صرف اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ متقی لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرما دی ہے کہ قیامت کے روز وہ داخل جنت ہوں گے۔ چنانچہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے درمنثور میں لکھا ہے:

''أخرج النسائی والحاکم وابن حبان عن أبی ھریرۃ وأبی سعید رضی اللہ عنھما أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ما من عبد یصلی الصلوات الخمس ویصوم رمضان ویخرج الزکوۃ ویجتنب الکبائر السبع الا فتحت لہ ابواب الجنۃ الثمانیۃ یوم القیمۃ''

یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص پانچ وقت کی نماز پڑھے اور رمضان کے

روزے رکھے اور زکوۃ دے اور ساتوں گناہ کبیرہ سے بچے تو قیامت کے روز اس کے لئے جنت کے دروازے کھولے جائیں گے۔ انتہی

اب غور کیا جائے کہ اگر وہ جنت میں داخل شدہ تجویز کئے جائیں تو قرآن وحدیث کے مطابق پھر دوبارہ ان کو اس روز داخل جنت ہونا پڑے گا۔ اور وہ کس قدر خلاف عقل ہے۔ کیونکہ عُقلاء جانتے ہیں کہ تحصیل حاصل محال ہے۔

الحاصل آیت شریفہ سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ شُہَدا قیامت سے پہلے جنت میں داخل ہوجاتے ہیں۔ البتہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شُہَداء کی ارواح جنت میں داخل ہوجاتی ہیں۔

چونکہ مرزا صاحب کی عادت ہے کہ جو احادیث ان کے مقصود کے مضر ہوتی ہیں ان کو نظر انداز کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ حشر اجساد کے باب میں جتنی حدیثیں وارد ہیں سب کو نظر انداز کر دیا۔ اور ایک کا بھی جواب نہ دیا۔ اسی طرح ہم کو بھی اس مقام میں احادیث سے تعرض کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ مگر اپنے ہم مشربوں کے خیال سے ان احادیث کا بھی مطلب بیان کر دیتے ہیں جو اس باب میں وارد ہیں۔

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ دخول جنت روحانی طور پر بھی ہوا کرتا ہے، جیسا کہ متعدد احادیث سے ثابت ہے۔

ح حضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم جنت میں جا کر تشریف لائے

من جملہ ان کے ایک یہ ہے جو بخاری ومسلم اور مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ میں ہے:

"عن انس وجابر رضی اللہ عنھما قالا: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: دخلت الجنة فاذا انا بقصرٍ من ذھب فقلت: لمن ھذا القصر؟ قالو الشاب من قریش فظننت انی انا ھو قلت: ومن ھو؟ قالوا: عمر بن الخطاب فلو لا ماعلمت من غیرتک لدخلته" حم ق ات کذافی کنز العمال۔

یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہ: میں جنت میں داخل ہوا' دیکھا کہ

ایک محل سونے کا بنا ہوا ہے۔ میں نے پوچھا یہ کس کا محل ہے؟ لوگوں نے کہا: ایک جوان قریشی کا ہے۔ میں نے خیال کیا کہ شاید وہ میرا ہوگا مگر پھر پوچھا کہ: وہ کون شخص ہے؟ کہا: عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ۔ اگر تمہاری غیرت کا خیال نہ ہوتا تو میں اس محل میں چلا جاتا۔ انتہی اور ایک حدیث یہ بھی ہے جو بخاری میں مذکور ہے:

''عن انس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: بینا أنا أسیر فی الجنة اذا انا بنھر حافتاہ قباب الدر المجوف قلت ما ھذا یاجبرئیل؟ قال: ھذا الکوثر الذی أعطاک ربک فاذا طینہ مسک أذفر۔ رواہ البخاری۔ کذافی المشکوۃ۔

یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے: ایک بار میں جنت میں سیر کر رہا تھا۔ ایک نہر پر جا نکلا جس کے کنارے مجوف موتی کے قبہ تھے۔ میں نے جبرئیل سے پوچھا یہ کیا ہے؟ کہا یہ وہی کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو دیا ہے۔ دیکھا تو اس کا کیچڑ مشک اذفر ہے۔ انتہی

اگرچہ ان حدیثوں میں خواب کی تصریح نہیں ممکن ہے کہ شب معراج حالت بیداری میں تشریف لے گئے ہوں۔ مگر علی سبیل التنزل دخول روحانی میں تو کلام ہی نہیں؛ جس سے یہ ثابت ہے کہ دخول روحانی، مانع خروج نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح شُہَدا ابھی روحانی طور پر جنت میں داخل ہوا کرتے ہیں۔

جسمانی دخول جنت اس عالم میں مانع خروج نہیں

چنانچہ اس روایت سے ظاہر ہے جس کو امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے درمنثور میں مسند امام احمد ابن حنبل اور ابوداؤد اور مستدرک حاکم وغیرہ سے نقل کیا ہے: ''اخرج احمد و ابو داؤد و الحاکم وغیرھم عن ابن عباس رضی اللہ عنھما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لما اصیب اخوانکم باحد جعل اللہ ارواحھم فی اجواف طیر خضر ترد انھار الجنة وتأکل ثمارھا وتأوی الی قنادیل من ذھب معلقة فی ظل العرش'' الحدیث یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ: تمہارے بھائی جب احد میں شہید ہوئے تو اللہ تعالی ان کی روحوں کو سبز سبز

پرندوں میں رکھا۔ وہ جنت کی نہروں پر جاتے ہیں۔ اور میوے کھاتے ہیں۔ اور سونے کی قنادیل میں رہتے ہیں، جو عرش کے سایہ میں لٹکی ہوئی ہیں۔ انتہی

شہداء کا روحانی اور عارضی طور پر جنت میں جانا اس سے بخوبی ثابت ہے کہ ان کی روحیں پرندوں میں رکھی گئیں۔ اور مقام ان کا قنادیل قرار دیا گیا۔ نہ حور وغلماں سے ان کو تعلق ہے، نہ تخت وتاج سے کام۔ نہ لباس وزیور سے آرائش، نہ ان کے لئے فرش وفروش۔ حالانکہ یہ امور جنتیوں کے لئے لازم ہیں۔ جس کا حال ابھی معلوم ہوا۔ صرف پرندوں کی طرح کھا پی لیتے ہیں۔ اور خاص قسم کا تقرب بھی حاصل ہے۔ مگر وہ خصوصیات جو وقت پر ہونے والی ہیں۔ کہاں؟ جس دخول کے بعد ہمیشہ رہنا ہوگا۔ وہ دخول جسمانی ہے۔ جس کی نسبت اس آیت شریفہ میں اشارہ ہے: ''كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ'' (الانبیاء: ۱۰۴) یعنی جس طرح ہم نے پہلے پیدا کیا اسی خلق پر دوبارہ پیدا کریں گے۔ اور ظاہر ہے کہ دخول روحانی میں یہ بات نہیں ہے۔ اور بخاری شریف (ص ۶۹۳) میں یہ روایت ہے:

''عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال خطب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: انکم محشورون الی اللہ عزوجل عراۃ غرلا کما بدأنا أول خلق نعیدہ وعداً علینا انا کنا فاعلین'' یعنی خطبہ میں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: تم لوگوں کا حشر خدائے عزوجل کی طرف ہوگا، برہنہ اور بے ختنہ۔ یعنی ابتدائی پیدائش کے مطابق۔ چنانچہ حق تعالی فرماتا ہے: ''جیسے ہم نے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اسی طرح پھر اعادہ کریں گے'' یعنی پہلی حالت پر دوبارہ پیدا کریں گے۔ یہ وعدہ ہم پر لازم ہے۔ جس کو ہم پورا کرنے والے ہیں۔ انتہی

اسی اعادہ کے بعد ''فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ'' کہا جائے گا۔ جس کا حال ابھی معلوم ہوا۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شہدا جب ہمیشہ رہنے کے واسطے جنت میں دوبارہ داخل ہوں گے تو پرندوں کی شکل پر نہ رہیں گے۔ بلکہ بمصداق ''لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝۴'' (التین) شکل انسانی میں ہوں گے؛ جو احسن صور ہے۔

یہاں یہ بھی یادرہے کہ ہر دخول جسمانی بھی مانع خروج نہیں۔ چنانچہ معراج شریف کا واقعہ اسلامی دنیا میں مثل آفتاب روشن، اور اعلان کررہا ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عالم بیداری میں، جسم اطہر کے ساتھ جنتوں میں تشریف لے گئے تھے۔ اور واپس تشریف لانے کو کوئی چیز مانع نہ ہوسکی۔

اگر کوئی منصف مزاج، دیدۂ عقل کو سرمۂ بصیرت بخش شریعت غرا سے منور کرکے دیکھے، تو معلوم ہو کہ یہ دونوں گھر یعنی دارالدنیا اور دارالجنان ایک ہی خالق کے مخلوق ہیں۔ جس کو جب تک جہاں چاہے رکھے اور جس کو چاہے، ایک گھر سے دوسرے گھر میں لے جائے؛ مختار ہے۔ اور عادت اللہ بھی جاری ہوچکی ہے کہ بحسب ضرورت مردے زندہ ہوچکے ہیں۔ جس پر کئی آیات بینات متفق اللفظ والمعنی گواہی دے رہے ہیں۔ جس کا حال انشاء اللہ تعالی معلوم ہوگا۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ شہداء کی ارواح اس عالم میں آیا کرتی ہیں۔ چنانچہ احادیث سے ثابت ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو فرشتوں کے ساتھ اڑتے ہوئے دیکھا۔ **كما ذكر السيوطي رحمه الله في كنز العمال "عن علي رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: عرفت جعفرا في رفقة من الملئكة يبشرون أهل بِيشَة بالمطر (عد) وعن البراء رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ان الله قد جعل لجعفر جناحين مضرجين بالدم يطير بهما مع الملئكة" (قط في الافراد ك)**

اس کے بعد یہ بات ہر صاحب فہم کی سمجھ میں آسکتی ہے کہ اگر بقول مرزا صاحب عیسی علیہ السلام کی وفات تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کر بھی لی جائے؛ تو بحسب وعدۂ خدا اور سول ان کا زندہ ہوکر اپنی خدمت بجالانے کے واسطے چندروز کے لئے آجانا، کونسی بڑی بات ہے۔ اگر مرزا صاحب اپنی عیسویت کے خیال کو علحدہ رکھ کر خدائے تعالی کی قدرت اور ایفائے عہد اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخبر صادق ہونے پر غور فرمائیں تو معلوم ہوگا کہ عیسی علیہ السلام کا زمین پر آنا کسی حالت میں مستبعد اور خلاف عقل نہیں۔

غرض کہ یہ بات بدلائل ثابت ہوچکی کہ دخول جنت دو قسم پر ہے: ایک روحانی اور قبل حشر اجساد۔ دوسری جسمانی اور بعد حشر۔ پہلا مانع خروج نہیں۔ مگر مرزا صاحب نے اس کے خلاف میں دوسرے اقسام کا اختراع کیا ہے۔



م جنت اور دوزخ کے تین درجہ ہیں

چنانچہ فرماتے ہیں کہ ''جنت اور دوزخ تین درجوں پر منقسم ہے۔
پہلا درجہ قبر کا۔ دوسرا درجہ حشر اجساد کے بعد اور جنت عظمی یا جہنم کبری میں داخل ہونے سے پہلے حاصل ہوتا ہے۔ اور بوجہ تعلق جسد کامل قویٰ میں ایک اعلیٰ درجہ کی تیزی پیدا ہوتی ہے۔ تیسرا درجہ یوم الحساب کے بعد۔ انتہی

اس تقریر میں مرزا صاحب حشر اجساد کا نام جو لے رہے ہیں، اس میں بڑی دور اندیشی سے کام لیا جا رہا ہے۔ کیونکہ اگر اس کا نام بھی نہ لیں تو لوگ بالکل کافر بنا دیں گے۔ مگر اس زمانہ میں ایسی احتیاط کی ضرورت نہیں، ایسے بزرگوار لوگ جو کچھ فرما دیتے ہیں، وہ بات چل ہی جاتی ہے۔ اور کسی قسم کے شبہ تک نوبت ہی نہیں آتی۔ آخر اس حدیث شریف کا صادق ہونا بھی ضرور ہے:

''عن انس رضی اللہ عنہ قال :قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان من أشراط الساعۃأن یرفع العلم ویظھر الجھل''(حم'ق و'ہ)

یعنی بخاری ومسلم اور مسند امام احمد رضی اللہ عنہ اور ابن ماجہ میں روایت ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ''کہ قیامت کی علامتوں سے ایک یہ ہے کہ علم اٹھ جائے گا اور جہل ظاہر ہوگا۔ انتہی

اگرچہ علم کے اٹھ جانے کے کئی معنی ہوسکتے ہیں۔ مگر مشاہدہ جو ہورہا ہے، اس کے لحاظ سے یہ معنی بھی صادق آتے ہیں کہ جب قرآن کے اصلی معنی لوگوں کے خیال سے جاتے رہیں، تو جو حقیقی اور واقعی علم ہے وہ بے شک اٹھ جائے گا۔ مثلاً قیامت کا علم وہی ہے، جو آیات واحادیث سے ثابت ہے کہ مردے زندہ ہوکر قبروں سے زمین پر آجائیں گے۔ پھر جب یہ علم جاتا رہے۔ اور اس کی جگہ یہ ذہن نشین ہو کہ مردے اندر ہی اندر سوراخ کی راہ سے جنت میں گھس جائیں گے۔ جیسا کہ مرزا صاحب فرماتے ہیں۔ تو علم کے اٹھنے میں اور جہل مرکب کے ظاہر ہونے میں کیا شک ہے ہرچند یہ پرآشوب وفتن زمانہ ایسا ہی ہے مگر ایمان والوں کو بفضلہ تعالیٰ کچھ خطر نہیں۔ چنانچہ حدیث شریف ہے:



ح آخری زمانے میں فتنوں کو مکروہ مت سمجھو

”عن علی رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لاتکرھواالفتنۃ فی آخر الزمان فانھاتبیر المنافقین“ رواہ ابو نعیم کذافی کنز العمال۔

یعنی آخرزمانہ والوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: تم لوگ کسی فتنہ کو مکروہ نہ سمجھو۔ وہ صرف منافقوں کو تباہ کرے گا۔ انتہی

یعنی جہل مرکب کے گڑھوں میں گر کے تباہ اور ہلاک ہوں گے۔ غرض کہ ہم لوگوں کو چاہئے کہ جو کچھ حق تعالی نے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر طور پر فرمادیا ہے اسی پر مضبوط ایمان رکھیں۔ اور جان سے زیادہ تر عزیز سمجھیں۔ پھر کسی فتنہ گر کے فتنہ سے کچھ خوف نہیں۔

مرزا صاحب کا مذہب ابھی معلوم ہوا کہ آدمی مرتے ہی جنت میں داخل ہوجاتا ہے۔ پھر تخت رب العالمین بھی اتر آئے تو وہ حصار جنت سے حساب وکتاب کے واسطے باہر نہ نکلے گا۔ اس صورت میں جو تحریر فرماتے ہیں: ”کہ حشر اجساد کے بعد اور جنت عظمی میں داخل ہونے کے پہلے، تعلق اجساد کا متوسط درجہ قرار دیا گیا ہے۔ تو یہ ترقی معکوس سمجھ میں نہیں آتی۔ البتہ پہلا درجہ جو قبر کو قرار دیا ہے، اس کو مجازاً جنت تسلیم کرسکتے ہیں۔ کیونکہ حق تعالی فرماتا ہے: ”اَلنَّارُ یُعۡرَضُوۡنَ عَلَیۡہَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا ۚ وَیَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَۃُ ۟ اَدۡخِلُوۡۤا اٰلَ فِرۡعَوۡنَ اَشَدَّ الۡعَذَابِ ﴿۴۶﴾ “ (المؤمن) یعنی دکھاتے ہیں ان کو صبح وشام دوزخ کی آگ اور قیامت کے روز کہا جائے گا کہ فرعون کے لوگوں کو داخل کرو سخت عذاب میں۔ اور بخاری شریف میں ہے:

”عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذامات احدکم فانہ یعرض علیہ مقعدہ بالغداۃ و العشی فان کان من اھل الجنۃ فمن اھل الجنۃ وان کان من اھل النار فمن اھل النار“

یعنی جب کوئی مرجاتا ہے، تو خواہ وہ جنتی ہو یا دوزخی، اس کا مقام صبح وشام اس کو دکھایا جاتا ہے۔ یہ آیت وحدیث اس بات پر دلیل قطعی ہے کہ ہر شخص اپنی ہی قبر میں رہتا ہے۔ اور وہیں اپنا

مقام دیکھا کیا کرتا ہے۔جس سے ظاہر ہے کہ قبر جنت کا کوئی درجہ نہیں۔ بلکہ اس سے خارج ہے۔ ہاں اگر اس لحاظ سے کہ جنت وہاں سے نظر آتی ہے؛ اس کو جنت کہیں، تو مجازاً ممکن ہے۔ مگر پچاس ہزار برس کا قیامت کا دن جس میں انبیاء بھی نفسی نفسی پکاریں گے، اس کو جنت کا ایک درجہ وہ بھی متوسط قرار دینا سخت حیرت انگیز ہے۔ نہ قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے، نہ حدیث۔ بلکہ دونوں اعلان کے ساتھ اس کی تکذیب کررہے ہیں۔ جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔

اس آیت شریفہ سے وہ تقریر اور بھی مستند ہوگئی جس میں بیان کیا گیا تھا کہ دخول جنت ودوزخ قیامت پر منحصر ہے۔

م ایک سوراخ سے مردہ جنت میں گھس جاتا ہے

اور مرزا صاحب کی اس تقریر کی بھی حقیقت کھل گئی جو ازالۃ الاوہام ص ۳۶۰ میں لکھتے ہیں: ''کہ ایک شخص ایمان اور عمل کی ادنی حالت میں فوت ہوتا ہے تو تھوڑی سی سوراخ بہشت کی طرف اس کے لئے نکالی جاتی ہے پھر لوگوں کی دعاؤں وغیرہ سے وہ سوراخ بڑھ کر ایک وسیع دروازہ ہوجاتا ہے جس سے وہ بہشت میں چلا جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ بہشت میں داخل ہونے کے لئے ایسے زبردست اسباب موجود ہیں کہ قریباً تمام مومنین یوم الحساب سے پہلے اس میں پورے طور پر داخل ہوجائیں گے۔ اور یوم الحساب ان کو بہشت سے خارج نہ کرے گا۔ انتہی ملخصاً

یہ امر پوشیدہ نہیں کہ روح ایسی لطیف چیز ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے سوراخ سے بھی وہ نکل جاتی ہے۔ چنانچہ رحم کا منہ باوجودیکہ نہایت سختی سے بند ہوجاتا ہے جس کی تصریح طب جدیدہ میں کی گئی ہے۔ مگر روح اس سے بھی نکل کر جنین میں داخل ہو ہی جاتی ہے۔ پھر اس سوراخ سے نکل جانا جو قبر سے بہشت کی طرف اسی کے واسطے نکالا جاتا ہے؛ کیا مشکل؟ اس کے نکلنے کے لئے نہ بڑے دروازہ کی ضرورت ہے، نہ اس قدر مہلت درکار ہے کہ سوم دہم چہلم سہ ماہی برسی وغیرہ میں جو دعائیں اور کارخیر ہوتے ہیں؛ بتدریج اس سوراخ کو بڑا بڑا کر وسیع کردیں؛ جس سے وہ نکل کر جنت میں داخل ہوسکے۔ کیونکہ بقول مرزا صاحب روح تو مرتے ہی جنت میں داخل ہوجاتی ہے۔ چنانچہ

ازالۃ الاوہام (ص ۳۶۴) میں فرماتے ہیں: ہر ایک مومن جو فوت ہوتا ہے، اس کی روح خدائے تعالیٰ کی طرف اٹھائی جاتی ہے۔ اور بہشت میں داخل کی جاتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: 'یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ ﴿۲۷﴾' (الفجر) الآیۃ۔ بظاہر مرزا صاحب کے ان دونوں کلاموں میں تعارض سا معلوم ہوتا ہے کہ روح مرتے ہی جنت میں داخل ہوجاتی ہے۔ اور لوگوں کی دعا وغیرہ سے سوراخ کشادہ ہونے کے بعد ایمان دار جنت میں چلا جاتا ہے۔ مگر اس کے جواب کی طرف انہوں نے اشارہ کردیا کہ روح تو مرتے ہی جنت میں پہنچ جاتی ہے۔ اور ہمیشہ رہنے کے لئے جنت میں داخل ہونا' جو احیائے جسم پر موقوف ہے۔ جیسا کہ قولہ تعالیٰ:

"قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ ﴿۷۸﴾ قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍؕ"

(یٰس ۷۹/۷۸) سے ثابت ہے۔ سو اس کے لئے مہلت درکار ہے، جس میں دروازہ اتنا وسیع ہو کہ لاش اس سے نکل جائے۔ چنانچہ مرتے ہی داخل ہونے کے باب میں تصریح کرتے ہیں کہ روح داخل ہوتی ہے۔ اور مہلت اور وسعت باب کے بارے میں لکھتے ہیں: "کہ وہ شخص ایماندار داخل ہوتا ہے" اس تقریر سے تعارض تو دفع ہوگیا۔ لیکن اس پر ایک نیا شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ شخص جنت میں داخل ہونے کو جاتا ہے۔ اور جنت آسمان پر ہے۔ جیسے مرزا صاحب ازالۃ الاوہام (ص ۲۶۴) میں تحریر فرماتے ہیں: "کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہونے کے بعد ان کی روح آسمان کی طرف اٹھائی گئی۔ اور ہر مومن کی بھی اٹھائی جاتی ہے۔ اور بہشت میں داخل کی جاتی ہے۔ انتہی

اور نیز جنتوں کا آسمان پر ہونا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ تو ضرور تھا کہ مردے آسمانوں پر جاتے ہوئے دکھائی دیتے۔ کیونکہ یہ دخول اس وجہ سے جسمانی ہے کہ روح تو مرتے ہی جنت میں داخل ہوجاتی ہے۔ اور اس دخول کے لئے دعاوؤں وغیرہ کا انتظار رہتا ہے۔ جس سے سوراخ اس قابل ہو کہ لاش اس سے نکل جائے۔ اس صورت میں ضرور تھا کہ مردے قبروں سے نکلتے ہوئے نظر آتے۔

شاید اس کا یہ جواب دیا جائے گا کہ وہ اس طرف سے نہیں جاتے۔ بلکہ زمین کے اندر ہی اندر سوراخ کر کے دوسری طرف سے نکل جاتے ہیں۔

تو اس کے ماننے میں بھی تامل ہے۔ کیونکہ ایسا سوراخ جس سے مردہ جا سکے کسی قبر میں دیکھا نہیں گیا۔ اگرچہ یہ ممکن ہے کہ مردہ نکلتے ہی وہ سرنگ پاٹ دی جاتی ہو۔ لیکن اس کے ماننے کے بعد بھی ایک اور دشواری درپیش ہے کہ جغرافیہ سے ثابت ہے کہ اگر ہندوستان کی زمین میں سوراخ آر پار کر دیا جائے تو وہ امریکہ کے کسی حصہ میں نکلے گا۔ پھر اگر ہندوستان کے مردے اس سوراخ کی راہ سے اس طرف زمین پر نکل کر آسمان کی طرف جائیں؛ تو امریکہ والوں کی شکایت گورنمنٹ میں ضرور پیش ہوتی کہ ہندوستان کے صدہا بلکہ ہزارہا مردے ہر روز چلے آتے ہیں۔ کوئی کفن پہنا ہوا ہے کوئی برہنہ ہیبت ناک۔ کسی کے گھر میں نکلتے ہیں۔ کسی کی زراعت وغیرہ میں۔ غرض علاوہ خوف و دہشت کے مالی نقصان بھی ہوتا ہے۔ حالانکہ اب تک کوئی اس قسم کی شکایت کسی اخبار میں دیکھی نہیں گئی۔ یہ ہم اپنی طرف سے نہیں کہتے۔ مرزا صاحب ہی کی تحقیق سے استفادہ کیا گیا ہے۔ انہوں نے ازالۃ الاوہام ص ۴۷۳ میں لکھا ہے: ''کہ عیسی علیہ السلام اپنے وطن گلیل میں مر گئے'' اور رسالۃ الہدی میں لکھتے ہیں: ''کہ ان کی قبر کشمیر میں ہے۔ اور اس کو اپنے کشف اور گواہوں سے ثابت کیا ہے۔ اگر سوراخ کی راہ سے مردے دوسری طرف سے نہ نکلتے تو عیسی علیہ السلام گلیل میں بیت المقدس کے پاس مر کر کشمیر میں کیوں آتے؟

اہل اسلام بخوبی جانتے ہیں کہ ہمارے دین میں بلکہ کل ادیان سماویہ میں قیامت کا مسئلہ کیسا مہتم بالشان ہے۔ جس میں صدہا آیات واحادیث وارد ہیں۔ جن سے ظاہر ہے کہ جس طرح توحید ورسالت پر ایمان ضروری ہے۔ قیامت کے وقوع پر بھی ضروری ہے۔ اور کسی مسلمان کو ابتدا سے آج تک اس میں خلاف نہیں۔ مگر مرزا صاحب نے صرف اتنی بات بتلانے کے لئے کہ (عیسی علیہ السلام اس عالم میں تو کیا قیامت میں بھی زمین پر نہیں آسکتے۔) ایسے مشہور ومعروف اور ضروری مسئلہ کا انکار ہی کر دیا۔ پھر جن مسائل میں چند آیات واحادیث وارد ہوں؛ ان کے اصل معنی سے انکار کر دینا کونسی بڑی بات ہے۔ اگر مرزا صاحب کو ذرا بھی خوف خدا اور قیامت کے دن کا خیال ہوتا ، تو قرآن وحدیث کے معنی اپنے دل سے تراش کر لکھنے پر ان کے ہاتھ یاری نہ دیتے۔ کیونکہ حق تعالی

فرماتا ہے: ''فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ يَكۡتُبُوۡنَ الۡكِتٰبَ بِاَيۡدِيۡهِمۡ ثُمَّ يَقُوۡلُوۡنَ هٰذَا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ لِيَشۡتَرُوۡا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ فَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا كَتَبَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ وَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا يَكۡسِبُوۡنَ﴿۷۹﴾ ''(البقرۃ)

ادنی تامل سے یہ بات معلوم ہوسکتی ہے کہ جو بات ھذا من عند اللہ کہنے میں ہے وہی بات کسی آیت کا مضمون خلاف مقصود الٰہی بیان کرنے میں ہے۔ دیکھ لیجئے کہ اگر کوئی کہے کہ حق تعالی فرماتا ہے: ''احل اللہ لکم المیتۃ و الدم و لحم الخنزیر'' سوجس طرح یہ شخص ملحد اور بے دین سمجھا جائے گا؛ اسی طرح وہ شخص بھی سمجھا جائے گا، جو آیت شریفہ: ''حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمُ الۡمَيۡتَةُ وَالدَّمُ وَلَحۡمُ الۡخِنۡزِيۡرِ '' سے مراد یہ بیان کرے کہ میتۃ اور دم اور لحم خنزیر عرب میں معزز لوگ تھے، ان کی تعظیم وحرمت کرنے کا اس میں حکم ہے۔ مردار وغیرہ کی حرمت سے اس کو کوئی تعلق نہیں۔ مرزا صاحب کی غرض جس آیت سے متعلق ہوتی ہے، اس کے معنی میں اس قسم کی تحریف کرنے سے ذرا بھی خوف نہیں کرتے۔ مثلاً قولہ تعالی: ''اُحۡىِ الۡمَوۡتٰى بِاِذۡنِ اللّٰهِ'' کے معنی یہ بتلاتے ہیں ''کہ مسمریزم کی وجہ سے قریب الموت شخص کو حرکت ہوجاتی تھی۔ اور عزیر علیہ السلام کے قصہ میں حق تعالی فرماتا ہے: ''فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ''

مرزا صاحب اس کا مطلب بتاتے ہیں کہ سو برس تک خدائے تعالی نے ان کو سلا دیا تھا۔

اسی طرح بیسوں آیات واحادیث کے معنی انہوں نے بدل ڈالے۔ اسی پر قیاس کیا جائے کہ جب ایک ضعیف اور موہوم غرض کے مقابلہ میں انہوں نے قیامت کا انکار کردیا۔ تو جس سے بہت بڑی بڑی غرضیں ان کی متعلق ہوں گی، اس کا کیا حال ہوگا۔

اسی وجہ سے احیائے اموات کے بارے میں جو آیات وارد ہیں ان کی تحریف معنی میں بہت زور لگایا۔ کیونکہ عیسی علیہ السلام کی وفات تسلیم کرنے کے بعد بھی یہ احتمال لگا ہوا ہے کہ ممکن ہے کہ خدائے تعالی ان کو زندہ کرکے زمین پر بھیجے۔



انهم لا يرجعون سے ان کا استدلال عدم احیا پر

اسی وجہ سے ازالۃ الاوہام (ص ٦٦٥) میں لکھتے ہیں اس میں شک نہیں کہ اس بات کے ثابت ہونے کے بعد کہ درحقیقت حضرت مسیح ابن مریم اسرائیلی نبی فوت ہوگیا ہے ہر ایک مسلمان کو ماننا پڑے گا کہ فوت شدہ نبی ہرگز دنیا میں دوبارہ آ نہیں سکتا۔ کیونکہ قرآن اور حدیث دونوں بالاتفاق اس بات پر شاہد ہیں کہ جو شخص مرگیا پھر دنیا میں ہرگز نہیں آئے گا۔ اور قرآن کریم **انهم لا يرجعون** کہہ کر ہمیشہ کے لئے ان کو رخصت کرتا ہے۔

مرزا صاحب کے مبالغہ کی بھی کوئی حد ہے بھلا قرآن وحدیث نے کب گواہی دی تھی کہ مرا ہوا آدمی دنیا میں ہرگز نہیں آئے گا۔ ان کو ضرور تھا کہ کوئی اتفاقی گواہی پیش کر دیتے۔ باوجودیکہ ان کی عادت ہے کہ ادنی احتمال کا موقع بھی ملتا ہے تو سیاق وسباق کو حذف کر کے کوئی آیت یا حدیث استدلال میں پیش کر دیا کرتے ہیں۔ جیسے ”**وَادْخُلِي جَنَّتِي**“ وغیرہ میں معلوم ہوا۔ مگر اس دعوی پر انہوں نے کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ اس سے ظاہر ہے کہ کوئی احتمالی دلیل بھی ان کو نہیں ملی۔ اب سوائے اس کے کہ جرأت سے کام لیں کوئی تدبیر نہ تھی۔

انہوں نے دیکھا کہ جرأت سے بھی بہت کام چل جاتے ہیں، جیسے پیش گوئیوں میں کہہ دیتے ہیں کہ: ”اگر فلاں کام نہ ہو تو میرا منہ کالا کیا جائے۔ گلے میں رسا ڈالا جائے۔ وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ نہ وہ کام ہوتا ہے۔ نہ منہ کالا ہوتا ہے۔ کوئی پہلو نکال کر عمر بھر بحث کرتے رہتے ہیں۔ جیسے کہ ”مسٹر آتھم“ کے رجوع الی الحق وغیرہ میں آپ نے دیکھ لیا۔ اسی طرح یہاں بھی جرأت سے کام لے کر کہہ دیا: ”کہ قرآن وحدیث بالاتفاق شاہد ہیں کہ مرا ہوا دنیا میں ہرگز آ نہیں سکتا“ حالانکہ قرآن شریف کے متعدد مقاموں میں ”**يحيي الموتى وأحياهم**“ وغیرہ الفاظ صراحۃً مذکور ہیں۔ جن کا حال انشاء اللہ تعالی آئندہ معلوم ہوگا۔

جھوٹ

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب خود خدائے تعالی احیائے اموات کا ذکر قرآن میں فرما دے اور اس کے مقابلہ میں کوئی کہے کہ وہ ہو نہیں سکتا؛ تو مسلمان اس کی تکذیب کرے گا یا نعوذ باللہ قرآن



شریف پر کسی قسم کا الزام لگائے گا؟

رہا یہ کہ مرزا صاحب اس باب میں تاویلات سے کام لیتے ہیں کہ احیا سے مراد مثلاً مسمریزمی حرکت ہے۔ اور موت سے مراد نیند ہے۔ جیسا کہ عزیر علیہ السلام کے قصہ میں فرماتے ہیں: ''کہ ''فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ سے مراد نوم اور غشی ہے۔ سو یہ بات دوسری ہے کہ قرآن کو ماننا منظور نہیں اور جو فرماتے ہیں کہ قرآن کریم ''انھم لا یرجعون'' کہہ کر ان کو ہمیشہ کے لئے رخصت کر رہا ہے۔ سو مرزا صاحب نے اس استدلال میں بھی وہی طریقہ اختیار کیا جو ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ'' میں کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اس آیت شریفہ سے انہوں نے وہ حصہ حذف کر دیا جو ان کو مضر تھا۔ پوری آیت یہ ہے: ''فَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْیِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ﴿۹۴﴾ وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَاۤ اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ﴿۹۵﴾ '' (الانبیاء) یعنی جو شخص نیک کام کرے اور ایمان بھی رکھتا ہو تو اس کی کوشش اکارت ہونے والی نہیں۔ اور ہم اس کے نیک اعمال سب لکھتے جاتے ہیں۔ اور جن بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا تو ممکن نہیں کہ وہ لوگ قیامت کو ہماری حضوری میں لوٹ کر نہ آئیں۔ اس آیت کے کئی معنی ہیں:

اگر پہلی آیت سے اس کا ربط ہو تو یہ مطلب ہوگا کہ اعمال صالحہ ہم کسی کے ضائع نہ کریں گے۔ ان کے اعمال ہم لکھ رکھتے ہیں۔ اگر وہ مر بھی جائیں تو ہمارے پاس ان کا آنا ضرور ہے۔ اس روز ان کو ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔

اور اگر پہلی آیت سے ربط نہ ہو تو یہ معنی ہوں گے کہ جس بستی کو ہم نے ہلاک کر دیا وہ ہمارے قبضہ سے باہر نہیں جا سکتی۔ ممکن نہیں کہ وہ لوگ ہماری طرف رجوع نہ کریں۔

مطلب یہ کہ ان کی ہلاکی رستگاری کا باعث نہیں۔ ہمارے پاس وہ ضرور آئیں گے۔ اور ان پر حرام ہے کہ نہ آئیں۔ پھر اس روز ان کے اعمال کی سزا دی جائے گی۔

اب دیکھئے کہ مطلب تو یہ تھا کہ خدا کی طرف ان کا رجوع نہ کرنا حرام اور محال ہے۔ اور مرزا

صاحب کہتے ہیں کہ وہ دنیا کی طرف رجوع نہیں کر سکتے۔ اگر ''لا یرجعون'' سے مراد دنیا کی طرف رجوع نہ کرنا ہو؛ تو مطلب یہ ہوگا کہ دنیا کی طرف ان کا رجوع نہ کرنا، حرام اور محال ہے۔ یعنی ضرور رجوع کریں گے۔ اس سے تو مرزا صاحب کا مقصود ہی فوت ہو گیا۔ اور بجائے نہ آنے کے آنا ضروری ٹھہرا۔ اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ''لا یرجعون'' سے مراد ان کا دنیا میں نہ آنا ہے، تو اس سے بھی کوئی ہرج نہیں۔ اس لئے کہ یہ کس نے کہا کہ فوت شدہ دنیا میں آیا کرتے ہیں؟ ان میں یہ طاقت کہاں؟ کہ پھر لوٹ کر آجائیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ خدا جس کو چاہے دوبارہ دنیا میں وہ ضرور آئے گا۔ کیونکہ خدائے تعالی کے ارادہ کے خلاف کوئی چیز ظہور میں نہیں آسکتی۔ مرزا صاحب اس کے قائل نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ: خدائے تعالیٰ کی قدرت کا انکار کوئی مسلمان نہیں کر سکتا۔ اس کے نزدیک قیامت میں زندہ کرنا اور قیامت کے پیش تر کسی کو زندہ کرنا یکساں ہے۔

اور جب حق تعالی نے متعدد مقام میں قرآن شریف میں خبر دی ہے کہ ہم نے بہتوں کو اس عالم میں زندہ کیا۔ جس کا حال ان شاء اللہ تعالی معلوم ہوگا، تو ہم اس کا ہرگز انکار نہیں کر سکتے۔ مگر مرزا صاحب داؤ پیچ کر کے اس کا انکار کرتے ہیں۔ اور احیائے موتی کو محال سمجھتے ہیں۔ جس سے ان پر یہ بات صادق آتی ہے؛ جو ازالۃ الاوہام میں خود فرماتے ہیں: ''ہم کوّے کی طرح یا بھیڑی کی مانند ایک نجاست کو حلوا سمجھتے رہیں گے اور ہم میں ایمانی فراست نہیں آئیگی صرف لومڑی کی طرح داؤ پیچ یاد ہوں گے۔

غور کرنے سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ دنیا کا انتظام چونکہ ایک نسق پر رکھا گیا ہے جو ہمیشہ جاری ہے۔ اس لئے ایک بڑا فرقہ دہریہ اس بات کا قائل ہو گیا'' کہ عالم کا کام بطور خود جاری ہے اس کے لئے خالق کی کوئی ضرورت نہیں'' چنانچہ حق تعالی فرماتا ہے: ''وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ'' (الجاثیۃ: ۲۴) یعنی کفار کہتے ہیں کہ: ہماری تو یہی دنیا کی زندگی ہے اور بس ہم یہیں مرتے اور جیتے ہیں اور زمانہ ہم کو ایک وقت خاص تک زندہ رکھ کر مار دیتا ہے۔ حق تعالی نے ان کے خیالات فاسدہ کو دفع کرنے کے لئے انبیاء کو

بھیجا۔ چنانچہ جب انہوں نے معجزے اور خوارق عادات دیکھے اور بچشم خود دیکھ لیا کہ عادت مستمرہ کے خلاف بھی ایسے کام حکمی طور پر ہوتے ہیں؛ جن کو عقل محال سمجھتی ہے۔ تو ان کو یقین ہو گیا کہ کوئی زبردست قدرت والا بھی ہے کہ ایسے مستحکم عادتی کارخانہ کو درہم وبرہم کر کے محال کو واقع کر دکھاتا ہے۔ اس بنا پر بحسب توفیق وہ خالق عالم کے قائل ہو گئے۔ اور نبوت کی بھی تصدیق کی۔ اور جن کی طبیعتوں پر تعصب غالب تھا؛ وہ اس دولت سے محروم رہے۔

الحاصل حق تعالی نے عادت مستمرہ کے خلاف بھی کام کئے جس سے اس کی قدرت اور خالقیت پورے طور پر ذہن نشین ہو گئی۔ اگر خدائے تعالی عادت مستمرہ کے خلاف کوئی کام کر کے نہ دکھاتا؛ تو دہریہ کو قائل کرنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ اس لئے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ افلاک کی حرکات سے طبائع میں امتزاجات پیدا ہوتے ہیں۔ جن کے خاص خاص طور پر واقع ہونے سے حیات اور موت کا وقوع ہوتا ہے۔ اس میں خالق کے فعل کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر احیائے اموات کے جیسے خوارق عادات کا وقوع نہ ہوتا تو صرف باتوں سے وہ خالق کو ماننا اور اپنے آپ کو اس کی بندگی اور عبودیت میں دے کر؛ عمر بھر کی آزادیوں سے دست بردار ہو جانا کبھی گوارا نہ کرتے۔ ان کے بعد جو ان کے خلف اور قدم بقدم، ان کے پیرو تھے؛ اس قسم کی جتنی باتیں قرآن میں ہیں، سب کی تصدیق انہوں نے کی۔ اور جن کی طبیعتوں میں انحراف آ گیا؛ وہ اس کے ماننے میں حیلے کرنے لگے۔ چنانچہ مرزا صاحب اس موقع میں یہ تعارض کا حیلہ پیش کرتے ہیں: ''کہ اگر مردوں کا زندہ ہونا مان لیا جائے، تو **''انهم لا يرجعون''** کے مخالف ہوگا۔ ادنی تامل سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ ان آیات میں کوئی تعارض نہیں اس لئے کہ جہاں **''لا يرجعون''** ارشاد ہے؛ اس سے آدمی کی بے بسی ثابت کرنا منظور ہے کہ جب ہم اس کو مار ڈالتے ہیں تو اس میں یہ قدرت نہیں کہ اپنی زائل شدہ حیات کو پھر حاصل کر سکے۔ بلکہ ہمارے قبضہ قدرت سے وہ نکل نہیں سکتا۔ اور جہاں یہ ارشاد ہے کہ ہم نے مردوں کو زندہ کیا اس سے بھی کامل درجہ کی قدرت ہی کا اظہار مقصود ہے کہ جو تمہاری عقلوں میں محال دکھائی دیتا ہے اس کو ہم نے واقع کر دکھایا۔ اب دیکھئے کہ دونوں آیتوں کے مضمون میں کس قدر توافق ہے۔

حاصل مطلب ان کا یہی ہوا کہ ہم ہر طرح قادر ہیں نہ کوئی زندہ ہماری قدرت سے خارج ہوسکتا ہے نہ مردہ۔ زندہ کو جب ہم مردہ کر دیتے ہیں؛ تو وہ زندہ نہیں ہوسکتا۔ اور جب مردہ کو زندہ کرتے ہیں تو وہ انکار اور سرتابی نہیں کرسکتا۔

مرزا صاحب جو تعارض پیدا کر رہے ہیں اگر اسی کا نام تعارض ہو، تو اس قسم کا تعارض بہت سی آیتوں میں پیدا ہوجائے گا۔ مثلاً حق تعالی فرماتا ہے: "اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَہُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ﴿۶﴾" (البقرۃ) جس کا مطلب یہ ہے کہ کفار ایمان نہ لائیں گے۔ حالانکہ ہزارہا کفار اس آیت کے نزول کے بعد ایمان لائے۔ اور لاتے جاتے ہیں۔ دیکھئے "انھم لا یرجعون" میں جو بات ہے، وہی "انھم لا یؤمنون" میں بھی ہے۔ اگر "انھم لا یرجعون" سے رجوع اموات غیر ممکن ثابت ہوتا ہے تو "انھم لا یؤمنون" سے بھی کفار کا ایمان لانا غیر ممکن ہوجائے گا۔ مگر جب ہمیں معلوم ہوگیا کہ بمصداق "یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ﴿۲۱۳﴾" (البقرۃ) کے حق تعالی جس کو چاہتا ہے راہ راست پر لاتا ہے۔ اسی وجہ سے کفار ایمان لاتے ہیں۔ تو اس کا بھی ہمیں یقین ہوگیا کہ وہ جس مردہ کو چاہتا ہے؛ زندہ کرسکتا ہے۔ جس کے وقوع پر یحیی الموتی وغیرہ آیات گواہ صادق ہیں۔

اصل یہ ہے کہ اکثر محاورات قرآنیہ وغیرہ میں عام طور پر کوئی بات کہی جاتی ہے مگر بلحاظ قرائن اسکی تخصیص پیش نظر رہا کرتی ہے۔ اس کی نظیریں قرآن شریف میں بکثرت موجود ہیں۔ ایک وہی آیت ہے جو ابھی مذکور ہوئی۔ اور ایک آیت یہ ہے "وَالۡمَلٰٓئِکَۃُ یُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّہِمۡ وَیَسۡتَغۡفِرُوۡنَ لِمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ اَلَاۤ اِنَّ اللہَ ہُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ" (الشوری: ۵) یعنی فرشتے اللہ کی تسبیح اور حمد کیا کرتے ہیں۔ اور زمین میں رہنے والوں کے گناہوں کی مغفرت اور معافی مانگا کرتے ہیں۔

اگر اس کا مطلب یہ سمجھا جائے کہ تمام اہل زمین کے حتی کہ مشرکین کے لئے بھی استغفار کیا کرتے ہیں تو یہ صحیح نہیں۔ اگر وہ ایسا کرتے تو حق تعالی ان کو منع فرمادیتا۔ جیسا کہ مسلمانوں کو منع فرمادیا۔ کما قال تعالی "مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ یَّسۡتَغۡفِرُوۡا لِلۡمُشۡرِکِیۡنَ وَلَوۡ

كَانُوْٓا اُولِیْ قُرْبٰی" (التوبۃ: ۱۱۳) یعنی نبی اور مسلمانوں کو زیبا نہیں کہ مشرکین کی مغفرت کی دعا مانگیں۔اس سے ظاہر ہے کہ فرشتے صرف مسلمانوں کی مغفرت کی دعا کیا کرتے ہیں۔ورنہ صحابہ رضی اللہ عنہم ضرور عرض کرتے کہ جب فرشتوں کو مشرکین کی مغفرت مانگنے کی اجازت ہے؛ تو ہمیں بطریق اولی اس کی اجازت ہونی چاہئے۔اس لئے کہ ہم پر تو بہت سے مشرکوں کی قرابت کا حق بھی ہے۔حالانکہ یہ درخواست کبھی پیش نہ ہوئی۔اس سے ثابت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے "من فی الارض" سے مراد عام اہل زمین نہیں سمجھا۔بلکہ بقرینہ آیت شریفہ مَا كَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا (سورۃ التوبۃ: آیت: ۱۱۳) اس کی تخصیص مسلمانوں ہی کے ساتھ کی۔ اسی طرح "انھم لا یرجعون" سے مراد کل مردے نہیں ، بلکہ جن مردوں کا زندہ ہونا دوسری آیتوں سے ثابت ہے؛ وہ اس سے مستثنی ہیں۔ جیسے "من فی الارض" سے مشرکین مستثنی ہیں۔

اسی طرح یہ آیۂ شریفہ ہے: "یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۲﴾" (البقرۃ) یعنی اے بنی اسرائیل میری اُس نعمت کو یاد کرو جو تم کو دی تھی۔اور یہ کہ فضیلت دی تھی تم کو تمام عالموں پر۔ یہ بات ظاہر ہے کہ تمام عالموں میں تمام انبیاء اور تمام ملائکہ بھی داخل ہیں پھر کیا ممکن ہے کہ بنی اسرائیل کو ان تماموں پر فضیلت دی گئی تھی؟ ہرگز نہیں۔

غرض کہ جس طرح دوسری آیتوں سے ملائکہ وغیرہ عالمین سے مستثنی ہیں؛ اسی طرح دوسری آیتوں سے زندہ شدہ مردے "لا یرجعون" کے حکم میں داخل ہو نہیں سکتے۔

اسی طرح یہ آیت شریفہ ہے: "قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا" (البقرۃ: ۲۶۰) ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا تھا کہ پرندوں کو ٹکڑے کر کے پہاڑوں پر رکھدو۔جس کی نسبت آیت شریفہ میں "علی کل جبل" مذکور ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ "كُلِّ جَبَلٍ" میں تمام روئے زمین کے پہاڑ شامل ہیں مگر بقرینہ عقل کل جبل سے مراد چند مخصوص پہاڑ تھے۔

اسی طرح بقرینہ عقل "لا یرجعون" سے مراد وہی مردے ہیں ؛ جن کا زندہ ہونا مشیئت

الٰہی میں نہیں۔ اس لئے کہ جب خدائے تعالیٰ نے چند مردوں کے زندہ کرنے کا حال بیان فرمایا۔ اور عقل بھی اس قدرت الٰہی کو جائز رکھتی ہے؛ تو عقل گواہی دیتی ہے کہ جس طرح خدائے تعالیٰ نے خبر دی ہے، بے شک وہ مردے زندہ ہوئے تھے۔ اس لئے "لا یرجعون" کے حکم سے وہ خارج ہیں۔ اسی طرح یہ آیت شریفہ ہے:

وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝

(السجدۃ) یعنی انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا۔ پھر مٹی کے نچوڑ سے یعنی مٹی سے جو ایک حقیر پانی ہے اس کی نسل چلائی۔ اسی طرح: "خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ" (الحج:۵) جس سے ظاہر ہے کہ کل انسان نطفہ سے پیدا ہوئے۔ حالانکہ اس سے عیسیٰ علیہ السلام مستثنیٰ ہیں۔ جس پر یہ آیت شریفہ دال ہے: "اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝" (آل عمران) یعنی مثال عیسیٰ علیہ السلام کی آدم علیہ السلام کی سی ہے کہ ان کو مٹی سے بنایا۔ پھر کن سے پیدا ہو گئے۔ جس طرح اس آیت شریفہ کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام آیۂ "وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ" (سورۃ المؤمنون: آیت:۱۲) کے حکم میں داخل نہیں۔ اور نطفہ سے ان کی تخلیق نہیں سمجھی جاتی؛ اسی طرح وہ مردے جو زندہ کئے گئے "لا یرجعون" کے حکم میں شریک نہیں۔ اور حق تعالیٰ فرماتا ہے: "لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝" (آلِ عمران) یعنی جو لوگ خوش ہوتے ہیں اپنے کئے پر اور چاہتے ہیں کہ تعریف ہو بن کئے پر؛ سو نہ جانو کہ وہ عذاب سے خلاصی پائیں گے۔ بلکہ ان کو عذاب دردناک ہوگا۔

بخاری شریف میں ہے کہ مروان نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پچھوایا کہ اگر یہی بات ہو تو ہم سب معذب ہوں گے۔ اس لئے کہ یہ صفت ہم سب میں موجود ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "ومالکم ولهذه انما دعا النبی صلی اللہ علیه وسلم یهود فسألهم عن شئ فکتموه اياه وأخبروه بغيره فاروه ان قد استحمدوا اليه بما اخبروه عنه فيما سألهم وفرحوا بما أوتوا من کتمانهم۔ الحدیث۔ رواه البخاری" یعنی تم لوگوں کو اس سے کیا تعلق

؟اس سے مراد وہ یہود ہیں جن سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ پوچھا تھا۔انہوں نے اصل معاملہ چھپا کر کوئی اور بات بتلادی۔ اور اسی پر خوش ہو کر اپنی تعریف چاہی۔اس سے ظاہر ہے کہ ”الذین“ عام ہے مگر مراد اس سے چند مخصوص لوگ تھے۔

عام کی تخصیص

الحاصل اس کے نظائر بکثرت ہیں کہ دوسری آیتوں وغیرہ سے حکم عام کی تخصیص ہوا کرتی ہے یہاں تک کہ یہ مشہور ہے ”وان من عام الا خص منه البعض“۔اب اہل انصاف غور فرمائیں کہ جب ”انهم لا یرجعون“ کا حکم ان زندہ شدہ مردوں پر شامل ہی نہیں۔تو تعارض کیسا؟اس سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب زبردستی تعارض پیدا کر کے اپنا مطلب نکالنا چاہتے ہیں اور اگر ظاہری تعارض کے لحاظ سے تاویل کی ضرورت ہے؛تو صرف ”لا یرجعون“ میں تاویل کیوں نہیں کی جاتی ؛جو کسی طرح بے موقع نہیں؟ بلکہ بحسب محاورات قرآنیہ شائع وذائع ہے جس کا حال معلوم ہوا کہ خود خدائے تعالی کو یہ تاویل منظور ہے۔

پھر ایسی تاویل کو چھوڑ کر بدنما تاویلیں کرنا جن کے سننے سے مسلمانوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدائے تعالی کا کلام بگاڑا جاتا ہے؛کس قدر ایمان سے دور ہے؟ اس تقریر سے اُن استدلالوں کا جواب بھی ہو گیا جو مرزا صاحب کی جانب سے پیش ہوتے ہیں:”کہ حق تعالی فرماتا ہے:”كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝۳۱“ (یس)، وقولہ تعالی ”فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ۝۵۰“(یس) کیونکہ زندہ شدہ مردے خود بخود رجوع نہیں کر سکتے۔بلکہ حق تعالی ان کو زندہ کیا۔اور اگر مطلق رجوع مراد لی جائے تو دوسری آیتوں کی شہادت سے وہ ”لا یرجعون“ میں داخل ہی نہیں۔اور جس طرح ”فهم لا يؤمنون“ سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ کوئی کافر ایمان لایا ہی نہیں اسی طرح ”لا یرجعون“ سے بھی یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ کوئی مردہ زندہ ہوا ہی نہیں۔

اور اس آیت شریفہ سے جو استدلال کیا جاتا ہے”اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ“ (سورۃ المؤمنون:۱۶) کہ اس وعدہ میں کبھی تخلف نہ ہوگا۔معلوم نہیں یہ کس بنا پر ہے۔یہ تو کسی نے

نہیں کہا کہ قیامت میں مردے نہ اٹھیں گے۔ البتہ مرزا صاحب اس کے قائل ہیں۔ کیونکہ وہ فرماتے ہیں: ''کہ مردے سوراخ کی راہ سے جنت میں گھس جاتے ہیں اور پھر نہیں نکل سکتے۔ جس سے ظاہر ہے کہ بعث ونشر کی ضرورت ہی نہیں۔

شاید ان حضرات نے ہمارا مذہب یہ سمجھا ہے کہ زندہ شدہ مردوں کو کبھی موت نہیں۔ جس سے یہ لازم آئے کہ ان کے بعث کی ضرورت نہیں۔ دراصل ہمارا مذہب یہ نہیں۔ بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جن مردوں کو حق تعالی نے زندہ کیا؛ اس سے صرف قدرت نمائی مقصود تھی۔ پھر جب تک چاہا ان کو زندہ رکھا۔ اور مثل دوسروں کے وہ بھی مر گئے۔ اور قیامت میں سب کے ساتھ ان کا بھی حشر ہوگا۔ اور ''یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ تُبۡعَثُوۡنَ'' کے حکم میں شریک ہوجائیں گے۔

اس استدلال میں لطف خاص یہ ہے کہ ''اِنَّکُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ تُبۡعَثُوۡنَ'' میں مخاطبوں کی تخصیص ہے اور اس سے استدلال یہ ہو رہا ہے کہ گذشتہ بعض افراد قبل قیامت زندہ نہیں کئے گئے۔ گو خدائے تعالی نے ان کی زندگی کی خبر دی ہے۔

اور اس حدیث شریف سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ بعد شہادت جابر رضی اللہ عنہ نے حق تعالی سے درخواست کی کہ پھر دنیا میں رجوع کرنے کی اجازت ہوتا کہ دوبارہ درجۂ شہادت حاصل کریں۔ اس پر ارشاد ہوا: ''انی قضیت انھم لا یرجعون'' اور ایک روایت میں ہے:

''قدسبق القول منی انھم لا یرجعون'' یعنی میں پہلے فیصلہ کر چکا ہوں کہ وہ لوگ نہ لوٹیں گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک حق تعالی نے یہی قاعدہ اس عالم میں مقرر فرمایا ہے کہ کوئی مرا ہوا زندہ نہیں ہوتا۔ اور یہی عادۃ اللہ اور سنۃ اللہ ہے۔ جس کی نسبت ارشاد ہے: ''فَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَبۡدِیۡلًا ۚ وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَحۡوِیۡلًا ﴿۴۳﴾'' (الفاطر)

قرآن میں خوارق عادات کا ذکر

مگر یہاں یہ دیکھنا چاہئے کہ کسی مصلحت سے عادت کو کبھی بدل دینا ممکن ہے یا نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حق تعالی نے قرآن شریف میں بہت سے واقعات بیان کئے ہیں؛ جن سے ثابت ہے کہ اکثر عادتوں کے خلاف بھی کیا ہے۔ مثلاً تمام روئے زمین پر وقت واحد میں ایسا طوفان ہوجانا

کہ کل پہاڑ تک غرق ہو جائیں بالکل خلاف عادت ہے۔ اور نوح علیہ السلام کے وقت ایسا ہی ہوا کہ طوفان سے کل آدمی اور حیوان مر گئے۔ عادۃً آگ ہر چیز کو جلا دیتی ہے، مگر ابراہیم علیہ السلام پر سرد ہو گئی۔ لاٹھی سانپ بن جانا' اور اس کے مارنے سے دریا پھٹ کر اس میں راستے ہو جانا' اور ایک مار سے پتھر میں بارہ چشمے جاری ہو جانا؛ خلاف عادت ہے، مگر موسیٰ علیہ السلام سے وہ سب وقوع میں آئے۔ مچھلی کے پیٹ میں آدمی کا زندہ رہنا خلاف عادت ہے، مگر یونس علیہ السلام اس میں ایسے رہے جیسے کوئی گھر میں رہتا ہے، بغیر مرد کے عورت کو اولاد ہونا محال سمجھا جاتا ہے، حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ایسی ہی ہوئی۔

چاند کا شق ہونا خلاف عقل وخلاف عادت ہے، باوجود اس کے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو واقع کر دکھایا؛ جس کے مرزا صاحب بھی قائل ہیں' ان کے سوا صدہا خوارق عادات قرآن وحدیث سے ثابت ہیں، جن سے ظاہر ہے کہ خدائے تعالیٰ کسی خاص مصلحت سے عادت کے خلاف بھی کرتا ہے اور یہ بھی ضرور نہیں کہ ہر کسی کی درخواست پر عادت بدل دیا کرے۔

چونکہ جابر رضی اللہ عنہ کی درخواست میں کوئی عمومی مصلحت نہ تھی بلکہ تلذذ کی وجہ سے ان کا ذاتی شوق تھا کہ زندہ ہو کر پھر راہ خدا میں شہید ہوں اگر یہ درخواست منظور ہو جاتی تو ہر شہید یہی تمنا کرتا اور خلاف عادت اللہ عادت ہو جاتی ،جس سے اعلیٰ درجہ کا خارق عادت عادتی امور میں داخل ہو جانے کا سخت اندیشہ تھا اور اس سے بڑا مقصود فوت ہو جاتا کہ اعلیٰ درجہ کا خارق مدّ عادات میں شریک ہو جاتا؛ حالانکہ وہ ممکن نہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: " وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحۡوِيۡلًا ﴿۴۳﴾ " غرض کہ مصلحت الٰہی مقتضی نہ ہوئی کہ وہ زندہ کئے جائیں۔ اس لئے صاف جواب مل گیا کہ یہ امر عادت اور قانون فطرت کے خلاف ہے۔ اس لئے یہ درخواست منظور نہیں ہو سکتی۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خدائے تعالیٰ کو خرق عادت پر قدرت نہیں یا کبھی نہیں کیا۔ اس کی مثال یوں سمجھنا چاہئے کہ بادشاہ مقتدر اپنے ملک میں کوئی دستور مقرر کر دے تو کسی کو یہ حق نہیں کہ اس دستور کے خلاف درخواست کرے۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں کہ کیسی ہی خاص مصلحت اور ضرورت ہو بادشاہ خلاف قانون نہ کرے گا۔ بلکہ عند الضرورت اپنے شاہی اقتدار سے کسی فقرہ کے خلاف عمل کرنا

انسب سمجھا جائے گا اور کسی کو پوچھنے کا حق نہ ہوگا کہ خلاف قانون کیوں کیا گیا۔

الحاصل جابر رضی اللہ عنہ کی درخواست منظور نہ ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ خدائے تعالی نے بطور خرق عادت کسی مردہ کو زندہ کیا ہی نہیں۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ خود اپنے کلام پاک میں خبر دے رہا ہے کہ کئی مردوں کو ہم نے زندہ کیا۔

ایک قادیانی صاحب نے **القول العجیب** میں لکھا ہے کہ اگر ان چاروں مقاموں میں یعنی "فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ" وغیرہ میں حقیقی احیائے موتی مراد ہوتا تو خدائے علیم اموات کے ترکہ کی تقسیم کے احکام تفصیلا نہ فرماتا۔ اور عورتوں کے شوہر مرنے پر عدت اور خانہ نشینی کی ہدایت نہ فرماتا۔ بلکہ نکاح ثانی کا حکم نہ بھیجتا۔ بلکہ یوں حکم کرتا کہ خبردار میت کے مال کی طرف ہاتھ نہ بڑھاؤ! ہم اس کو قریب میں واپس کرنے والے ہیں۔ اور عورتوں کو تاکیدی ارشاد ہوتا کہ زنہار غیر سے نکاح نہ کرلینا۔ عنقریب ہم تمہارے خاوندوں کو تمہاری طرف لوٹانے والے ہیں۔

اور اس قسم کی بہت سے تفریعات ولوازم لکھے جن کا مطلب یہ ہوا کہ خدائے تعالی نے احیائے اموات کی خبریں جو قرآن شریف میں دی ہیں کہ عزیر علیہ السلام وغیرہ کو ہم نے زندہ کیا تھا؛ اگر ان کا یقین کرلیا جائے تو یہ کہنا پڑے گا کہ اب نہ کسی کا مال متروکہ بعد موت تقسیم ہوسکے۔ نہ عورتوں کو نکاح ثانی کی اجازت ملے۔ کیونکہ عزیر علیہ السلام زندہ ہوئے تھے۔ اگر یہ استدلال صحیح ہوجائے تو بڑی دقتیں لاحق ہوں گی۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ موت سے پہلے موت کا سامنا ہوجائے گا۔ اس لئے کہ حق تعالی فرماتا ہے: "اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى"

یعنی پہلے زمانہ والوں کو ہم نے ہلاک کیا۔ اس لئے اب نہ کسی کو کھانا سوجھے۔ نہ پینا۔ نہ نکاح وغیرہ۔ اس لئے کہ حق تعالی فرماتا ہے کہ: پہلے لوگوں کو ہم نے ہلاک کردیا۔ اور یہ بھی کہنا پڑے گا کہ آگ سرد ہے۔ اس لئے کہ ابراہیم علیہ السلام کے حق میں سرد ہوگئی تھی۔ مگر کوئی عقلمند اس قسم کے استدلال کو جائز نہ رکھے گا۔ اس لئے کہ گذشتہ کا خاص کوئی واقعہ بیان کرنا؛ اس کو مقتضی نہیں کہ ہر وقت اس قسم کے واقعات ہوا کریں۔

خصوصاً ایسے واقعات کہ جن کا خارق عادت ہونا مسلّم ہے کوئی مسلمان اس کا قائل نہیں کہ حق تعالی کی عادت ہے کہ ہر مردہ کو زندہ کیا کرتا ہے۔ غرض کہ احیائے اموات کی عادت نہ ہونے کی وجہ سے تقسیم میراث وغیرہ کی اجازت ہے۔ اگر چیکہ اس میں بھی شک نہیں کہ حق تعالی اپنی قدرت کاملہ سے اب بھی مردوں کو زندہ کر سکتا ہے۔ مگر ہمارے دین میں احتمال پر واقعی آثار مرتب نہیں ہو سکتے۔ اسی وجہ سے گو، ہر وقت آدمی کو موت کا احتمال لگا ہوا ہے، مگر اس احتمال پر یہ حکم نہیں ہو سکتا کہ اس کا مال ترکہ میں تقسیم کر دیا جائے۔ یا اس کی عورت عدت میں بیٹھے۔ اور نکاح ثانی کرلے۔

غرضکہ جب تک آدمی نہ مرے نہ اس کا مال ترکہ ہو سکتا ہے، نہ اس کی عورت بیوہ۔ اسی طرح جب تک مردہ زندہ نہ ہو نہ اس کے مال سے ورثہ محروم ہوں گے، نہ اس کی عورت عدت و نکاح سے ممنوع۔

مرزا صاحب جو کہتے ہیں کہ: کوئی مردہ اس عالم میں زندہ نہیں ہو سکتا۔ سو علاوہ اس کے کہ قرآن شریف کی کئی آیتیں اس دعوے کی تکذیب کر رہی ہیں۔ احادیث اور واقعات سے بھی اس کا رد ہو رہا ہے۔

احادیث سے جن مردوں کا زندہ ہونا ثابت ہے

چنانچہ ان روایات سے ظاہر ہے، علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مواہب لدنیہ ج ۲ میں اور ملا علی قاری نے شرح شفائے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ میں دلائل بیہقی سے نقل کیا ہے۔

''ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا رجلا الی الاسلام فقال: لا أؤمن بک حتی تحیی لی ابنتی فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ارنی قبرھا فاراہ ایاہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: یا فلانۃ فقالت: لبیک وسعدیک' فقال صلی اللہ علیہ وسلم: أتحبین ان ترجعی فقالت: لا واللہ یا رسول اللہ انی وجدت اللہ خیراً لی من أبوی ووجدت الاخرۃ خیر أمن الدنیا''

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دعوت اسلام کی اس نے کہا کہ: جب تک میری لڑکی کو آپ زندہ نہ کرو گے میں ایمان نہ لاؤں گا آپ نے فرمایا اس کی قبر کہاں ہے؟ اس نے قبر دکھلا دی

حضرت نے اس لڑکی کا نام لے کر پکارا اس نے جواب دیا حضرت نے فرمایا: کیا تو اس بات کو پسند کرتی ہے کہ پھر دنیا میں لوٹے اس نے قسم کھا کر کہا کہ: یارسول اللہ میں یہ نہیں چاہتی میں نے خدا کو اپنے ماں باپ سے اور آخرت کو دنیا سے بہتر پایا۔

روی ابن عدی و ابن أبی الدنیا و البیهقی و أبو نعیم عن أنس رضی اللہ عنہ قال: کنا فی الصفة عند رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم فأتته عجوز عمیاء مهاجرة و معها ابن لها قد بلغ فلم یلبث أن أصابه وباء المدینة فمرض أیاما ثم قبض فغمضه رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم و امره ای أنسا بجهازه فلما اردنا ان نغسله قال: یا أنس ائت أمه فأعلمها فأعلمتها فجاء ت حتی جلست عند قدمیه فأخذت بهما ثم قالت أنی اسلمت الیک طوعاً و خلعت الاوثان زهدًا و هاجرت الیک رغبة اللهم لاتشمت عبدة الاوثان و لا تحملنی فی هذا المصیبة ما لا طاقة لی بحمله فو اللہ ما انقضی کلامها حتی حرک قدمیه و القی الثوب عن وجهه و طعم و طعمنا معه و عاش حتی قبض النبی صلی اللہ علیه وسلم و هلکت أمه۔ ذکره الزرقانی فی شرح المواهب اللدنیّه"

یعنی انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر تھے کہ ایک نابینا بڑھیا ہجرت کر کے اپنے جوان فرزند کے ساتھ حاضر خدمت ہوئیں۔ تھوڑے دن نہیں گذرے تھے کہ ان کا لڑکا وبا سے بیمار ہوا۔ اور چند روز میں انتقال کیا۔ حضرت نے اس کی آنکھیں بند کر کے انس رضی اللہ عنہ کو اس کی تجہیز و تکفین کا حکم دیا۔ جب ہم نے اس کے غسل کا ارادہ کیا تو حضرت نے فرمایا کہ: اس کی ماں کو خبر کر دو۔ چنانچہ سنتے ہی وہ آئیں اور اپنے لڑکے کے پیروں کے پاس بیٹھ کر اس کے دونوں قدم پکڑیں۔ اور کہنے لگیں: یا اللہ میں خوشی سے اسلام لائی تھی اور بے رغبتی سے بتوں کو چھوڑ دیا تھا اور کمال رغبت سے تیری طرف ہجرت کی تھی۔ یا اللہ ایسا مت کر کہ بت پرست دشمن ہنسیں۔ اور اس مصیبت میں وہ بار مجھ پر مت ڈال۔ جس کے اٹھانے کی مجھ میں طاقت نہیں۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہنوز یہ کلام پورا نہیں ہوا تھا کہ اس لڑکے نے پاؤں ہلائے۔ اور کپڑا منھ سے ہٹا دیا۔ اور ہمارے ساتھ اس نے کھانا کھایا۔ اور حضرت کے وفات کے بعد تک زندہ رہا۔ اور اس اثنا میں اس کی ماں کا بھی انتقال ہو گیا۔

درمنثور میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: "واخرج ابن ابی الدنیا فی کتاب "من عاش بعد الموت" عن معاویۃ بن قرۃ قال: سألت بنو اسرائیل عیسی فقالوا: ان سام بن نوح دفن ھھنا قریبا فادع اللہ یبعثہ لنا فھتف فخرج اشمط"

یعنی بنی اسرائیل نے عیسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ سام بن نوح کی قبر یہاں سے قریب ہے۔ ان کے زندہ ہونے کی دعاء کیجئے۔ آپ نے ان کو پکارا اور وہ قبر سے نکل آئے۔ اس حالت میں کہ دو مویہ تھے۔

یہاں ایک بات اور بھی معلوم ہوئی کہ ابن ابی الدنیا نے ایک کتاب بھی لکھی ہے جس میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو مرنے کے بعد زندہ ہوئے۔ اور یہ روایت بھی درمنثور میں ہے:

"واخرج اسحق بن بشر وابن عساکر من طرق عن ابن عباس رضی اللہ عنھما قال: کانت الیھود یجتمعون الی عیسی۔ الی ان قال: فمر ذات یوم بامرأۃ قاعدۃ عند قبر وھی تبکی فسألھا فقالت: ماتت ابنۃ لی ولم یکن لی ولد غیرھا فصلی عیسی رکعتین ثم نادی۔ یا فلانۃ قومی باذن الرحمن فاخرجی فتحرک القبر ثم نادی الثانیۃ فانصدع القبر ثم نادی الثالثۃ فخرجت وھی تنفض رأسھا من التراب۔ الحدیث"

یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: ایک روز عیسیٰ علیہ السلام کا گذر ایک عورت پر ہوا جو قبر کے پاس روتی بیٹھی تھی۔ آپ نے حال دریافت فرمایا۔ اس نے کہا: "کہ میری ایک لڑکی تھی جس کے سوا میری کوئی اولاد نہیں، وہ مرگئی۔ آپ نے دو رکعت نماز پڑھ کر اس کو پکارا کہ خدا کے حکم سے کھڑی ہوجا اور نکل آ۔ اس کے ساتھ ہی قبر کو حرکت ہوئی۔ پھر دوسرے بار پکارا جس سے قبر شق ہوئی۔ پھر تیسرے بار کے پکارنے پر وہ لڑکی سر سے مٹی جھٹکتی ہوئی نکل آئی۔

اور یہ روایت بھی درمنثور (ص ۳۶ ج ۲) میں ہے۔ جس کی تخریج ابن جریر اور ابن عساکر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کی ہے۔

یہ روایت طولانی ہے ماحصل اس کا یہ ہے کہ: ایک شاہزادہ مرگیا تھا۔اس کے باپ نے عیسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ وہ زندہ کیا جائے۔آپ نے دعا کی اور وہ زندہ ہوگیا۔

اور یہ روایت بھی درمنثور (ص ۳۵ ج ۲) میں ہے:

"وأخرج أحمد فی الزھد عن خالد الحذاء قال: کان عیسی بن مریم اذا سرح رسله یحیون الموتی یقول لھم: قولوا کذا و کذا فاذا وجدتم قشعریرۃ و دمعۃ فادعوا عند ذلک"

یعنی عیسیٰ علیہ السلام جب اپنے رسولوں کو بھیجتے تو ان کو مردوں کے زندہ کرنے کی تدبیر بتلادیتے کہ یہی کلمات کہا کرو اور جب جسم پر رونگٹے کھڑے ہوجائیں اور اشک بہنے لگیں تو اس وقت دعا کرو۔

اور یہ روایت بھی درمنثور (ص ۳۵ ج ۲) میں ہے:

"وأخرج احمد فی الزھد عن ثابت قال: انطلق عیسی علیه السلام یزور أخا له فاستقبله انسان فقال أن أخاک قدمات فرجع فسمعت بنات اخیه برجوعه عنھن فأتین وقلن یا رسول اللہ رجوعک أشد علینا من موت أبینا قال: فانطلقن فارینني قبرہ فانطلقن حتی أرینه قبرہ قال: فصوت به فخرج" الحدیث

یعنی عیسیٰ علیہ السلام اپنے کسی بھائی کی ملاقات کو گئے ایک شخص نے کہا کہ: ان کا انتقال ہوگیا آپ نے لوٹنا چاہا آپ کے بھتیجیوں کو جب یہ کیفیت معلوم ہوئی تو کہنے لگیں کہ: آپ کا واپس جانا ہمارے باپ کے انتقال سے زیادہ ہم پر شاق ہے۔فرمایا اپنے باپ کی قبر دکھلاؤ وہ ساتھ ہوئیں اور قبر کی نشاندہی کی آپ نے صاحب قبر کو پکارا چنانچہ وہ قبر سے نکل آئے۔

احیائے اموات کے واقعات جو اولیاء اللہ سے ظہور میں آئے

بہجۃ الاسرار (ص ۱۳۶) میں شیخ نورالدین علی اللخمی نے لکھا ہے کہ: شیخ ابوبکر شبلی ایک بار اکیلے بیٹھے ہوئے تھے۔سو سے زیادہ پرندے وہاں اتر آئے۔شیخ کو ان کی آوازوں سے تشویش

ہوئی اور غصہ سے ان کی طرف دیکھا۔ فوراً سب مر گئے شیخ کو ان پر رحم آیا اور کہا: الٰہی میرا مقصود یہ نہ تھا۔ فوراً زندہ ہو کر اڑ گئے۔

اور اسی (ص ۱۹۵) میں لکھا ہے کہ: ایک روز بطیحہ میں سات شخصوں نے بہت سے پرندوں کا شکار کیا مگر سب مردار ہو گئے تھے۔ شیخ عثمان بطائحی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا: ''اس شکار سے تمہیں کیا فائدہ؟ نہ خود کھا سکتے ہو نہ کسی کو کھلا سکتے ہو؟ ان لوگوں نے کہا: کیوں؟ فرمایا: اس لئے کہ وہ تو سب مردار ہیں۔ کسی نے بطور استہزا کہا: ''کہ اگر آپ سے ہو سکتا ہے تو زندہ کر دیجئے۔ آپ نے کہا: ''**بسم اللہ اکبر اللھم احیھا یامحی العظام وھی رمیم**'' یہ کہتے ہی وہ سب زندہ ہو کر اڑ گئے۔

اور اسی (ص ۲۳۵) میں ہے'' ایک بار شیخ احمد رفاعی رضی اللہ عنہ تشریف رکھے تھے۔ ایک شخص نے آ کر کہا: میری خواہش یہ ہے کہ یہ مرغابیاں جو اڑ رہی ہیں ان میں سے ایک اور دو روٹیاں اور ٹھنڈا پانی میرے روبرو ہو۔ آپ نے قبول کیا۔ چنانچہ وہ سب چیزیں فراہم ہو گئیں۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہوا تو آپ نے اس مرغابی کی ہڈیاں لے کر کہا: ''**اذھبی بسم اللہ الرحمن الرحیم**'' کہتے ہی وہ زندہ ہو کر اڑ گئی۔

اور اسی (ص ۶۵) میں ہے کہ: ایک عورت نے اپنے لڑکے کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دیا۔ آپ نے اس کو مجاہدہ اور سلوک میں مشغول فرمایا۔ ایک روز وہ عورت آئی اور دیکھا کہ حضرت کے روبرو مرغ کا گوشت ہے اور اپنے لڑکے کے روبرو سوکھی جو کی روٹی۔ یہ اس کو ناگوار ہوا۔ حضرت نے اس مرغ کی ہڈیوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: اٹھ اللہ کے حکم سے وہ فوراً زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا پھر اس عورت سے فرمایا: جب تیرے لڑکے میں یہ بات پیدا ہو گی اس وقت وہ مرغ کھا سکتا ہے۔

اور اسی (ص ۱۵۷) میں شیخ علی بن ہیتی رحمۃ اللہ علیہ کے حال میں لکھا ہے کہ: کسی گاؤں میں ایک شخص قتل ہوا تھا اور قاتل کا نام معلوم نہ ہونے کی وجہ سے قریب تھا کہ دو گاؤں کے لوگوں میں کشت و خون ہو شیخ رحمۃ اللہ علیہ وہاں چلے گئے۔ اور مقتول کے سر کے بال پکڑ کر پوچھا کہ: تجھے کس نے قتل کیا۔ وہ اٹھ بیٹھا اور شیخ کی طرف دیکھ کر باآواز بلند فصیح زبان سے کہا کہ: ''فلاں شخص نے مجھے قتل کیا'' چنانچہ سب نے سنا اور اسی کے قول پر فیصلہ ہو گیا۔

اور اسی (ص ۲۳۷) میں لکھا ہے کہ: ایک بار سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں کے ساتھ دریا کے کنارے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت مچھلی کا گوشت کھانا جی چاہتا ہے۔ یہ کہتے ہی اقسام کی مچھلیاں کنارے پر آ گئیں۔ اور کثرت سے شکار ہوا۔ اور کڑاہیوں میں تلی گئیں۔ جب سب کھانے سے فارغ ہوئے۔ اور چند قتلے باقی رہ گئے۔ اس طور پر کہ کسی کا سر ہے، تو کسی کی دُم، وغیرہ' اس وقت ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت شخص متمکن کی کیا صفت ہے؟ فرمایا کہ: تمام خلائق میں اس کو عام تصرف دیا جائے۔ اس نے کہا اس کی علامت کیا ہے؟ فرمایا: اگر وہ ان مچھلیوں سے کہدے کہ چلی جائیں تو وہ چلی جاویں۔ پھر ان قتلوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا: اے مچھلیو اللہ کے حکم سے تم اٹھو اور چلی جاؤ۔ یہ کہتے ہی وہ سب زندہ ہو گئیں اور دریا میں کود پڑیں۔

یہ روایتیں بہجۃ الاسرار میں ہے چونکہ اس کے مصنف شیخ نور الدین علی رحمۃ اللہ علیہ محدثین سے ہیں۔ اس لئے ہر روایت کو بطرز حدیث بسند متصل بیان کیا:

فتح المبین (ص ۱۱) میں **فیما یتعلق بتریاق المحبین** میں صاحب بہجۃ الاسرار کے حال میں لکھا ہے:

"قال الامام الذهبی المشهور الذی هو من أعظم علماء الحدیث وأکابرهم الذی یقال عنه: انه محک الرجال ومعیارهم العارف بأحوال رجال الحدیث والروایة فی کتابه طبقات المقربین فی ترجمة مصنف البهجة ما نصه: علی بن یوسف بن جریر اللخمی الشطنونی الامام الاوحد المصری نور الدین شیخ القراء بالدیار المصریة أبو الحسن تصدر للاقراء والتدریس بالجامع الأزهر وقد حضرت مجلس اقرایه واستانست بسمته وسکونه۔

دیکھئے امام ذہبی جیسے شخص مصنف بہجۃ الاسرار کو الامام الاوحد یعنی امام یگانہ روزگار کہتے ہیں اور ان کی مجلس کی حضوری کو باعث فخر سمجھتے ہیں تو کس درجہ کے معتمد علیہ شخص ہوں گے۔

اور نیز فتح المبین (ص ۱۱۵) میں محمد بن محمد الجزری صاحب حصن حصین کا قول نقل کیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: کتاب بہجۃ الاسرار میں نے مصر میں کامل پڑھی۔ اور شیخ عبد القادر جو اکابر مشائخین مصر سے تھے ان سے اس کی اجازت لی۔

اس سے بہجۃ الاسرار کی جلالت شان معلوم ہوتی ہے کہ محدثین اس کو سبقاً سبقاً پڑھا کرتے تھے۔ اور مثل صحاح ستہ کے اس کی بھی اجازت لیا کرتے تھے۔ جب نقاد حدیث نے اس کتاب کے مصنف کو امام اوحد کہدیا اور محدثین کے درس وتدریس میں وہ کتاب رہی تو اب کس کی مجال ہے کہ اس کی روایتوں میں چوں وچرا کر سکے۔

امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے روض الریاحین (ص ۱۹۳) میں لکھا ہے کہ: شعبی رضی اللہ عنہ کا چشم دید واقعہ ہے کہ ایک جماعت یمن سے جہاد کے لئے آئی ان میں سے ایک شخص کا گدھا مر گیا ہر چند رُفقا نے ان کی سواری کے لئے اپنے گدھے پیش کئے۔ مگر انہوں نے قبول نہ کیا۔ اور وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی اور دعاء کی کہ: الٰہی تیری راہ میں تیری رضا مندی کے لئے میں جہاد کے واسطے نکلا ہوں۔ اور گواہی دیتا ہوں کہ تو مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ اور تمام مردوں کو تو قبروں سے اٹھائیگا۔ الٰہی میں تجھ سے یہ طلب کرتا ہوں کہ میرے گدھے کو زندہ کر دے۔ یہ کہہ کر گدھے کو مارا وہ کان جھٹکتا ہوا فوراً کھڑا ہو گیا۔ وہ اس پر سوار ہوئے اور اپنے رفقاء سے جا ملے۔

اور اسی (ص ۲۰۹) میں لکھا ہے کہ ایک روز چند پرندے بریان شیخ مفرج رحمۃ اللہ علیہ کے دسترخوان پر لائے گئے۔ آپ نے ان سے کہا کہ: اڑ جاؤ وہ سب زندہ ہو کر اڑ گئے۔

فتاویٰ حدیثیہ میں مذکور ہے کہ علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ: کرامت معجزہ کے درجہ کو پہنچ سکتی ہے یا نہیں؟ اور ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اہل سنت وجماعت کے کل فرقے یعنی فقہاء اصولیین اور محدثین وغیرہم سب کرامت کے وجود کے قائل ہیں۔ معتزلہ اس کے قائل نہیں۔ پھر اہل سنت کے دلائل احادیث سے بیان کئے اور لکھا کہ: کرامت اور معجزہ میں کوئی فرق نہیں۔ سوائے اسکے کہ معجزہ دعوائے نبوت کی تصدیق کے

لئے ہے اور کرامت ولی سے صادر ہوتی ہے جو نبوت کا دعوی کر ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ دعویٰ کرتے ہی ولایت کرامت اس کی سلب ہو جائے گی۔ اور وہ کافر ہو جائے گا۔

اس کے بعد کئی واقعات احیائے اموات کے بیان کئے جو بطور کرامت اولیاء اللہ سے صادر ہوئے ہیں چنانچہ چند واقعات کا ترجمہ بیان کیا جاتا ہے:

ایک یہ کہ عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ جہاد کے لئے جا رہے تھے۔ رستہ میں ان کی سواری کا گھوڑا مر گیا۔ انہوں نے دعاء کی کہ: الٰہی یہ گھوڑا مجھے اس وقت تک عاریت دے کہ میں اپنی بستی تستر کو پہنچ جاؤں۔ اسی وقت گھوڑا کھڑا ہو گیا۔ اور اس سفر میں پوری رفاقت دی اور جب تستر کو پہنچے تو خوگیر اتارتے ہی وہ مر گیا۔

اور ایک اعرابی کے اونٹ کے زندہ ہونے کا واقعہ بھی اسی قسم کا نقل کیا ہے۔ اور لکھا ہے:

”عن سهل التستری أنه قال: الذاكر الله علی الحقيقة لو هم ان يحيی الموتی لَفَعَلَ“ سہل تستری کہتے ہیں: حقیقی طور پر جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرے اگر وہ مردہ کو زندہ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

اور لکھا ہے کہ شیخ اہدل ابوالغیث رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک بلی پلی ہوئی تھی خادم نے اس کو مار ڈالا اور جب شیخ نے اس کا حال کئی روز کے بعد پوچھا تو اپنی لاعلمی ظاہر کی شیخ نے حسب عادت بلی کو پکارا فوراً زندہ ہو کر آ گئی۔

اور لکھا ہے کہ شیخ ابو یوسف دہمانی رحمۃ اللہ علیہ کے کسی مرید کا انتقال ہوا۔ جس سے اس کے قرابتدار نہایت مغموم تھے آپ وہاں تشریف لے گئے اور **”قم باذن اللہ تعالی“** اس سے کہا فوراً وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اور ایک مدت تک زندہ رہا۔

نفحات الانس (ص ۲٦۸) میں مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے عین القضاۃ ہمدانی کے حال میں لکھا ہے کہ: آپ سے اعلی درجہ کے خوارق عادات مثل احیا و اماتت ظہور میں آئے۔ چنانچہ ایک روز سماع کی مجلس میں ابوسعید ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بیت پڑھی جس پر آپ کو وجد ہوا۔ ابوسعید نے

کہا: مجھے مرنے کی آرزو آتی ہے۔ آپ نے کہا مر جاؤ۔ وہ فوراً بیہوش ہو کر گرے اور مر گئے۔ مفتی شہر بھی اس مجلس میں حاضر تھے۔ پوچھا کہ آپ نے زندہ کو تو مار ڈالا کیا مردہ کو بھی زندہ کر سکتے ہو؟ کہا: کون مردہ ہے؟ کہا: فقیہ محمود آپ نے کہا الٰہی فقیہ محمود کو زندہ کر دے اسی ساعت وہ زندہ ہو گئے۔

یہ چند واقعات جو دو چار کتابوں سے لکھے گئے۔ ان کو مشتے نمونہ از خروارے سمجھنا چاہئے اگر تمام کتب سیر و تواریخ وغیرہ میں تلاش کئے جائیں تو اور بہت سے واقعات مل سکتے ہیں۔ اور یہ تو ابھی معلوم ہوا کہ ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ جو اکابر محدثین سے ہیں۔ انہوں نے ایک کتاب ہی مستقل زندہ شدہ مردوں کے حال میں لکھی ہے۔ اس سے ان کا یہی مقصود تھا کہ احیائے اموات کا ذکر قرآن شریف میں جو کئی جگہ واقع ہے۔ مختلف اوقات اور متعدد مقامات میں اس کا وقوع معلوم ہونے سے کوئی استبعاد باقی نہ رہے۔ حق تعالیٰ ان علماء کی سعی مشکور فرمادے کہ ہم آخری زمانہ والے مسلمانوں کے ایمان کو مستحکم کرنے کی غرض سے کیسی کیسی محنتیں گوارا کر کے ایک ذخیرہ معلومات کا ہمارے لئے فراہم کر دیا جس کی شکر گذاری ہم پر واجب ہے۔

ان تمام واقعات کو دیکھنے سے ظاہر ہے کہ حدیث شریف میں جو وارد ہے: ''علماء أمتي کانبیاء بني اسرائیل'' اس سے یہی مراد نہیں کہ صرف زبانی وعظ و نصیحت علماء کا کام ہے۔ بلکہ مقتضائے کمال تشبہ یہ ہے کہ جس طرح انبیاء نے احیائے اموات وغیرہ خوارق عادات سے کام لیا تھا۔ سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اس باب میں بھی ان سے پیچھے نہ رہے چنانچہ علماء باللہ قدس اللہ اسرارہم نے اس کو بھی کر دکھایا۔

ہمیں اس کا یقین ہے کہ یہ تو کیا اگر کئی جزء ان واقعات کے پیش کئے جائیں تو بھی مرزا صاحب اور ان کے پیرو، ایک نہ مانیں گے۔ اور جس طرح مرزا حیرت صاحب کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے واقعہ شہادت کی روایات اور تواتر کا انکار ہے۔ ہمارے مرزا صاحب بھی انکار ہی فرماتے رہیں گے۔ اس لئے یہاں ہمارا روئے سخن مرزا صاحب کی طرف نہیں ہے۔ بلکہ ہم ان حضرات کو توجہ دلاتے ہیں کہ جو فقہاء اور محدثین اور اولیاء اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہیں۔ ورنہ

مخالفین اہل سنت و جماعت کے روبرو ان حضرات کے اقوال پیش کرنا ایسا ہے جیسے پادریوں کے مقابلہ میں قرآن وحدیث کو پیش کرنا۔ جس سے سوائے تضییع اوقات کے کوئی فائدہ متصور نہیں۔

معتزلہ اوران کے ہم خیال لوگوں کو اصل کرامت ہی کا انکار ہے۔ اور ہونا بھی چاہئے اس لئے کہ مادرزاد نابینا، مثلاً اگر خدوخال وحسن و جمال اور جملہ الوان وانوار کا انکار نہ کرے تو کیا کرے اس کی عقل میں صلاحیت ہی نہیں کہ ان چیزوں کا تصور کر سکے۔ اسی طرح معتزلہ نے دیکھا کہ آخر ہم بھی مسلمان ہیں۔ اور کبھی کرامت کی صورت بھی نہ دیکھی۔ اس لئے ان کی عقلوں نے اصل کرامت ہی کا انکار کر دیا۔ انہوں نے یہ نہیں خیال کیا کہ اس میں اپنا ہی قصور ہے۔ کرامت کا مدار تو کمال ایمان پر ہے۔ اور وہاں نفس ایمان میں کلام ہے۔

کیا یہ مقتضائے ایمان ہے کہ کھلی کھلی آیات واحادیث کو اپنی سمجھ میں نہ آنے کی وجہ سے نہ مان کر ان میں اقسام کی تاویلیں کی جائیں۔ کرامت کا درجہ تو فقط ایمان لانے سے بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔ جب تک ایسی حالت نہ پیدا ہو جس سے خالق کی خوشنودی کے مستحق ہوں پھر ایسا عظیم الشان درجہ بغیر تمام آیات واحادیث پر ایمان لانے کے کیونکر حاصل ہوسکتا ہے۔

الحاصل جس طرح معتزلہ کے انکار کرامت سے اہل سنت و جماعت کرامت کا انکار نہیں کر سکتے۔ اسی طرح مرزا صاحب کے انکار احیائے اموات سے وہ لوگ اس کا انکار نہیں کر سکتے۔ معتزلہ کو تو صرف قیاس ہی نے روکا تھا۔ اس میں ان کی کوئی ذاتی غرض نہ تھی۔ مرزا صاحب کی تو ذاتی غرض بھی اس انکار سے متعلق ہے۔ ایسے موقع میں ان کی بات کیونکر قابل اعتبار ہو سکے۔

ق۔ ارمیا عزیر علیہ السلام کا زندہ ہونا

حق تعالی عزیر یا ارمیا علیہما السلام کے مر کے زندہ ہونے کا واقعہ جو قرآن شریف میں بیان فرمایا ہے۔ مرزا صاحب اس کی نسبت ازالۃ الاوہام (ص ٦٢٥) میں لکھتے ہیں: قصہ عزیر وغیرہ جو قرآن میں ہے اس بات کے مخالف نہیں۔ کیونکہ لغت میں موت بمعنی نوم وغشی بھی آیا ہے۔ دیکھو قاموس اور جو عزیر کے قصہ میں ہڈیوں پر گوشت چڑھانے کا ذکر ہے وہ حقیقت میں ایک

الگ بیان ہے، جس میں یہ بتلانا منظور ہے کہ رحم میں خدائے تعالیٰ ایک مردہ کو زندہ کرتا ہے۔ اور اس کی ہڈیوں پر گوشت چڑھاتا ہے۔ اور پھر اس میں جان ڈالتا ہے۔ ماسوا اس کے کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں ہوسکتا کہ عزیر دوبارہ زندہ ہوکر پھر بھی فوت ہوا۔ پس اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ عزیر کی زندگی دوم دنیوی نہیں تھی ورنہ اس کے بعد ضرور اس کی موت کا ذکر ہوتا۔ یہ قصہ قرآن شریف میں اس طرح مذکور ہے۔

قولہ تعالی "اَوۡ کَالَّذِیۡ مَرَّ عَلٰی قَرۡیَۃٍ وَّہِیَ خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوۡشِہَا ۚ قَالَ اَنّٰی یُحۡیٖ ہٰذِہِ اللّٰہُ بَعۡدَ مَوۡتِہَا ۚ فَاَمَاتَہُ اللّٰہُ مِائَۃَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَہٗ ؕ قَالَ کَمۡ لَبِثۡتَ ؕ قَالَ لَبِثۡتُ یَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ یَوۡمٍ ؕ قَالَ بَلۡ لَّبِثۡتَ مِائَۃَ عَامٍ فَانۡظُرۡ اِلٰی طَعَامِکَ وَشَرَابِکَ لَمۡ یَتَسَنَّہۡ ۚ وَانۡظُرۡ اِلٰی حِمَارِکَ وَلِنَجۡعَلَکَ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ وَانۡظُرۡ اِلَی الۡعِظَامِ کَیۡفَ نُنۡشِزُہَا ثُمَّ نَکۡسُوۡہَا لَحۡمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَہٗ ۙ قَالَ اَعۡلَمُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۲۵۹﴾" (البقرۃ)

حاصل مضمون اس آیت شریفہ کا جو احادیث سے ثابت ہے جن کو ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے درمنثور میں اور دوسرے مفسرین نے ذکر کیا ہے، یہ ہے اور سیاق وسباق سے بھی ظاہر ہے کہ جب بیت المقدس میں بنی اسرائیل کے نوخیز اور نئے خیال کے لوگ خدا اور سول سے بے خوف ہوگئے اور فسق وفجور حد سے زیادہ ہوگیا؛ ارمیا علیہ السلام پر وحی ہوئی کہ اب یہ بستی غارت اور ویران کردی جائے گی۔ ہر چند انہوں نے لوگوں کو بہت کچھ سمجھایا۔ اور وعظ ونصیحت کی مگر جب ایمان ہی نہ ہو تو کیا اثر ہوسکتا ہے۔

غرض کہ کسی نے نہ مانا آخر بخت نصر نے اس پر چڑھائی کی اور قتل عام کرکے اس کو ایسا تباہ کیا کہ تمام مکانات وعمارات منہدم کردیئے جس سے پوری بستی ایک تودۂ خاک مثل پہاڑ نظر آتی تھی۔ ارمیا علیہ السلام وہاں سے جاتے ہوئے کسی پہاڑ کے کنارے کھڑے ہوگئے اور کمال افسوس سے کہا کہ اب یہ بستی کہاں آباد ہوسکتی ہے۔ کما قال تعالی "اَوۡ کَالَّذِیۡ مَرَّ عَلٰی قَرۡیَۃٍ وَّہِیَ خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوۡشِہَا ۚ قَالَ اَنّٰی یُحۡیٖ ہٰذِہِ اللّٰہُ بَعۡدَ مَوۡتِہَا ۚ" (سورۃ البقرۃ ۲۵۹)

اور ایک روایت میں ہے کہ عزیر علیہ السلام کا اس پر گذر ہوا اور انہوں نے یہ کلمہ کہا۔ بہر حال خدائے تعالی کو منظور ہوا کہ نبی وقت کا استبعاد دفع کر دے۔ ملک الموت کو حکم ہوا کہ ان کی روح قبض کر لیں۔ چنانچہ روح قبض کر لی گئی۔ جس کی خبر حق تعالی قرآن شریف میں دیتا ہے کہ **فاماته الله** اور ان کا لاشہ وہیں پڑا رہا۔ یہاں تک کہ جب ستر (۷۰) برس گذرے تو کسی بادشاہ کو حکم ہوا کہ بیت المقدس کو پھر آباد کرے۔ چنانچہ تیس سال میں وہ بالکل آباد ہو گیا۔ اس وقت جب کہ پورے سو برس ان کی موت سے گذرے تھے۔ حق تعالی نے ان کو زندہ کیا۔ **کما قال تعالی:** "فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ" اور زندہ ایسے طور پر کئے گئے کہ جو خدشہ ان کے دل میں تھا اس کا جواب ساتھ ہی ہو جائے۔ یعنی ابتداءً آنکھیں بنائی گئیں۔ اور پہلے پہل جس پر نظر پڑی وہ بیت المقدس تھا۔ جس کی آبادی محال سمجھی گئی تھی۔ دیکھا کہ اس کی اب یہ حالت ہے کہ پہلے سے بھی زیادہ خوش نما اور خوش منظر ہے۔ کیونکہ کل عمارتیں جدید بنی ہوئی تھیں۔ جن میں نام کو کہنگی نہ تھی۔ جب انہوں نے اپنے سوال کا جواب عملی طور پر پالیا تو ارشاد ہوا کہ اب بتاؤ کہ تم یہاں کتنے روز رہے؟ **کما قال تعالی:** "قَالَ كَمْ لَبِثْتَ" کہا ایک روز یا اس سے بھی کم **قوله تعالی** قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ اس لئے کہ اس عالم سے غائب ہونے کا وقت صبح کا تھا اور اب غروب کا وقت ہے فرمایا یہ نہیں بلکہ سو برس گذر چکے ہیں۔ **قوله تعالی قال بل لبثت مائة عام** اب غور کرو کیا ممکن ہے کہ اتنی مدت کھانے پینے کی چیزیں از قسم فوا کہ محفوظ رہ سکیں دیکھو یہ چیزیں بلا تغیر تمہارے سامنے رکھی ہیں اور گدھا بھی بحال خود موجود ہے یہ وہی اشیاء ہیں جو تمہارے ساتھ تھیں۔ **کما قال تعالی** "فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ" اس سے ان کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس طرح خدائے تعالی خراب کو آباد اور درست کرتا ہے۔ اسی طرح جس چیز کو چاہتا ہے خرابی سے محفوظ بھی رکھ سکتا ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ: ان کارروائیوں سے ہمارا مقصود یہ تھا کہ تمہارے خدشہ کا جواب مع شئی زائد ہو جائے۔ اور یہ بھی غرض تھی کہ تمہیں اپنی قدرت کی نشانی بتائیں۔ **کما قال تعالی:** "وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ" چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب وہ اپنے گھر گئے تو پوتے

بوڑھے تھے اور ان کی وہی عمر تھی جو انتقال کے وقت تھی۔ چنانچہ درمنثور میں ہے: ”وقال ابن عباس رضی اللہ عنہما: فکان کما قال اللہ: ولنجعلک آیۃ للناس یعنی لبنی اسرائیل وذلک انہ یجلس مع بنی بنیہ وھم شیوخ وھو شاب لانہ کان مات وھو ابن اربعین سنۃ فبعث اللہ شابا کھیئتہ یوم مات مختصراً“

غرض کہ جب مجلس میں وہ اپنے پوتوں کے ساتھ بیٹھتے تو حق تعالی کی قدرت کا مشاہدہ ہوتا کہ دادا تو چالیس برس کے اور پوتے سوسو برس کے۔ یہاں یہ نکتہ قابل یاد رکھنے کا ہے کہ بیت المقدس خرابی کے بعد از سرنو آباد ہوا۔ جس کو نیا شہر باعتبار تعمیر کے کہہ سکتے ہیں۔ اور فواکہ میں خرابی اور تغیر آیا ہی نہ تھا۔ بلکہ وجود ان کا بحالت سابقہ مستمر رہا۔ اور عزیر علیہ السلام کا وجود نہ مثل فواکہ مستمر رہا نہ مثل بیت المقدس وجود سابق ولاحق میں ایسی مغایرت ہوئی جس سے نئے عزیر کہلائیں۔ بلکہ وجود سابق کے ساتھ وجود لاحق ایسا متصل کیا گیا کہ گویا وجود سابق ہی مستمر ہے۔ اسی وجہ سے ان کے پوتوں نے اپنا دادا تسلیم کرلیا۔

غرضکہ عزیر علیہ السلام کو ویران شہر کے آباد ہونے ہی میں کلام تھا۔ حق تعالی نے اس سے بڑھ کر قابل استبعاد بلکہ محال چیزوں کا مشاہدہ کرا دیا کیونکہ عقل ہرگز جائز نہیں رکھتی کہ میوہ بغیر تغیر کے سوسال تک محفوظ رہے یا اعادہ معدوم کا ہوسکے۔ اس کے بعد معدوم کو موجود کرنے کا طریقہ دکھلایا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہے: ”وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا“ یعنی اپنی ہڈیوں کی طرف دیکھو کہ کیسی جمع ہورہی ہیں۔ اور کس طرح ہم ان پر گوشت پہناتے ہیں۔ جب انہوں نے تمام واقعات بچشم خود دیکھ لیئے۔ اور اچھی طرح ان پر یہ امر ظاہر ہوگیا۔ کما قال تعالی: ”فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ“ بے اختیار کہہ اٹھے کہ ”اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ“ یعنی میں جانتا ہوں کہ: اللہ ہر چیز پر قادر ہے ویران بستی کا آباد کرنا تو کیا معدوم کو دوبارہ موجود کرسکتا ہے۔ وغیر ذلک۔

یہ ملخص ان احادیث کا ہے جو اس باب میں بکثرت وارد ہیں۔ اور جن کا نقل کرنا موجب تطویل ہے۔ درمنثور میں یہ روایت بھی ہے ”أخرج عبد بن حمید وابن المنذر وابن أبی حاتم والحاکم وصححہ والبیھقی فی شعب الایمان عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

فی قولہ تعالی ”او کالذی مر علی قریۃ الی ان قال فاماتہ اللہ مائۃ عام ثم بعثہ“ فاول ما خلق اللہ منہ عینیہ فجعل ینظر الی عظامہ۔ الحدیث۔ واخرج اسحق بن بشر و ابن عساکر من طرق عن ابن عباس رضی اللہ عنہما و کعب و الحسن و وھب۔۔۔ فقال: انی یحیی ھذہ اللہ بعد موتھا فلم یشک ان اللہ یحییھا و لکن قالھا تعجبا فبعث اللہ ملک الموت فقبض روحہ فأماتہ اللہ مائۃ عام۔ الحدیث“

ماحصل ان روایتوں کا یہ ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ اور ابن عباس اور کعب اور حسن اور وہب رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ: وہ نبی حقیقۃً مر گئے تھے۔ جن کی روح ملک الموت نے قبض کی اور پہلے ان کی آنکھوں میں جان آئی جن سے وہ بوسیدہ ہڈیوں کو دیکھ رہے تھے۔ یہی دو روایتیں مسلمانوں کے لئے کافی ہیں۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ اکابر صحابہ و تابعین جب ان کی حقیقی موت کے بعد زندہ ہونے کے قائل ہیں اور صراحۃً قرآن شریف میں بھی ان کی موت کا ذکر موجود ہے۔ تو اب مرزا صاحب کا مجرد بیان کہ ان کی موت ثابت نہیں اور وہ بھی ایسا کہ جس سے اپنی ذاتی منفعت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس قابل نہیں کہ کوئی مسلمان اس کی طرف توجہ کرے۔

مرزا صاحب کی جہاں غرض متعلق ہوتی ہے تو فرماتے ہیں کہ: حدیث ضعیف بھی اعتبار کے قابل ہے۔ کیونکہ اس کا موضوع ہونا تو ثابت نہیں۔ جیسا کہ اسی کتاب میں معلوم ہوا۔ اور ازالۃ الاوہام (ص ۵۵۷) میں لکھتے ہیں کہ: جو حدیث قرآن شریف کے مخالف نہیں بلکہ اس کے بیان کو اور بھی بسط سے بیان کرتی ہے۔ وہ بشرطیکہ جرح سے خالی ہو، قبول کرنے کے لائق ہے۔

موت نوم وغشی کے معنی میں نہیں

اب دیکھئے یہ حدیثیں تو ضعیف بھی نہیں بلکہ خود محدثین نے صحت کی تصریح کی ہے اور ان میں کسی محدث نے جرح بھی نہیں کی۔ اور قرآن کو اور بھی بسط سے بیان کر رہی ہیں کہ ملک الموت نے ان کی روح قبض کی اور زندہ ہونے کے وقت پہلے آنکھیں بنائی گئیں۔ تو بقول مرزا صاحب وہ بھی قابل قبول ہیں۔ جس سے یقینا ثابت ہو گیا کہ موت یہاں نوم وغشی کے معنی میں نہیں ہے۔ اور جب احادیث اور آیت قرآنی سے اس عالم میں موت کے بعد زندہ ہونا ثابت ہو گیا تو ”لا یرجعون“ سے مرزا صاحب نے جو مطلب نکالا تھا کہ کوئی مردہ زندہ نہیں ہو سکتا وہ غلط ہو گیا۔

اور وہ بات صادق آ گئی جو خود مرزا صاحب ازالۃ الاوہام ص ۷۵۵ میں تحریر فرماتے ہیں۔
اور بباعث اس کے کہ ان لوگوں کے یعنی نیچریوں کے دلوں میں ''قال اللہ'' اور ''قال الرسول'' کی عظمت باقی نہیں رہی۔ اس لئے جو بات ان کی اپنی سمجھ سے بالاتر ہو اس کو محالات اور ممتنعات میں داخل کر لیتے ہیں۔ قانون قدرت بے شک حق اور باطل کے آزمانے کے لئے آلہ ہے مگر ہر ایک قسم کی آزمائش کا اسی پر مدار نہیں۔ اس فلسفی قانون قدرت سے ذرا اوپر چڑھ کر ایک اور قانون قدرت بھی ہے۔ جو نہایت دقیق اور غامض اور بباعث وقت وغموض موٹی نظروں سے چھپا ہوا ہے۔ جو عارفوں ہی پر کھلتا ہے۔ مسلمانوں کی بدقسمتی سے یہ فرقہ بھی اسلام میں پیدا ہو گیا۔ جس کا قدم دن بدن الحاد کے میدانوں میں آگے ہی آگے چل رہا ہے۔

مرزا صاحب نیچریوں کے چنگال سے مسلمانوں کو اس وجہ سے نکال رہے ہیں کہ وہ مرزا صاحب کی عیسویت کو نہیں مانتے۔ چنانچہ اسی تقریر کی ابتدا (ص ۵۵۵) میں لکھتے ہیں کہ: حال کے نیچری جن کے دلوں میں کچھ بھی عظمت ''قال اللہ'' اور ''قال الرسول'' کی باقی نہیں رہی یہ بے اصل خیال پیش کرتے ہیں کہ جو مسیح ابن مریم کے آنے کی خبریں صحاح میں موجود ہیں یہ تمام خبریں ہی غلط ہیں۔ ان کا ایسی باتوں سے مطلب یہ ہے کہ تا اس عاجز کے اس دعوی کی تحقیر کر کے اس کو باطل ٹھہرایا جائے۔ اس موقع میں تو ماشاء اللہ مرزا صاحب نے حدیثوں کی خوب ہی طرفداری کی مگر جب کوئی حدیث ان کے مخالف ہوتی ہے (اور ہمیشہ یہی ہوا کرتا ہے) تو خواہ وہ بخاری کی حدیث ہو یا مسلم کی صاف فرما دیتے ہیں کہ: حدیث اگر صحیح بھی ہو تو مفید ظن ہے **والظن لا یغنی من الحق شیئا** یعنی حدیث سے کوئی بات ثابت نہیں ہو سکتی اور مرزا صاحب کی توجہ حدیث کی طرف ایسی ہوتی ہے جیسے مسٹر آتھم صاحب کے بھاگے بھاگے پھرنے کا نام انہوں نے رجوع الی الحق رکھ دیا تھا۔

اب بیچارے نادان مسلمان اگر نیچریوں کے پنجہ سے نکلے بھی تو مرزا صاحب کے پنجہ میں گرفتار ہیں اور مجبوراً ان کو یہی کہنا پڑے گا ہے کہ کوئی حدیث قابل اعتبار نہیں۔ اور بزبان حال کہہ رہے ہیں۔ چو دیدم عاقبت خود گرگ بودی۔ مگر اس سے کیا ہوتا ہے۔ یہی بات اگر سمجھ کے کہتے تو اس کے نتائج ہی کچھ اور ہوتے۔

مرزا صاحب نے اگرچہ احتمال قائم کر دیا ہے کہ موت کے معنی لغت میں نوم وغشی کے ہیں مگر وہ موت ہی کے قائل معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام (ص ۳۶۵) میں لکھتے ہیں: اگر ان آیات کو ان کے ظاہری معنی پر محمول کیا جائے تو صرف یہ ثابت ہوگا کہ خدائے تعالی کے کرشمہ قدرت نے ایک لمحہ کے لئے عزیر علیہ السلام کو زندہ کر کے دکھلا دیا۔ تا کہ اپنی قدرت پر اس کو یقین دلائے مگر ان کے مرید صاحب نے تو موت کا انکار ہی کر دیا۔ چنانچہ القول العجیب میں لکھا ہے کہ: یہ ایک خواب تھی جو اللہ نے نبی کو دکھلائی تھی۔ ان کو خیال پیدا ہوا کہ ہڈیوں کو کیونکر زندہ کرسکتا ہے۔ تب اللہ نے ان کی تسلی کے لئے ان پر خواب طاری کی اور خواب میں ان ہڈیوں وغیرہ اور غیر آباد زمین کو سو سال کے اندر آباد ہوتے دکھلا دیا۔ پھر جب وہ خواب سے بیدار ہوئے تو اللہ نے پوچھا کہ: تم اس حالت میں کتنی دیر رہے انہوں نے جواب دیا: ایک دن اللہ نے کہا تو سو سال تک اس نظارہ کو دیکھتا رہا۔ پھر جب ان کو تردد پیدا ہوا کہ کیا میں سو سال تک سوتا پایا۔ تب اللہ نے ان کے رفع شک کے لئے فرمایا کہ وہ بات تو خواب کی یعنی عالم مثال کے سو سال تھے۔ کیونکہ تم اپنے کھانے اور پینے کی چیز کو دیکھو اس پر کوئی سال نہیں گذرے اپنے گدھے کو دیکھو کھڑا ہوا ہے۔

ماحصل اس کا یہ ہوا کہ مرزا صاحب نے ناحق اقرار کر لیا کہ وہ ایک لمحہ کے لئے مرے تھے۔ دراصل وہ مرے ہی نہیں اور اللہ تعالی جو فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ فرمایا ہے وہ بھی کچھ ایسی ہی بات ہے۔ دراصل نہ وہ مرے نہ سو برس پڑے رہے بلکہ صرف تین چار پہر سوتے رہے۔ اور سو برس تک خواب دیکھا کئے یہ ''فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ'' کا مطلب ہوا۔ پھر جب خدا نے ان سے پوچھا ''کم لبثت'' اس کا مطلب یہ کہ کتنی دیر خواب دیکھا کئے۔ پھر انہوں نے دیکھا تو سو برس۔ مگر کہہ دیا ایک روز۔ خدا نے کہا: نہیں ''بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ'' یعنی تم سو برس تک خواب دیکھا کئے اس پر بھی ان کو اعتبار نہ آیا اور نہ یہ بات یاد آئی کہ سو برس خواب دیکھا کئے آخر خدا کو یہ بات ثابت کرنے کی ضرورت ہوئی کہ وہ واقعہ ایک ہی روز کا تھا۔ اس لئے ان کے کھانے پینے کی چیزیں اور گدھے کو دکھلانے کی ضرورت ہوئی۔ اور انہوں نے جو خود اقرار کیا تھا کہ ابھی ایک دن بھی نہیں گذرا وہ قابل اعتبار نہ ہوا۔

یہ جو مضمون قرآن شریف کا بیان کیا گیا ہے۔کیا کوئی غبی یا ذکی عبارت قرآن سے نکال سکتا ہے۔ ہرگز نہیں اور نہ یہ مضمون کسی تفسیر میں ہے۔ نہ حدیث میں۔اسی کو تفسیر بالرائے کہتے ہیں۔ جس کی نسبت مرزا صاحب نے بھی کفر والحاد کا فتوی دے دیا ہے۔

ادنی فراست سے یہ بات معلوم ہوسکتی ہے کہ جب مرزا صاحب کو دعوی فصاحت اور بلاغت اور اعجاز بیانی ہے تو مرزا صاحب کے کلام میں اور کلام الہی میں ضرور فصاحت اور بلاغت کا موازنہ ہوگا۔اور یہ بات ثابت کردی جائے گی کہ خدا کا کلام تو ایسا ہوا کرتا ہے کہ مقصود کچھ ہے۔تو الفاظ کچھ ہیں۔ اور مرزا صاحب کے کلام میں اس قسم کی رکاکت ثابت نہ ہوسکے گی۔اور ان کی بھی خصوصیت کیا ہر ایک ادنی منشی جو کچھ لکھتا ہے اپنا مافی الضمیر الفاظ میں پورا بیان کردیتا ہے۔جس سے اس کو دیکھنے والا مقصود اس منشی کا سمجھ جاتا ہے۔ پھر اس موازنہ پر جو کچھ تفریعات اور آثار مرتب ہوں گے وہ محتاج بیان نہیں۔

القول العجیب میں یہ بھی لکھا ہے کہ اکثر تفاسیر میں فاماته اللہ کے معنی یہی لکھے ہیں۔ فانامه اللہ یعنی اللہ نے اس کو سلا دیا۔دیکھو معالم وغیرہ۔ ہم نے معالم کو دیکھا اس کی عبارت یہ ہے۔

”فالقی اللہ علیہ النوم فلما نام نزع اللہ منه الروح مائة عام فلما مضت المائة أحيى اللہ منه عینیه و سائر جسده ثم أحيا جسده و هو ینظر الیه“

یعنی خدائے تعالی نے ان پر نیند غالب کردی جب وہ سو رہے تو ان کی روح قبض کرلی گئی۔ پھر جب سو برس پورے گذرے تو اللہ نے پہلے ان کی آنکھیں زندہ کیں۔ پھر تمام جسم کو زندہ کیا۔ جس کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔اگر صاحب معالم نے فاماته اللہ کے معنی فانامه لیا ہے۔ تو فلما نام نزع اللہ منہ الروح مائۃ عام میں نزع روح کس لفظ سے نکالا جائے گا۔

شاید نزع روح سے معمولی غفلت سمجھی گئی مگر وہ بھی صاحب قول عجیب کے مقصود کے خلاف ہے۔ کیونکہ سو برس کی نیند کے وہ قائل نہیں۔ پھر آنکھوں اور جسم کا زندہ کرنا کیسا۔موت تو آئی نہ تھی شاید یہاں یہ کہا جائے گا کہ پہلے آنکھیں بیدار ہوئیں۔اس کے بعد جسم بیدار ہوا۔جس کو وہ آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔مگر اس میں بھی یہ بات قابل توجہ ہے کہ آنکھوں سے جسم کی بیداری کیونکر نظر آئی

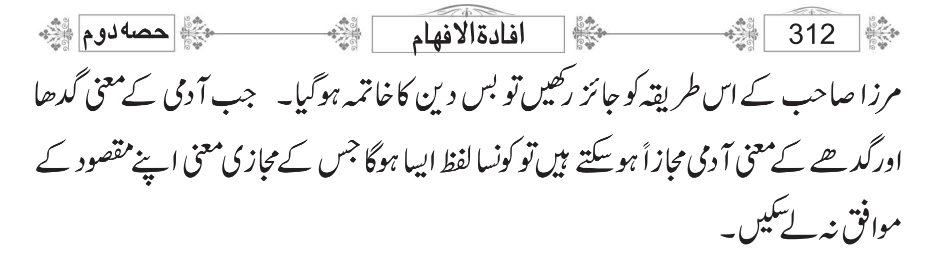
اگر جسم کی بیداری سے مراد حرکت ہے، تو یہ نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ نیند میں بھی جسم کی حرکت باقی رہتی ہے جو کروٹ بدلنے سے ظاہر ہے اور اگر حس مراد ہے تو وہ آنکھوں سے محسوس نہیں۔ اس لئے کہ ہر عضو کا حس جدا ہے۔

الحاصل صاحب معالم کا یہ مذہب ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا کہ عزیر علیہ السلام ایک روز سوتے رہے البتہ انہوں نے ایک نئی بات بتلائی کہ نزع روح حالت بیداری میں نہیں ہوا بلکہ نیند کی حالت میں ہوا تھا۔

اس مقام میں ہم صاحب قول عجیب پر یہ الزام ہرگز نہیں لگا سکتے کہ انہوں نے معالم کا مطلب سمجھا نہیں بلکہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان کو صرف قرآن کی تحریف منظور ہے اس لئے "القی اللہ علیہ النوم" کو "اماتہ اللہ" کے معنی قرار دے کر "نزع اللہ روحہ" وغیرہ کو قصداً ترک کر دیا۔ جس سے مسلمانوں کو دھوکہ دینا مقصود ہے۔ کیا ان کارروائیوں کے بعد بھی حسن ظن کیا جائے گا کہ ان حضرات کو کلام الہی پر ایمان ہے کیا وہ تمام باتیں جو مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ تفسیر بالرائے کفر و الحاد ہے اور جھوٹ کہنا شرک ہے وغیرہ وغیرہ صدق دل سے کہی گئیں ہوں گی ان کارروائیوں سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ وہ بھی ایک حکمت عملی ہے جس پر ان کی امت بھی عمل پیرا ہے۔

طریقہ تحریف

اب مرزا صاحب کی پیش بندیوں کو دیکھئے کہ قرآن کی تحریف کے واسطے کیسا طریقہ نکالا۔ احادیث وتفاسیر کو پہلے ہی ساقط الاعتبار کر دیا۔ پھر جب مطلق العنان ہو گئے تو کون روکنے والا ہے۔ مجاز کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ آدمی کو گدھا اور گدھے کو آدمی مجازاً کہہ سکتے ہیں۔ پھر موت کو نیند اور نیند کو موت کہہ دینا کونسی بڑی بات ہے۔ جتنے نبوت کا دعوی کرنے والے گذرے ہیں سب کا یہی طریقہ رہا ہے کہ قرآن کی تحریف کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ اسی کتاب میں معلوم ہوا کہ قرآن ہی سے استدلال کر کے بعضوں نے مردار اور خون اور خنزیر کو مباح کر دیا تھا۔ اگر آخری زمانہ والے مسلمان



مرزا صاحب کے اس طریقہ کو جائز رکھیں تو بس دین کا خاتمہ ہوگیا۔ جب آدمی کے معنی گدھا اورگدھے کے معنی آدمی مجازاً ہوسکتے ہیں تو کونسا لفظ ایسا ہوگا جس کے مجازی معنی اپنے مقصود کے موافق نہ لے سکیں۔

عموماً مجازی معنیٰ لینا جائز نہیں

یہ بات قابل یاد رکھنے کے ہے کہ کسی لفظ کے مجازی معنی لینا تو درست ہے مگر نہ شرعاً عام طور پر اس کی اجازت ہے نہ لغۃً نہ عرفاً نہ عقلاً کہ جہاں چاہے حقیقی معنی چھوڑ کے مجازی معنی لیا کریں۔ بلکہ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ حقیقی معنی وہاں نہ بن سکتے ہوں اور معنی مجازی پر کوئی قرینہ بھی موجود ہو۔

دیکھ لیجئے اگر کوئی شخص کہے کہ میں نے شیر دیکھا تو اس سے یہی سمجھا جائے گا کہ اصلی شیر دیکھا۔ کیونکہ مجازی معنی پر کوئی قرینہ نہیں اور اگر یہ کہے کہ میں نے ایک شیر دیکھا جو بندوق چلا رہا تھا تو بندوق چلانے کے قرینہ سے جواں مرد شخص سمجھا جائے گا۔ کیونکہ اصلی شیر میں بندوق سر کرنے کی صلاحیت نہیں۔ چونکہ الفاظ حقیقی اور مجازی معنی میں برابر مستعمل ہوا کرتے ہیں اور حقیقی اور مجازی معنی کا اشتباہ ہمیشہ فہم مضامین میں خلل انداز ہونے کا باعث تھا۔

اہل لغت نے تصریح کی ہے کہ موت بمعنی نیند مجازی ہے

اس لئے اکابر اہل لغت نے اس کا بندوبست یہ کردیا کہ ہر لفظ کے حقیقی معنی کی تصریح کردی جس سے یہ معلوم ہوگیا کہ اس معنی کے سوائے جس معنی میں وہ لفظ مستعمل ہو مجاز ہوگا۔ اور اس کے لئے قرینہ کی ضرورت ہوگی۔ تاکہ کسی کو یہ موقع نہ ملے کہ کسی لفظ کو مجازی معنی میں مستعمل ہوتے دیکھ کر جہاں چاہے وہی معنی مراد لے۔

اب دیکھئے علامہ زمخشری نے اساس البلاغۃ میں موت کے حقیقی معنی وہی لکھے ہیں جو مشہور ہیں۔ اس کے بعد لکھا (ومن المجاز) ”احیا اللہ البلد المیت واخذته الموتة: الغشی ومات فوق الرحل اذا استثقل فی نومه“ اور اس کے سوائے بہت سے مجازی استعمال لفظ موت کے بیان کئے۔

اور لسان العرب میں لکھا ہے ''الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور سمی النوم موتا لانہ یزول منہ العقل والحرکۃ تمثیلا لا تحقیقا''

حاصل مطلب یہ ہوا کہ نیند کو موت جو کبھی کہتے ہیں تو وہ بطور تشبیہ و تمثیل کے ہوتا ہے حقیقی معنی اس کے وہ نہیں۔ الحمد للہ کہ اکابر اہل لغت کی تصریح سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ موت کے حقیقی معنی وہی ہیں جس کو ہر شخص جانتا ہے اور بیہوشی اور نیند کے معنی میں جو یہ لفظ مستعمل ہے۔ وہ بطور مجاز ہے اسی وجہ سے اگر ''مات فلان'' کہا جائے تو یہی سمجھا جائے گا کہ وہ مر گیا۔ اور غشی یا نیند کے معنی میں مستعمل ہو تو اس کے لئے قرینۂ حالیہ یا مقالیہ کی ضرورت ہوگی جو علامت مجاز ہے۔

اب دیکھئے کہ مرزا صاحب موت کے حقیقی معنی بیہوشی اور نیند کے جو کہتے ہیں جیسا کہ ازالۃ الاوہام (ص ۹۴۳) میں لکھتے ہیں کہ: اماتت کے حقیقی معنی صرف مارنا اور موت دینا نہیں بلکہ سلانا اور بیہوش کرنا بھی اس میں داخل ہے اہل لغت کی تصریح سے ثابت ہوا کہ غلط ہے۔ اگر یہ فرماتے کہ: اماتت سلانے اور بیہوش کرنے کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ تو البتہ قابل تسلیم تھا۔ مگر وہ تو صاف کہہ رہے ہیں کہ اماتت کے حقیقی معنی سلانے اور بیہوش کرنے کے ہیں۔ جس کی تکذیب کتب لغت سے ہو رہی ہے۔ اگر یہ بیان ان کا صحیح ہوتا تو کسی لغت کی کتاب کی عبارت نقل کر دیتے کہ اماتت کے حقیقی معنی سلانے اور بیہوش کرنے کے ہیں جیسے ہم نے لغت سے ثابت کر دیا کہ یہ معنی مجازی ہیں۔

جب لغت سے ان کی یہ خلاف بیانی ثابت ہوگئی تو اس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ وہ اپنی غرض کے وقت جھوٹ سچ کی کچھ پرواہ نہیں کرتے اس لئے ان کی کوئی بات قابل اعتبار نہیں۔ پھر انہوں نے جو کہا تھا کہ جھوٹ کہنا شرک ہے۔ تو اس سے سوائے دھوکہ دہی کے اور کیا تصور کیا جائے۔ اور ابھی یہ بات معلوم ہوئی کہ اماتہ اللہ کی تفسیر احادیث سے بھی ثابت ہے کہ عزیر علیہ السلام اس وقت مر گئے تھے تو معلوم ہوا کہ نہ بحسب لغت اماتت کی تفسیر بیہوشی اور خواب ہو سکتی ہے نہ بحسب حدیث۔ اس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے اپنی رائے سے تفسیر کی ہے۔ اور خود ہی ازالۃ الاوہام (ص ۳۲۸) میں لکھتے ہیں کہ: مومن کا یہ کام نہیں کہ تفسیر بالرائے کرے اب ان کو کیا کہنا چاہیے۔



ح۔ تفسیر بالرائے کرنے سے آدمی دوزخی ہوتا ہے

اور حدیث شریف میں ہے: ”قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من تکلم فی القرآن برأیہ فأصاب فقد أخطأ۔ رواہ ابو داؤد والترمذی۔ وفی روایۃ عن أبی داؤد وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ کذا فی تفسیر روح المعانی“ (ص ٦ ج ١) یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص قرآن میں اپنی رائے سے کوئی بات بنائے اگر صواب بھی ہو تو اس نے خطا کی اور جو شخص قرآن میں بے علمی سے کوئی بات بنائے تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

اب دیکھئے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے موافق مرزا صاحب کیسی کیسی وعیدوں کے مستحق ہو رہے ہیں۔ اس صورت میں مسلمانوں کو ان کی رفاقت دینے کی معلوم نہیں کونسی ضرورت ہے۔

انی متوفیک کے معنیٰ نیند کے ثابت ہو گئے

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام (ص ۲۴۷) میں لکھتے ہیں کہ تفسیر معالم میں زیر تفسیر آیت ”یاعیسی انی متوفیک“ لکھا ہے ”کہ علی بن طلحہ بن عباس سے روایت کرتے ہیں“ کہ اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ ”انی ممیتک“ یعنی میں تجھ کو مارنے والا ہوں۔

آپ نے دیکھ لیا کہ ابھی اماتت کے معنی سلانے کے تھے اور یہاں مارنے کے معنی لے رہے ہیں۔ مگر یہ بات یاد رہے کہ یہ تفسیر بھی مرزا صاحب کو مفید نہیں ہوسکتی اس لئے کہ ان کے اعتراف سے ثابت ہے کہ اماتت کے معنی سلا دینے کے ہیں جس سے ثابت ہے کہ ”متوفیک“ کے معنی ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ”ممیتک“ کر کے سلا دینے کے معنی اس کے بھی لئے ہیں اور قرآن شریف سے بھی ثابت ہے کہ ”توفی“ کے معنی سلا دینے کے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے: ”اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ج“ (الزمر ۴۲) یعنی ”توفی“ جو موت اور سونے کے وقت ہوتی ہے، وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ یعنی اللہ ہی مارتا ہے اور سلاتا ہے۔ وقولہ تعالیٰ ”وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ“ (الانعام ٦٠)

یعنی اللہ ہی تم کورات میں سلادیا کرتا ہے۔اس سے ظاہر ہے کہ ”توفی“ کے معنی سلادینے کے بھی ہیں۔اور مرزاصاحب کی تقریر سے معلوم ہوا کہ اماتت کے معنی بھی سلادینے کے ہیں۔اس صورت میں ”متوفیک“ اور ”ممیتک“ دونوں کے معنی سلادینے کے ہوئے۔جو ہمارا مقصود ہے۔

اور مرزاصاحب جو ازالۃ الاوہام (ص ۹۴۳) میں لکھتے ہیں کہ ”توفی“ کے حقیقی معنی وفات دینے اور روح قبض کرنے کے ہیں۔سوخود کلام الٰہی سے اس کی تکذیب ہوگئی۔اور معلوم ہو گیا کہ ”توفی“ جیسے قبض روح سے ہوتی ہے نیند سے بھی ہوتی ہے۔

علامہ زمخشری نے اساس البلاغۃ میں ”توفی“ کے حقیقی معنی استکمال لکھا ہے۔”کما قال وتوفاہ استکملہ“۔

اس کے بعد لکھا ہے: (ومن المجاز) توفی فلان وتوفاہ اللہ و ادرکتہ الوفاۃ۔ اور لسان العرب میں لکھا ہے: تقول: قد استوفیت من فلان وتوفیت منہ مالی علیہ تاویلہ ان لم یبق علیہ شیء۔ واماتوفی النائم فھو استیفاء وقت عقلہ وتمییزہ الی ان نام وقال الزجاج فی قولہ ”قل یتوفاکم ملک الموت“ قال ھو من توفیۃ العدد تاویلہ أن یقبض أرواحکم أجمعین فلا ینقص واحد منکم“

الحاصل اس سے ثابت ہے کہ ”توفی“ کے حقیقی معنی استکمال اور استیفاء کے ہیں۔کسی کتاب میں یہ نہیں لکھا کہ ”توفی“ کے حقیقی معنی موت کے ہیں۔اس صورت میں ”یا عیسی انی متوفیک“ کا مطلب یہ ہوا کہ اے عیسیٰ ہر چند کفار تم کو قتل کرنا چاہتے ہیں مگر یہ نہ ہوگا ہم تمہاری عمر کامل کریں گے اور تم کو اپنی طرف اٹھالیں گے۔

توفی کے معنیٰ حقیقی لیں یا مجازی ہمارا مطلب ثابت ہے

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حق تعالیٰ نے ان کی عمر دراز کی جس کی ظاہری تدبیر یہ ہوئی کہ ان کے دشمنوں میں سے ان کو آسمان کی طرف اٹھالیا اور قیامت کے قریب تک زندہ رہیں گے جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔یہ مطلب آیت شریفہ کا ”توفی“ کے حقیقی معنی لینے پر تھا۔

اور اگر مجازی معنی لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ: ہم تمہیں سلا کے یا بیہوش کر کے اٹھالیں گے اور ''توفی'' کے معنی سلانے کے تو خود کلام الٰہی سے ثابت ہیں بہر حال متوفیک کے حقیقی معنی لیں یا مجازی دونوں صورتوں میں وہ معنی اچھی طرح بن جاتے ہیں۔ جو مسلمانوں میں ابتدا سے اب تک متعارف و مشہور ہیں۔ اور جن کی تصدیق صدہا احادیث و آثار سے ہو رہی ہے۔ اور اس کی کوئی ضرورت نہیں ہوئی کہ عیسیٰ سے مایوس ہو کر مرزا صاحب ہی پر قناعت کر لی جائے۔ گو جتنی باتیں آپ میں پائی جاتی ہیں شان عیسویت کے سراسر خلاف اور مضر ہیں۔

اب دیکھئے کہ مرزا صاحب نے موت اور ''توفی'' کے معنی میں لغت کی طرف رجوع کی تو اکابر اہل لغت نے ان کی تکذیب کر دی پھر قرآن کی طرف رخ کیا تو خدائے تعالی کے کلام قدیم سے صاف ان کا جھوٹ ثابت ہو گیا اور احادیث کے تو وہ اسی وجہ سے دشمن ہیں کہ حدیثیں ہمیشہ ان کی تکفیر و تفسیق وغیرہ کرتی ہیں۔

اہل انصاف اس مقام میں اچھی طرح غور کریں کہ مرزا صاحب نے خیال کیا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی موت ''یَا عِیۡسٰۤی اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡكَ'' سے تو گویا ثابت ہو گئی۔ اور دوبارہ زندہ ہونے کا احتمال؛ جو ''فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ'' سے ہوتا ہے کہ ممکن ہے کہ مثل عزیر علیہ السلام کے وہ پھر زندہ ہو جائیں۔ اس کے باطل کرنے کی غرض سے اس آیت شریفہ کے معنی میں تحریف و تصرف کیا۔ مگر بفضلہٖ تعالی انہی کی تقریر سے ثابت ہو گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت نہیں اس لئے کہ ابن عباس کی تفسیر جو استدلال میں پیش کرتے ہیں کہ متوفیک کی تفسیر انہوں نے (ممیتک کی ہے) اُس سے ان کی موت ثابت نہیں جیسا کہ اَمَاتَهُ اللّٰهُ سے عزیر علیہ السلام کی موت بقول مرزا صاحب ثابت نہیں اور اگر عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت کرنے کی غرض سے مُمِیۡتُکَ جو تفسیر مُتَوَفِّیۡکَ میں واقع ہے۔ اس سے حقیقی موت مراد لیں تو فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ سے عزیر علیہ السلام کی حقیقی موت ثابت ہو گی۔ جس سے ان کا وہ مطلب فوت ہو جائے گا کہ کوئی شخص اس عالم میں دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ سے عزیر علیہ السلام کا دوبارہ زندہ ہونا ثابت ہے بہر حال ان دونوں دعووں سے ایک دعوی ان کا ضرور باطل ہو گیا۔ اس کے بعد احیائے

موتی سے متعلق کل آیتوں میں جو وہ تحریفیں کر رہے ہیں جیسا کہ ازالۃ الاوہام (ص ۹۴۳) میں لکھتے ہیں:

''کہ تمام قرآن میں جو احیائے موتی کے متعلق آیات ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ فلاں قوم یا شخص کو مارنے کے بعد زندہ کیا گیا ان میں صرف اماتت کا لفظ ہے ''توفی'' کا لفظ نہیں''

اس میں یہی بھید ہے کہ ''توفی'' کے حقیقی معنی وفات دینے اور روح قبض کرنے کے ہیں۔ لیکن اماتت کے حقیقی معنی صرف مارنا اور موت دینا نہیں بلکہ سلانا اور بیہوش کرنا بھی اس میں داخل ہے۔'' اس سے ان کو کچھ فائدہ نہیں سوائے اس کے کہ غضب الٰہی کا استحقاق حاصل ہو۔

ایک واقعہ احیائے موتی کا قرآن شریف میں یہ مذکور ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص مارا گیا۔ جس کا قاتل معلوم نہ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے مقتول زندہ ہوا۔ اور اپنے قاتل کا نام بتلادیا۔ یہ واقعہ سورہ بقرہ میں آیت شریفہ ''وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ'' (البقرۃ' ۷۲) الآیۃ میں مذکور ہے۔ جس میں حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ اور موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کا حال ظاہر فرماتا ہے۔ مگر مرزا صاحب کہتے ہیں کہ نہ وہ قدرت خدا تھی نہ معجزہ بلکہ ایک معمولی بات تھی کہ مسمریزم کے عمل سے اس مردہ کو حرکت ہوگئی تھی معاذ اللہ۔

مرزا صاحب کو عیسویت کے دعویٰ نے کہاں تک پہنچا دیا۔

قرآن کی تکذیب کی۔

خدا کی قدرت کا انکار کیا۔

انبیاء کو ساحر قرار دیا۔

عیسیٰ علیہ السلام کے کمال درجہ کے یقین کی تعریف احادیث میں وارد ہے کہ یقین کی وجہ سے وہ پانی پر چلتے تھے مسیح موعود میں کم از کم ایمان تو ہونا چاہیے مگر یہاں تو ایمان ہی ندارد کا مضمون صادق آرہا ہے۔ اب بھلا مرزا صاحب کو اہل ایمان مسیح موعود کس طرح تصور کریں۔ اس آیہ شریفہ کی تفسیر اور مرزا صاحب کے شبہات پیشتر لکھے جاچکے ہیں اعادہ کی حاجت نہیں۔

اور ایک واقعہ احیائے موتی کا آیت شریفہ: ''وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ط'' (البقرۃ' ۲۶۰) میں مذکور ہے جو ابراہیم علیہ السلام سے وقوع میں آیا مرزا صاحب

نے اس کو بھی مسمریزم کہہ کر ٹال دیا جس کا حال پیش تر مذکور ہوا۔ اور حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ احیائے اموات کئی مقاموں میں بیان فرمایا ہے۔ اور ان کے احیائے اموات کے واقعات احادیث سے ابھی معلوم ہوئے۔ مگر مرزا صاحب کی رائے ہے کہ نہ کوئی واقعہ صحیح ہے نہ خدائے تعالیٰ کا خبر دینا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ: دراصل وہ قریب الموت آدمی کی روح میں مسمریزم کے عمل سے چند منٹ کے لئے گرمی پہنچا دیتے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ نعوذ باللہ عیسیٰ علیہ السلام ایک معمولی جادوگر تھے۔ جو مسمریزم میں مشاقی حاصل کر کے قریب الموت بیماروں کو مسمریزم سے حرکت دیتے جس سے دھوکہ دینا مقصود تھا کہ ہم مردوں کو بھی زندہ کرتے ہیں۔ اور حق تعالیٰ نے ان کی بڑائی کی غرض سے اصل واقعہ چھپا کر اس قابل نفرت کارروائی یعنی عمل مسمریزم کو ایسے الفاظ میں بیان کیا کہ ہر شخص یہ سمجھے کہ سچ مچ وہ مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔ اور اس دھوکہ کو باذن اللہ کہہ کر اور بھی مستحکم کر دیا کہ جب خدا کے حکم و اجازت سے یہ کام کرتے تھے تو مسلمان یہی سمجھیں کہ فی الواقع وہ مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔

کیا اب اس کے بعد بھی کوئی درجہ باقی ہے جس کا انتظار ہے۔ مسمریزم کی ایجاد کو ابھی پورے سو برس نہیں گذرے اگر مرزا صاحب اس صدی کے پہلے ہوتے تو جن آیتوں میں احیائے اموات کو مسمریزی تحریک قرار دیتے ہیں اس وقت اس کی طرف تو خیال کا منتقل ہونا محال تھا۔ اور احیائے اموات کے بھی قائل نہیں۔ معلوم نہیں اس وقت ان آیتوں کے کیا معنی بیان فرماتے۔ اہل رائے سمجھ سکتے ہیں کہ جب احیائے اموات بھی نہ ہو اور نہ متشابہ حیات یعنی مسمریزمی حرکت کا احتمال قائم ہو تو بجز اس کے کہ ان آیتوں کا سرے سے انکار ہی کیا جاتا اور کوئی صورت نہ تھی مسمیر صاحب کا احسان سمجھنا چاہئے کہ ان کی وجہ سے اس کھلے انکار کی نوبت نہ آئی۔

اور حق تعالیٰ فرماتا ہے: ”اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾“ (البقرۃ) یعنی کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ایک بار ہزاروں آدمی موت سے ڈر کر اپنے گھروں سے نکل گئے تھے اللہ نے ان کو کہا کہ تم سب مرجاؤ تو وہ مر گئے۔ پھر ان کو زندہ کیا اللہ کا لوگوں پر بڑا فضل ہے۔ لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

م۔ تمام قرآن میں جہاں اماتت کا حفظ ہے اس کے معنیٰ بے ہوشی وغیرہ کے ہیں

مرزا صاحب یہاں بھی وہی نیند یا بیہوشی موت سے مراد لیتے ہیں۔ کیونکہ ابھی معلوم ہوا کہ انہوں نے عام قاعدہ ایسے موقعوں کے لئے بنا دیا ہے کہ جہاں موت کا لفظ آ جائے اس کے معنی بیہوشی یا نیند کے لئے جائیں۔ مرزا صاحب کی رائے پر اس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ ہزار ہا آدمی نیند کے ڈر سے بھاگے سو حق تعالی نے ان سب کو کہا کہ سو رہو۔ پھر جب سو رہے تو ان کو جگا دیا۔ اللہ کا لوگوں پر بڑا فضل ہے۔ معلوم نہیں کہ نیند ایسی کیا مصیبت کی چیز تھی جس کے ڈر سے ہزاروں آدمی گھر بار چھوڑ کر بھاگ گئے۔ پھر خدائے تعالی نے سب کو سلا دیا پھر جگا بھی دیا۔ نیند تو سنۃ ضروریہ میں ہے اور عادۃ اللہ جاری ہے کہ ہر رات آدمی سوتا ہے۔ پھر بیدار بھی ہو جاتا ہے۔ گو یہ سب حق تعالی ہی کے حکم سے ہوتا ہے مگر یہ کوئی نئی بات نہیں جس کا بیان اس اہتمام سے فرماتا ہے۔ "فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ" (البقرۃ، ۲۴۳) جس کو تھوڑی بھی عقل ایمان کے ساتھ ہو کیا اس آیت کے یہی معنی سمجھے گا جو مرزا صاحب بتلاتے ہیں کیا یہ حق تعالی کے شان کی بات ہے کہ قرآن میں ایسا واقعہ بیان فرما دے کہ نیند سے یا موت سے بھاگے ہوؤں کو سلا دیا پھر جگا دیا اور بڑا ہی فضل کیا۔

جب مرزا صاحب نے خدائے تعالی کے کلام معجز نظام کو رکیک اور مہمل بنانے کی کچھ پرواہ نہ کی تو اب کونسی بات ان کے لئے دشوار ہے۔ یہ تو مرزا صاحب کی تفسیر بالرائے تھی، اب اصل تفسیر سنئے:

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے درمنثور میں اس آیت کی شان نزول نقل کی ہے کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے۔ دو یہودی آئے ایک نے دوسرے سے کہا کیا یہ وہی ہوں گے؟ عمر رضی اللہ عنہ جب جانے لگے ان سے پوچھا کہ تم کیا کہہ رہے تھے انہوں نے کہا کتاب میں لکھا ہے کہ ایک شخص لوہے کا سینگ یعنی نہایت قوی ہوگا اور اس کو وہ دیا جائے گا جو نبی اللہ حزقیل کو دیا گیا تھا، جن کی دعاء سے مردے زندہ ہوئے تھے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: "ما نجد فی کتاب اللہ حزقیل و لا احیا الموتی باذن اللہ الا عیسی"

یعنی ہماری کتاب میں نہ حزقیل کا نام ہے اور نہ یہ کہ سوائے عیسی علیہ السلام کے اور کسی نے

باذن اللہ مردے کو زندہ کئے۔ انہوں نے کہا: کیا تمہاری کتاب میں یہ نہیں ہے؟ ''وَرُسُلًا لَّمۡ نَقۡصُصۡهُمۡ عَلَيۡكَ'' (النساء ۱۶۴) یعنی بہت رسولوں کے قصے قرآن میں نہیں بیان کئے گئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں یہ تو ہے۔ انہوں نے کہا کہ حزقیل نے جو مردے زندہ کئے تھے اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک بار بنی اسرائیل میں ایک عام مرض پھیلا تھا۔ جس سے بہت لوگ بھاگ گئے۔ ایک میل کے فاصلے پر وہ لوگ ہوں گے کہ یکبارگی وہ سب بحکم الٰہی مر گئے۔ اور ایک مدت تک وہیں پڑے رہے۔ یہاں تک کہ ان کی ہڈیاں بوسیدہ ہوگئیں۔ اس وقت حزقیل نبی اللہ کا وہاں گذر ہوا اور انہوں نے ان کے زندہ ہونے کی دعا کی چنانچہ وہ سب زندہ ہو گئے۔

ق اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ سے

ہزاروں مردے زندہ ہونا ثابت ہے

اس لئے اس واقعہ کی تصدیق میں آیت شریفہ: ''اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ وَهُمۡ اُلُوۡفٌ'' (البقرۃ: ۲۴۳) نازل ہوئی۔ اس کے سوا اور بہت سی روایتیں درمنثور میں منقول ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے: ''عن ابن عباس رضی اللہ عنهما فی قوله ''الم ترالی الذین خرجوا من دیارھم وھم الوف حذر الموت'' قال: کانوا اربعة آلاف خرجوا فرارا من الطاعون وقالوا نأتی أرضا لیس بها موت حتی اذا کانوا بموضع کذا وکذا قال لهم: موتوا فمر علیهم نبی من الانبیاء فدعا ان یحییهم حتی یعبدوه فاحیاهم''

یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ چار ہزار شخص طاعون سے اس غرض سے بھاگے تھے کہ کسی ایسے مقام میں جا بسیں کہ جہاں موت نہ ہو۔ راستہ میں ان کو حکم ہوا کہ مر جاؤ اس کے بعد کسی نبی کا ان پر گذر ہوا اور انہوں نے دعا کی کہ وہ زندہ ہوں اور عبادت کریں۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا۔ یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ وہ لوگ شاید تھوڑی دیر کے لئے زندہ ہوئے ہوں گے۔ اس لئے کہ روایتوں سے ثابت ہے کہ وہ لوگ بہت روز زندہ رہے۔ چنانچہ درمنثور میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: انہی زندہ شدہ لوگوں کو جہاد کا حکم ہوا تھا۔ جس کا ذکر اسی قصہ کے متصل اس آیت شریفہ میں ہے: ''وَقَاتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ۝۲۴۴'' (البقرۃ)

غرض کہ ہزار ہا مردوں کا زندہ ہونا اور مثل اور زندوں کے زندگی کرنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے مرزا صاحب اگر قرآن وحدیث ہی کو نہ مانیں تو اس کا علاج نہیں۔حق تعالی فرماتا ہے: فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَہٗ یُؤۡمِنُوۡنَ﴿۵۰﴾ (المرسلات) یعنی جب قرآن ہی پر ایمان نہ لائیں تو اب کاہے پر ایمان لائیں گے۔

وَاِذۡ قُلۡتُمۡ یٰمُوۡسٰی سے احیائے اموات ثابت ہے

اور حق تعالی فرماتا ہے: "وَاِذۡ قُلۡتُمۡ یٰمُوۡسٰی لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَہۡرَۃً فَاَخَذَتۡکُمُ الصّٰعِقَۃُ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثۡنٰکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَوۡتِکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ﴿۵۶﴾" (البقرۃ)

یعنی یاد کرو جب تم یعنی تمہارے بڑوں نے موسی علیہ السلام سے کہا تھا کہ اے موسی جب تک ہم خدا کو ظاہر میں نہ دیکھ لیں کسی طرح تمہاری بات کا یقین نہ کریں گے۔اس پر تم کو یعنی تمہارے بڑوں کو بجلی نے آدبوچا۔اور تم دیکھا کئے پھر تمہارے مرے پیچھے ہم نے تم کو جلا اٹھایا تا کہ شاید تم شکر کرو۔

ح۔دعائے نبی برائے احیائے اموات

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر درمنثور میں لکھا ہے:"عن الربیع بن انس فی قولہ واذ قلتم یاموسی لن نؤمن لک حتی نری اللہ جھرۃً قال: ھم السبعون الذین اختارھم موسی فاخذتکم الصاعقۃ قال ماتوا ثم بعثنا کم من بعد موتکم فبعثوا من بعد الموت لیستوفو اجالھم" یعنی ربیع بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جن لوگوں پر بجلی گری تھی وہ ستر آدمی تھے جن کو موسی علیہ السلام نے انتخاب کیا تھا وہ سب مرنے کے بعد زندہ ہوئے۔

اب اہل اسلام کی خدمت میں گذارش ہے کہ ہم نے اتنی آیات واحادیث واقوال سلف پیش کر دیئے جن سے صراحۃً ثابت ہے کہ ہزار ہا مردے زندہ ہو چکے ہیں اور یہ بات مسلم ہے کہ قرآن کے ایک حرف کا انکار تمام قرآن کا انکار ہے۔



ح۔ قرآن کے ایک حرف کا منکر بھی کافر ہے

جیسا کہ تفسیر ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ میں روایت ہے: ”عن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال کانّ من کفر بحرف من القرآن او بآیۃ فقد کفر بہ کلہ“ یعنی قرآن کی ایک آیت یا ایک حرف کا بھی کوئی انکار کرے تو گویا اس نے تمام قرآن کا انکار کر دیا۔

اب ذرا تامل کیا جائے کہ جب ایک حرف کا انکار تمام قرآن کا انکار ہے تو اتنی آیتوں کا انکار کس طرح جائز ہوگا؟ پھر علاوہ ان آیات کے احادیث بھی بکثرت ان کے مؤید ہیں۔ اور تمام امت خصوصا اہل سنت و جماعت کا ابتداء سے آج تک اسی پر اتفاق ہے۔ کسی کو اس میں کلام نہیں۔ اور مرزا صاحب نے جو ان تمام آیات واحادیث وغیرہ کا انکار کر دیا، اس میں صرف ان کی ذاتی غرض ہے کہ عیسی علیہ السلام کی موت فرض کر کے یہ ذہن نشین کریں کہ کوئی شخص مرنے کے بعد زندہ نہیں ہوسکتا۔ اور احادیث سے عیسی علیہ السلام کا نزول بھی قیامت کے قریب ثابت ہے۔ اس لئے ان احادیث میں تاویلیں کر کے اور ان کے ساتھ الہاموں کی جوڑ لگا کر چاہتے ہیں کہ عیسی موعود خود بن بیٹھیں۔

اب ان آیات واحادیث واجماع امت اور واقعات پر اطلاع ہونے کے بعد ہر شخص مختار ہے خواہ قرآن وحدیث اور ہزار ہا کتب اہل سنت و جماعت جن میں یہ مسئلہ مذکور اور مسلم ہے سب کی تکذیب کر کے مرزا صاحب کے قول پر ایمان لائے یا اپنے ایمان کو عزیز رکھ کر قرآن وحدیث پر ایمان لائے۔ کیونکہ خود حق تعالی نے فرمادیا ہے: ”فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ ۙ“ (الکھف' ۲۹) یعنی جس کا جی چاہے ایمان لائے جس کا جی چاہے کافر ہوجائے۔ مگر یاد رہے کہ اسی کے ساتھ حق تعالی نے یہ بھی فرمادیا ہے: ”اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ نَارًا ۙ“ (الکھف' ۲۹) یعنی ہم نے ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے۔

مرزا صاحب کو مسیح موعود ہونے کا تو بہت کچھ شوق ہے لیکن اس کے لوازم وآثار کو وہ پورے نہ کر سکے۔ جس کا حال معلوم ہوا۔ بلکہ جو صفات ان میں پائی جاتی ہیں۔ وہ منافی عیسویت ہیں مثلا دین کے پیرایہ میں دنیا طلبی وہ بھی کمال بدنما طریقہ سے اس بات پر دلیل قطعی ہے کہ وہ عیسی موعود نہیں ہوسکتے۔

دیکھ لیجئے براہین احمدیہ کی نسبت انہوں نے لکھا تھا کہ اس کی پندرہ جلدیں تیار ہیں۔ چنانچہ اس کی قیمت سوسو روپیہ پیشگی وصول کر لی گئی۔ اور ایک جلد کے اندازہ میں چھاپ کر اس کا خاتمہ ایک بات پر کر دیا کہ خدا اپنے دین کا خود حافظ ہے۔ یعنی زیادہ لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

سراج منیر چھاپنے کے نام سے پیشگی چندہ وصول کر لیا گیا اور کتاب ندارد۔ عطائے فرزند وغیرہ کی دعا پر پیشگی اجرت وصول کی جاتی ہے۔ اپنی اور اپنے متعلقین کی تصویریں بیچ کر روپیہ جمع کیا جاتا ہے۔ زکوۃ اس تدبیر سے وصول کی جاتی ہے کہ ہر مسلمان کو زیور وغیرہ کی زکوۃ دینی ضروری ہے۔ اور اس وقت اسلام یتیم ہو گیا ہے۔ اس لئے چاہئے کہ زکوۃ کے روپیہ سے اپنی تصانیف خرید کر کے تقسیم کی جائیں۔ حالانکہ حق تعالی نے زکوۃ کا مصرف جو مقرر فرمایا ہے اس کو ہر طالب علم جانتا ہے کہ فُقراء اور مساکین وغیرہ ہیں۔ کعبہ جو اپنے گھر میں بنایا اس سے یہی غرض ہے کہ حج کی رقم اپنے گھر میں آیا کرے اس کے سوا ان کی اور بہت سی کارروائیاں ہیں مثل الحاد وتحریف قرآن اور خدا پر افترا وغیرہ وغیرہ جن میں سے چند اس کتاب میں بھی مذکور ہوئیں۔

الحاصل ان امور کے دیکھنے کے بعد ان کا دعوی عیسویت بداہۃً باطل ہو جاتا ہے۔

تمت بالخیر

فہرست مطبوعات مجلس اشاعۃ العلوم جامعہ نظامیہ

تالیفات حضرت شیخ الاسلام مولانا حافظ محمد انوار اللہ فاروقی فضیلت جنگ علیہ الرحمہ بانی جامعہ نظامیہ

1	مقاصد الاسلام۔ حصہ اول	اردو	اخلاق، تمدن، فقہ اور کلام پر بحث	50/-
2	مقاصد الاسلام حصہ دوم	"	عقل و درایت پر عالمانہ بحث	40/-
3	مقاصد الاسلام حصہ سوم	"	انسان کی ترکیب، خلق روح کا حال معرفت الٰہی پر مدلل بحث	50/-
4	مقاصد الاسلام حصہ چہارم	"	تحصیل علوم عربیہ مطابق نصاب نظامیہ پر ایک دلچسپ بحث، فضائل حج	50/-
5	مقاصد الاسلام حصہ پنجم	"	تصوف کی تعریف معرفت الٰہی، سزا جزا حالات جنت و دوزخ پر عقلی بحث	80/-
6	مقاصد الاسلام حصہ ششم	"	عبداللہ بن سبا کے حالات۔ شہادت حضرت عثمانؓ، فضیلت تقویٰ کا بیان	80/-
7	مقاصد الاسلام حصہ ہفتم	"	عجائب جسمانی کے طبی حالات، وحی کے اقسام، عشق حقیقی، شریعت کی ضرورت	50/-
8	مقاصد الاسلام حصہ ہشتم	"	تفسیر سورۂ ناس سے متعلق چند ارشادات و مضامین	80/-
9	مقاصد الاسلام حصہ نہم	"	معجزات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیان	50/-
10	مقاصد الاسلام حصہ دہم	"	حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ کے واقعات	40/-
11	مقاصد الاسلام حصہ یازدہم	"	ضرورت اتباع صحابہ، فضائل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	50/-
12	حقیقۃ الفقہ حصہ اول و دوم		محدثین و فقہا کے فرائض منصبی، حدیث، فقہ و اجتہاد پر مدلل بحث	300/-
13	کتاب العقل	اردو	عقل کی حقیقت کہاں تک دینی ابواب میں چل سکتی ہے، حکمت قدیمہ و جدیدہ کا بیان	400/-
14	انوار احمدی	اردو	نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل	200/-

نمبر	نام کتاب	زبان	تفصیل	قیمت
15	انوارالحق	اردو	مرزاغلام احمد قادیانی کے رد میں	60/-
16	الکلام المرفوع	اردو	حدیث موضوع پر مکمل بحث	50/-
17	شمیم الانوار (فارسی کلام منظوم)			20/-
18	خلق افعال	اردو		20/-
19	خدا کی قدرت	اردو		20/-
20	انوار اللہ الودود	اردو		20/-
21	افادۃ الافہام حصہ اول ودوم	اردو	مرزاغلام احمد قادیانی کی ازالۃ الاوہام کا مسکت رد	زیر طبع
22	انوار التجید	اردو	مسائل توحید پر مدلل بحث	زیر طبع
23	نثر المرجان فی رسم نظم القرآن حصہ اول تا ہفتم۔عربی		قرآن کے رسم خط نظم قرآن واختلاف قواعد تجوید کا بیان	زیر طبع
24	روح الایمان فی آیات تشریح القرآن		مؤلفہ مولوی فتح الدین ازبرخوشابیؒ	زیر طبع
25	حیاۃ الانبیاء وترجمہ انباء الاذکیا (اردو)		مؤلفہ مولوی حفیظ اللہ خاں علیہ الرحمہ آنحضرت ودیگرانبیاء کی حیات	20/-
26	مکارم الحفظہ (اردو)		ازمولوی حفیظ اللہ خاںؒ۔حفاظ قرآن کے آداب وفضائل	20/-
27	السمع الاسمع خطبہ بےنقط (عربی)		ازمؤلفہ مولوی احمد مکرم عباسیؒ چریاکوٹی	زیر طبع
28	العروۃ الوثقی (عربی)		ازمولوی غلام محمد برہان الدینؒ، رویت فضائل۔رؤیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	زیر طبع
29	الوسیلۃ العظمیٰ		ازمولوی غلام محمد برہان الدینؒ، جواز قیام وقت ذکر میلاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فضیلت مکہ معظمہ ومدینہ منورہ	زیر طبع
30	فوزالمرام (اردو)		ولی اور ولایت کی تعریف میں مدلل بحث	80/-
31	الانوار البھیہ فی الاستعانتہ من خیر البریہ (اردو)		استعانت ازرسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	200/-

32	سفرنامہ حرمین شریفین (اردو)	مؤلفہ مولوی محی الدین حسینؒ دہلوی سفر حرمین شریفین کے حالات	زیر طبع
33	خیر المواعظ۔ جلد اول (عربی ترجمہ فارسی)	مولوی محمد زماں خاں شہیدؒ مسائل طہارت وصلوۃ وزکوٰۃ صیام، حج، نکاح، وطلاق کا بیان	زیر طبع
34	خیر المواعظ جلد ثانی	مضامین متعلق خانہ داری وآداب اسلام کی بحث	زیر طبع
35	مذہب منصور (اردو)	مؤلفہ مولوی منصور علی خاں ۔ اصطلاحات صوفیہ وجودیہ واسماء وصفات الہیہ کی تفصیل	زیر طبع
36	ہدایۃ الترتیل۔ جلد اول (اردو)	مؤلفہ سید عبدالحی بخاری۔ قرآن مجید صحیح	زیر طبع
37	ہدایۃ الترتیل جلد دوم (اردو)	قرآن شریف کے لغات عجیب بہ ترتیب حروف تہجی	زیر طبع
38	مرجع غیب (اردو)	مؤلفہ مولانا سید غوث الدین قادری علم غیب کی بحث	80/-
39	اصطلاحات الصوفیہ (عربی)	مؤلفہ مولوی کمال الدین اصطلاحات صوفیہ کی شرح	50/-
40	شرح الحجب والاستار (عربی)	مؤلفہ علامہ روزبھانؒ فن تصوف کا ایک بے نظیر رسالہ	زیر طبع
41	عمران القلوب (اردو)	مؤلفہ مولوی معوان حسینؒ۔ بغرض حصول فیض و برکات، زیارت مزارات کے جواز پر بحث	100/-
42	انوار العاشقین (اردو)	ذکر ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحالات صحابہ واہلبیت	زیر طبع
43	تحقیق مسح الجوربین (فارسی)	یہ رسالہ تحقیق مسح الجوربین میں لاجواب ہے	زیر طبع
44	فیصلہ شاہ صاحب دہلوی (اردو)	وحدۃ الوجود کا ثبوت آیات قرآنی واحادیث سے	زیر طبع
45	ثبوت ذکر جہر (اردو)	ذکر جہر کا ثبوت فتاوی واحادیث سے	زیر طبع
46	تحفۃ السالکین (اردو)	سلوک وطریقت، افکار واشغال کا بیان	زیر طبع

نمبر	نام کتاب	تفصیل	قیمت
47	تفسیر سورہ اعلیٰ (فارسی)	سورہ اعلیٰ کی تفسیر	زیر طبع
48	الدلیل الاظہر (اردو)	پیشاب کرنے کے بعد ڈھیلے یا پتھر سے پاک کرنے کا ثبوت	زیر طبع
49	سخاوت الشرافت (اردو)		زیر طبع
50	شعائر اللہ فی فضائل شعر رسول اللہ (اردو)	موئے مبارک آنحضرتؐ کی فضیلت	20/-
51	رفع الحجاب من مسئلۃ الخضاب (اردو)	مہندی و تیل کے خضاب کا ثبوت	200/-
52	احکام اللحٰی فی احکام اللحیٰ (اردو)		200/-
53	القول الاظہر (اردو)	مؤلفہ مولوی معین الدینؒ	زیر طبع
54	نقشہ جات فقہ (اردو)	مولوی عبید اللہ منشی فاضل	زیر طبع
55	فتاوی نظامیہ	مؤلفہ مولانا محمد رکن الدین سابق مفتی جامعہ نظامیہ طہارت، زکوۃ، صوم، نکاح، ایمان وقف وغیرہ	200/-
56	مطلع الانوار	سوانح حیات حضرت شیخ الاسلامؒ	50/-
57	نقشہ انوار الفرائض (اردو)	مؤلفہ مولوی فتح الدین از برخوشابی نقشہ جات احکام توریث اسلام و ہنود	زیر طبع
58	الحجۃ البازغہ (عربی)	مؤلفہ مولوی برکات احمد ۔ حکماء ٹونکی کا استدلال صورت جسمیہ پر	80/-
59	سلام الاسلام (اردو)	مؤلفہ مولوی کاظم حسینؒ شفیۃ نقوی کنتوری	20/-
60	فیصلہ آسمانی (اردو)	مؤلفہ مولوی سید ابو احمد رحمانی۔ فرقہ قادیانی کی تردید	20/-
61	غایۃ البیان فی مسائل صیام رمضان (اردو)	مولوی محمد حسین خان میسوری روزہ کے مسائل	20/-
62	شروط الائمۃ الخمسہ (عربی)	مؤلفہ مولوی ابو بکر محمد بن موسیٰؒ	10/-

63	شروط ائمۃ الستہ (عربی)	مؤلفہ مولوی ابوالفضل محمد بن طاہر اصول وشرائط حدیث کا بیان	10/-
64	خلاصہ ملتقی الابحر (عربی)	مؤلفہ مولوی غلام ابراہیم حلبی کی مشہور فقہ حنفی کی کتاب کا انتخاب	زیر طبع
65	معجم المصنفین۔حصہ اول تا چہارم (عربی)	اس حصہ میں جملہ علوم وفنون بیان کئے گئے ہیں	زیر طبع
66	شمائل الاتقیاء (فارسی)	مؤلفہ حضرت شیخ رکن الدین عماد الدین و سرکاشانی خلد آبادی مسائل تصوف میں	زیر طبع
67	فتاوی لبس حریر وابریشم (اردو)		30/-
68	فتاوی نوازل	ابواللیث سمرقندیؒ	زیر طبع
69	سرمایہ نجات تلنگی	مترجمہ غلام محمد صاحب شوق	زیر طبع
70	تفسیر مظہری۔اول ودوم	مولانا ثناء اللہ پانی پتیؒ	زیر طبع
71	حمایت الصلوٰۃ اول۔دوم	مولانا محمد عظیم الدین صاحبؒ	250/-
72	زکوٰۃ انگریزی		10/-
73	مختار اب الادب زیدان بدران (عربی)		70/-